

میراد غالب

دیوان غالب کی مختصر ترین شرح

از

منظور احسن عباسی

۱۹۶۵ء

میرادِ غالب

دیوانِ غالب کی مختصر ترین شرح

از

منظور احسن عباسی

۱۹۷۵ء

”جملہ حقوق محفوظ“

اشاعت : اول

قیمت : پانچ روپے

مطبع : سید سید

۳۴ اردو بازار لاہور

مصنف

ملنے کا پتہ ۱۱۲ - ڈی ماڈل ٹاؤن لاہور

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

ہر ادغال

یعنی

دیوان غالب کی مختصر ترین شرح

الف

(۱)

نقش فریادی ہے کس کی شوخی تحریر کا

کاغذی ہے پیر بن ہر سیکر تصویر کا

کس، کئیہ از ذات شاعر شوخی تحریر: یعنی خوبی تحریر شوخی تحریر

کا نقش: اضافت اقترانی

شعر کا مطلب یہ ہے کہ شاعر نے جذبات کی جو تصویر کشی کی ہے اس کا ہر

نقش (شعر) کاغذی لباس میں ہے۔ یعنی اشعار کی خوبی داد طلب ہے۔ کمال شہیل

اصنافی المتن ۲۲۵ کے اس شعر کا ہم مضمون:

کاغذیں جام پر شد و بدر گاہ آمد زادہ خاطر من تا بد ہی داد مرا

کاغذ کا لباس پہن کر پیش ہونا دستور تھا داد خواہوں کا (تعلق و تعارف)

کاؤ کا دستخت جائیہا سٹے تنہائی نہ پوچھ

صبح کرنا شام کا لانا ہے جوئے شیر کا

دکا دکا، یعنی کوفت و کاوش یعنی شب تہائی کی کوفت میں رات کاٹنا اور دن کرنا

ایسا ہی دشوار ہے جیسا فریاد (کوہکن) کو پہاڑ کاٹ کر جوئے شیر کا لانا دشوار تھا۔

اس میں تکیجے بے شیریں اور فریاد کے قصہ کی طرف۔ کہا جاتا ہے کہ شیریں نے اپنے عاشق

فریاد سے مطالبہ کیا تھا کہ وہ پہاڑ کو کاٹ کر درودِ حکی ندی شیریں کے محل تک لے

آئے۔ (معاشی شب بھراں)

جذبہ بے اختیار شوق دیکھا چاہیے

سینہ شمشیر سے یاہر ہے دم شمشیر کا

یعنی اہل عشق قتل ہونے کے اس قدر مشتاق ہیں کہ جذبہ شوق قتل تلوار کی دھار

کو تلوار سے باہر کھینچ لیتا ہے۔ شمشیر کو آبرو سے اور دم شمشیر کو ادا سے استعارہ

کیجیے تو حسنی اور دامنجہ ہوجاتے ہیں کہ وہ ادا جو اس تلوار سے نکلتی ہے وہ قاتل

ہے۔ (جذبہ شوق فداکاری)

آگہی نام شنیدن جس قدر چاہیے بکھپائے

مدعا غنقا ہے اپنے عالمِ نقشہ ریکا

آگہی یعنی ادراک غنقا یعنی حیرتِ محمول یعنی لگا ادراک چاہیے کہ مجھ پر

استماع میری تقریر کا مدعا جان لے تو یہ ممکن نہیں کیونکہ اس کا مدعا پانا غنقا کی طرح

صحت حیرتِ محمول ہے (دشواری فہم مطالب غالب)

بسکہ ہوں غالب ایسری میں بھی آتش زیر پا
موشے آتش دیدہ ہے حلقہ مری زنجیر کا

آتش زیر پا : بمعنی بے قرار یعنی قید میں بھی شدت اضطراب کا یہ عالم ہے
کہ اس کے جوتے پیرا بیڑیاں بٹلے ہوئے بال کی طرح بودی ثابت ہوئی ہیں۔
(بالغہ اضطراب جزو عشق)

(۲)

جز قیس اور کوئی نہ آیا بروئے کار
صحرانگہ بہ تنگی چشم سود تھا

بروئے کار نہ آیا : بمعنی آفاقہ عمل نہ ہوا یعنی صحرائے عشق شاید چشم حاسد
کی طرح تنگ تھا کہ قیس کے سوا کوئی اور مرد میدان اس میں نہ سما سکا۔ اشارہ یہ
ہے کہ جزو عشق ہر شخص کا بہرہ نہیں۔ بقول ہر ہوسنا کے۔ فائدہ جام و سداں
باجس (نایابی اہل و نا)

آشفگی نے نقش سویدا کیا درست
ظاہر ہوا کہ داغ کا سرمایہ دود تھا

نقش درست کرتا : بمعنی معروض وجود میں لانا۔ قود : آشفہ
حالی یعنی سویدائے دل دراصل ایک داغ ہے جو دودِ آہ آشفگی سے پیدا ہوا۔
(دود وندئی دل عاشق)

تھا خواب میں خیال کو تجھ سے معاملہ
جب آنکھ کھل گئی نہ زیاں تھا نہ سود تھا

یعنی قیری یاد میں جو فائدہ یا نقصان تصور تھا وہ محض خواب کی سی بات ثابت
ہوتی۔ حقیقت یہ ہے کہ محبت میں کیا فائدہ اور کیا نقصان (بلکہ نیا زنی عشق صادق)

لینا ہوں مکتبِ علمِ دل میں سبقِ ہنوز

لیکن یہی کہ رفت گیا اور بود تھا

یعنی میں مکتبِ عشق کا ہنوز مبتدی ہوں کہ ابتدائی سبق مثلاً رفت یعنی گیا اور

بود یعنی تھا کے سوا نہیں جانتا۔ مطلب یہ ہے کہ اتنا جانتا ہوں کہ دل جو کبھی تھا اب

جاتا رہا باقی ہیچ (ذریعہ کارٹی عشق)

ڈھانپا کفن نے داغِ عیوب برہنگی

میں درد نہ ہر لباس میں تنگ وجود تھا

یعنی میرا وجود بذاتِ خود باعثِ شرم تھا کہ جب تک زندہ رہا گویا ہر حال

تنگ رہا۔ میرے عیب عیاں تھے۔ اس برہنگی کو کفن نے ڈھانپ لیا کیونکہ جب

وجود ہی نہ رہا تو تنگ وجود کے کیا معنی۔ مطلب یہ کہ صرف موت تھی جس نے میرا

پردہ ڈھک لیا (پردہ پریشی مرگ)

تیشے بغیر مرنے سکا کو بہن اسد

گزشتہ شمارِ رسوم و قیود تھا

یعنی کو بہن زخمِ قیشے سے مرا تو کیا مرا۔ اس طرح تو بھی مر سکتے ہیں۔ مرد آزاد

تو وہ ہے کہ مرے میں بھی آلاتِ مرگ کا محتاج نہ ہو۔ بفحوائسے موت تو قبل ازاں

موت تو دتھیں مرگ بے مرگ)

کہتے ہو نہ دیں گے ہم دل اگر پڑا پایا
دل کہاں کہ ہم کیجئے ہم نے مدعا پایا

مدعا : بمعنی مالِ مسروقہ یعنی تمھارے اس طرح کہنے سے کہ اگر کوئی دل
پڑا ملا تو نہ دیں گے۔ میرے دل کا پتہ چل گیا کہ ضرور تم نے چرایا ہے کیونکہ میرا
دل گم ہے جس کی خبر مجھے ہے یا اس کو میں نے یاد ہے (اظہارِ عشق)

عشق سے طبیعت نے زلیلت کا مزہ پایا

درد کی دوا پاتی درد لا دوا پایا

درد لا دوا : بمعنی عشق یعنی میری طبیعت سقیم تھی۔ میں لطیف

زلیلت سے خالی تھا۔ اس درد کا علاج درد لا دوا (عشق) تھا سہل گیا اور زندگی
کا مزہ آگیا۔ (ذوقِ عاشق)

دوست دار دشمن ہے اعتمادِ دل معلوم

آہ بے اثر دیکھی۔ نالہ نا رسا پایا

دشمن : کنایہ از مشرق یعنی دلِ مشوق کو دوست مکتا ہے۔ وہ کب

چاہے گا کہ دوست کے خلافتِ مرضی ہو۔ جیسا تو اس کے نالہ و فریادیں اثر نہیں۔

(توجیہ یہ اثری نالہ)

سادگی و ہر کاری، بخیر دسی و ہشیاری

حسن کو تغافل میں جرات آزما پایا

یعنی مشوق کے تغافل سے یہ نہ سمجھو کہ وہ بے خبر اور سادہ لوح ہے۔ تغافل تو

غضب کی نگاہ ہے اور ہشیاری ہے کہ اس طرح عاشق کی جراتِ شوق کو آزمانا

چاہتا ہے (حیاری مشرق)

خنجر پھر لگا کھلنے، آج ہم نے اپنا دل
 خوں کیا ہوا دیکھا، گم کیا ہوا پایا
 یعنی کہنتی کل کو کیا دیکھا گویا خون شدہ اور گم گشتہ دل مل گیا۔ مطلب یہ کہ بہار
 کے آخانہ نے غم ہائے عشق کو پیر تازہ کر دیا (نقشہ انگیزی بہار)
 حالِ دل نہیں معلوم لیکن اس قدر یعنی
 ہم نے بار بار ڈھونڈا تم نے بار بار پایا
 یعنی دل کے باب میں صرف اس قدر معلوم ہے کہ میں نے بار بار یہ محسوس کیا کہ
 تمہارا دلدادہ ہوں اور تم نے بار بار محسوس کیا کہ میرا دل لے چکے ہو۔ مطلب یہ ہے
 کہ دارِ وادستِ محبت محبوب اور محبت کرنے والے کے سوا اور کوئی نہیں جانتا (دلِ را
 بہ دل رہے ست)

شود پندنا صبح نے زخم پر نمک چھڑکا
 آپ سے کوئی پوچھے تم نے کیا مزا پایا
 شود یعنی اذیت یعنی پندنا صبح سے بجز تلخیِ الم میں اضافہ کے دردِ عشق
 کو کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ (تلخی پند)

(۴)

دل مرا سوزِ نہاں سے بے محابا جل گیا
 آتشِ خاموش کی مانند گویا جل گیا
 سوزِ نہاں، کنایہ اندیشِ عشق بے محابا، یعنی بخوشی خاطر یا بے درمک

آتشِ خاموش: بمعنی آتشِ بے شعلہ یعنی میرا دل عشق کی آتشِ پنہاں میں نالہ و فریاد کیے بغیر جل گیا۔ گویا اس کا جلنا ایسا تھا جیسے بے شعلہ کی آگ کہ سلگتی رہی اور کسی کو خبر نہ ہوئی (غیم پنہاں عشق)

دل میں زوقِ وصل و یادِ یار تک باقی نہیں
آگ اس گھر میں لگی ایسی کہ سب کچھ جل گیا

یعنی بالوہی اور افسردہ خاطری کا یہ عالم ہے کہ دل میں کچھ اور خیال تو باقی نہ تھا صرف شوقِ وصل تھا یا یادِ یار باقی تھی وہ بھی ختم ہے۔ گویا اس گھر میں ایسی آگ لگی کہ آخری قمارِ خانہ میں سے جو باقی تھا وہ سب جل گیا۔ بھڑک اٹھی
عشق کی سوزش نے دل میں کچھ نہ چھوڑا کہ کہیں

لگ اٹھی یہ آگ ناکاہی کہ سب گھر چمک گیا (دیر)
(سوختہ سامانی عشق)

میں علم سے بھی پرے ہوں ورنہ غافلِ بارِ یا
میری آہِ آتشیں سے بالِ عفتا جل گیا

یعنی اے مقامِ فنا سے غافل انسان - وہ جو ملکِ عدم میں عفتا کا وجود باقی ہے اس کا سبب یہ ہے کہ اب میں فنا کے ایسے مقام پر ہوں جو عدم سے بھی آگے ہے مددِ ملکِ عدم میں تو عفتا کے پر میری آہِ آتشیں سے کٹی بارِ جل چکے تھے مگر میرا مقام مقامِ عفتا ہی کے ہم مرتبہ ہوتا تو مقامِ عدم میں بھی اس کا موجود ہونا ممکن نہ ہوتا۔
(مبالغہ بے حقیقتی و وجود)

عرض کیجئے جو سر اندیشہ کی گرمی کہاں
کچھ خیال آیا تھا وحشت کا کہ صحر اہل گیا

یعنی میرا تخیل آنا تا بناک ہے کہ وحشت کا خیال لا آئے ہی صحر (جو وحشت کا
ٹھکانا ہے تصویر میں آئے ہی) اہل گیا (میاں گھر کی اندیشہ)

دل نہیں تجھ کو دکھاتا ورنہ داغوں کی بہار
اس چراغاں کا کردیں کیا کار فرما اہل گیا

یعنی داغ ہائے دل سوزناک، پتہ بہار تھے۔ لیکن دل جس میں داغ کی شمعیں روشن
تھیں وہ خود سوز و عشق سے جل گیا۔ اب دل ہی نہ رہا تو داغ دل کی بہار کہاں ہے
(مباقتہ افسردہ خاطری)

میں ہوں اودا فسر دگی کی آرزو غالب کہ دل
دیکھ کر طرزِ تپاک اہل دنیا حبل گیا

یعنی دوستوں کی کھوکھلی گرمی سے دل ایسا جلا ہے کہ اب چاہتا ہوں کہ دوستی
کا دلوں ہی نہ رہے (شکوہ تصنیع و سخن سازنی احباب)

(۵)

شوق ہر رنگ رقیب سرو سامان نکلا
قیس تصویر کے پردے میں بھی عریاں نکلا

یعنی اہل شوق ہر مال میں قیے سرو سامان ہی دیکھتے ہیں۔ چنانچہ قیس تصویر کے
پردے میں بھی بالے پردہ یا بے لباس ہی نظر آیا۔

(بے سرو سامانی اہل عشق)

زخم نے داد نہ دی تگئی دل کی یارب
تیر بھی سینہ بیل سے پرافشاں نکلا

یعنی زخم خوردہ عشق ایسا دل تنگ ہے کہ زخم کھا کر بھی دل کشادہ نہ ہوا چنانچہ
تیر سینے میں چھب کر اس طرح نکلا جیسے بھنپا ہوا پرندہ پروں کو پھڑپھڑاتا ہوا نکلتا ہے۔
(دل تگنی عاشق)

جوئے گل نالہ دل قد و چہ رخ محفل
جو تری بزم سے نکلا وہ پریشاں نکلا

یعنی تیری محفل سے جاتا ہے دشت و جنون عشق سے سر پیرا ہو کر آتا ہے۔
(دشت انگیزہ حسن)

دل حسرت زدہ تھا مائدہ لذت درد
کام یاروں کا بقدر لب و دندان نکلا

یعنی میرا انگلیں دل درد عشق کا ایک دسترخوان ہے کہ اس سے اشارہ درد و انگیزہ
نکلتے ہیں اور ہر شخص کو بقدر صلاحیت لذت آشنائے درد کر دیتا ہے (سوزیاں)

حق تو آموز فنا ہمت دشوار پسند
سخت شکل ہے کہ یہ کام بھی آسان نکلا

یعنی شکل یہ ہے کہ مٹ جاتا بھی ہمت شکل پسند کو آسان جتنی معلوم ہوا، تو اب
شکل پسندی کا فکریں کس طرح ہو رہا ہے کہ اپنی ہمت مر جانے کو بھی معمولی بات
سمجھتے ہیں۔ (مقام ہمت بند)

دل میں پھر گریہ نے اک شواٹھا یا غالب
آہ جو قطرہ نہ نکلا تھا سو طوقاں نکلا

اس شعر میں ردیف کا لفظ "نکلا" فعل ناقص ہے بمعنی ثابت ہوا۔ طوقاں بمعنی ہلاکت آفرین۔ یعنی میں نے رونا ضبط کیا تھا لیکن یہ اور غضب ہوا لیکر نکلا آنسو کے جو قطرے نہ نکلے تھے وہ طوقاں کی طرح ہلاکت آفرین ثابت ہوئے۔ (احتباس گریہ)

(۶)

دھکی میں مر گیا جو نہ باب نبرد تھا
عشق نبرد پیشہ طلب گارِ مرد تھا

"باب نبرد" یعنی مقابلہ کی اہلیت رکھنے والا نبرد پیشہ؛ بمعنی جنگ جو طلبہ گار۔ بمعنی متقاضی یعنی عشق کی چوٹ دہی جھیلیتا ہے جو بار بار ہوتا ہے۔ نااہل تو عشق کی پہلی ہی دھکی (آغاز کار ہی) میں مر جاتا ہے۔ (دشوار محفل شاد و بدعشق)

تھا زندگی میں مرگ کا کھٹکا لگا ہوا
مرنے سے پیشتر بھی مرانگ زرد تھا

دنگ زرد ہونا: کنایہ ہے مرگ آشنا ہونے سے۔ یعنی مرنے سے پہلے بھی خوب مرگ سے بچہ پر مردنی چھائی ہوئی تھی۔ مطلب یہ ہے کہ زندگی جس کا انجام موت ہے موت سے کچھ مختلف نہیں (المناکح حیات)

تالیفِ نسخہ ہائے دغا کردہ تھا میں
بھوئے خیال ابھی فردِ فسد تھا

یعنی ابتداء ہی سے جب کہ ہنوز قوتِ تخیل کی تہذیب نہ ہوئی تھی۔ میں مضمونِ دغا

کی کتابیں تصنیف کرنے لگا تھا۔ مطلب یہ کہ عہد طفلی ہی سے میں دنیا آشنا اور عشق میں کامل تھا (عشق آماؤ کی نظری)

دل تاجگر کہ ساحل دریا سٹے خون بہا
اس رہنما میں جلوہ گل آگے گرد تھا
گرد تھا، بمعنی بے حقیقت تھا یعنی ایک وقت تھا کہ میری طبیعت کی رنگینی
دیارِ آفرین کے آگے بھول کی تازگی ماند تھی لیکن اب دل و جگر کا تمام راستہ دریائے خون
کا ساحل بنا ہوا ہے (جگر انگارٹی غم عشق)

جاتی ہے کوئی کشمکش اندوہ عشق کی
دل بھی اگر گیا تو وہی دل کا درد تھا
یعنی دل ہے تو غم عشق میں مبتلا اور دل گیا تو غم دل کا ابتلا غرض غم کے کسی
حال نجات نہیں (دعا غم)

اجاب چارہ سازشی و خشت نہ کر کے
زنداں میں بھی خیالِ سیا باں نور و تھا
یعنی زخماں، و خشتِ دل کا علاج نہیں ہے کیونکہ دل (خیال) تو اب بھی نہ
جاتے کہاں کہاں بھٹکتا پھر رہا ہے (بے درمانی تجوہ عشق)
پہ لاش بے کفن اسید خستہ جاں کی ہے
حقِ مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا
مطلب یہ ہے کہ اسید خستہ جاں کی لاش بے کفن کو دیکھ کر وہ کہتے ہیں کہ وہ کیا
مرد آزاد تھا کہ مرنے کے بعد بھی قید کفن گوارا نہ کر سکا۔ (آغا درویش شاعر)

(۷)

شمارِ سحرِ مرغوب بتِ شکل پسند آیا
تماشا کے بیک کفِ برینِ صد دل پسند آیا

یعنی محبوب کو دائرہِ تسبیح کا شمار کرنا مرغوبِ نظر ہے کیونکہ اس کی طبیعتِ شکل پسند ہے اور تسبیح پھر ناگیا ایک ہاتھ میں سودوں کا لے لینا یا بیک وقت سینکڑوں کو اپنی مٹھی میں رکھنا ایک شکلِ حل ہے جو اسے مرغوب ہے (ذوقِ دلربائی محبوب)

بہ فیضِ بیدلی تو میدی جاوید آساں ہے
کشاکش کو ہمارا عقدہ شکل پسند آیا

یعنی یہ بات کہ ہماری شکل ناقابلِ حل ہے۔ ہمیں پسند آئی کہ اس سے شکلِ حل ہو گئی اس طرح کہ اس سے دل ٹوٹ جائے گا اور ہمیشہ کے لیے بالوسی ہو جائے گی تو پھر کوئی شکل نہیں رہے گی اور آسانی ہو جائے گی۔ بقول

اگر ایدہ ہمایہ ہو تو خاثر یا کس بہشت ہے ہمیں آلامِ جان کے لیے
(سکون یاس)

ہوائے سیرِ گل آئندہ بے مہرئی قاتل
کہ اندازِ بخوں غلطیدنِ سہل پسند آیا

یعنی پھولوں کا انداز ایسا ہے جیسے کوئی سہل خون میں لہڑا ہوا ہو مشوقِ قاتل کی بے مہرئی اس سے ظاہر ہے کہ سیرِ گل کا شائق ہے گویا خوبیِ نظارہ کو پسند کرتا ہے (بے مہرئی مشوق)

جواحت تحقہ الماس ارمناں دلغ جگر دیہ

مبارکباد اسد غمخوار جان درد مند آیا

غمخوار جان درد مند: طنزاً مراد از عشق یعنی مبارک ہو کہ عشق آگیا ہے اور
اپنے ساتھ جان درد مند کو درد سے چھٹکارا دلانے کے لیے سامان مرگ، زخم،
ہیرے کی گئی اور داغ جگر ساتھ لایا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ موت سے پہلے غم عشق سے
نجات نہیں ہو سکتی (خدا انجامی عشق)

(۸)

دہر میں نقش وفا و حب رقتی نہ ہوا

ہے یہ وہ لفظ کہ شرمندہ معنی نہ ہوا

یعنی دنیا میں وفا ایک ایسا نقطہ ہے جس کے معنی کچھ نہ نکلتے اور کوئی شخص مطمئن
نہ ہو سکا۔ یا یوں کہیے کہ اہل دنیا کے ساتھ کتنا ہی طریق وفا برتا جائے اس سے نہ
کچھ مقصد حاصل ہے اور نہ کوئی مطمئن ہوتا ہے (شکوہ بے وفائی اہل دہر) یا
"شکوہ نامہ سپاسی"

سبزہ خط سے ترا کا کل سرکش نہ دیا

یہ زمرہ بھی حسیرت دم افی نہ ہوا

یعنی زمرہ کے سامنے افی کا زہر کام نہیں کرتا۔ لیکن تیرا سبزہ خط کیا زمرہ
ہے کہ افی کا کل کو بے قابو نہ کر سکا۔ مطلب یہ کہ سبزہ رخسار کے باوجود کامل کی منتہائی
میں فرق نہیں آیا۔ (بے پیری خوش محبوب)

میں نے چاہا تھا کہ اندر دفن سے چھوٹوں

وہ ستم گورے مرنے پر بھی راضی نہ ہوا

یعنی میں چاہتا تھا کہ مرکزِ وفا کے غم سے نجات پاؤں لیکن مشرقِ ایسا کا لم ہے
کہ وہ اس پر بھی راضی نہیں اور وہ یہی چاہتا ہے کہ خواہ کتنی ہی تلخ کامیاں ہوں وفا
پر قائم رہوں اور جئے جاؤں۔ غرض مرتے دم تک وفا کو تباہ نہ ہے (ستم کو شنی مشوق)

دل گزر گاہ خیال سے وساغر ہی سہی

گو نفس جاوید مہر منزلِ تقویٰ نہ ہوا

نفس: استعارہ از حیات یعنی میرے نزدیک زندگی بھر منزلِ تقویٰ کی راہ
پر گامزن ہونا اور دل کا شے وساغر کے خیال میں پڑا رہنا برابر ہے (بے نیازی
اور کفر و دین)

ہوں تیرے وعدہ نہ کرنے میں بھی راضی کہ بھی

گوشِ منت کش گلیا نگبِ قسلی نہ ہوا

یعنی تیرے وعدہ و صل نہ کرنے میں بھی خوش ہوں کہ کانوں پر تیری قسلی آئینہ باقی
کا احسان نہ ہوا (عشقِ غیور)

کس سے محدودی قسمت کی شکایت کیجئے

ہم نے چاہا تھا کہ مرجائیں سورہ بھی نہ ہوا

یعنی مرجانے کی آرزو بھی پوری نہ ہوئی۔ اس پر مشوق کا شکوہ یہی نہیں کیا
جاسکتا کہ موت اس کے اختیار میں نہیں۔ یہ تو قسمت ہی بری ہے اس کی شکایت
کس سے ہو (حوالہ نہیں)

مرگیا صدر نہ یک جنبش لب سے غالب
نالوانی سے حریف دم عیسیٰ نہ ہوا

یعنی میری نالوانی کا یہ عالم ہے کہ دم عیسیٰ کی سپاہ بھی نہ رہی اور جنبش لب عیسیٰ کے صدر سے مرگیا۔ مطلب یہ ہے کہ میرے حق میں تدبیر حیات بھی سامانِ مرثیہ ہی جاتی ہے و مبالغہ فنا آبادگی)

(۹)

سناش گر ہے ز اہداس قدر حسن باغِ رضواں کا
وہ اک گلدرت ہے ہم بے خودوں کے طاقِ نسیاں کا

مطلب یہ کہ جس نے بے خودیِ خلق کا مزہ پایا وہ باغِ رضوان کو بھول گیا (لذتِ بخود ہی عشق)

بیاں کیا کیجیے بیدار کا دشمن ہائے شرکاء کا
کہ ہر اک قطرہ خونِ دانہ ہے تسبیحِ مرجاں کا

یعنی بیکوں نے کیا غضب کیا کہ قطرہ دہائے اشکِ خون کہہ ان میں سے ہر ایک قدرِ قیمت میں تسبیحِ مرجاں کے دانے میں یکمیر کر رکھ دیا (ظف کا دشمن گریہ)

نہ آئی سلوٹِ قاتل بھی مانعِ میرے تالوں کو
لیا دانتوں میں جو تنکا ہوا ریشہ نیتاں کا

دانتوں میں تنکا لیتا : خص بد مذاں گرفتار کا تجربہ، بمعنی اظہارِ حیرت و نالوانی کرنا۔

ریشہ نیتاں : بمعنی بیخِ نئے، جانا بفسری۔ یعنی قاتل کے دُعب سے بچے

توک کر یہ کرنا چاہیے تھا لیکن جوشِ گریہ کا یہ عالم ہے کہ اپنی عاجزی کے اظہار کو جو تنکا دانتوں

میں یا تو اس نے غسری کا کام کیا۔ مطلب یہ کہ جس قدر اسباب ضبط سے کام لیتا ہوں اتنا ہی مدنا چلا آتا ہے (اضطراب گریہ)

دکھاؤں گا تماشا دی اگر فرصت زمانے نے
مرا ہر داغ دل اک تخم ہے سرور چراغاں کا

سرور چراغاں : بمعنی چراغوں سے سجایا ہوا درخت یعنی میرے دل میں جو داغ ہیں ان کا تماشا کچھ عرصے بعد قابل دید ہو گا کہ ہر داغ گویا سرور چراغاں کا ایک بیج ہے کہ ہر داغ سے ایک سرور چراغاں پیدا ہو گا۔ مطلب یہ کہ ابھی ابتدائے عشق ہے اور یہ داغ تازہ ہیں آگے چل کر ایک ایک کے سینکڑوں داغ بن جائیں گے (فراوانی غم عشق)
کیا آئینہ خانہ کا وہ نقشہ تیرے جلوے نے

کسے جو پر تو خود شید عالم شبنتی کا

شبنتان : بمعنی وہ جن جس میں شبنم پڑی ہوئی ہو یعنی تیرے جلوے کی تاب نہ لگا آئینہ اس طرح گھل گیا جیسے خورشید سے شبنم۔ یا آئینہ خانہ کا وہ عالم ہے جو آفتاب کی روشنی میں شبنتان کا ہوتا ہے کہ ہر قطرہ شبنم سے آفتاب کی چمک نظر آتی ہے (میان تابش یا فراوانی جلوہ)

میری تعمیر میں مضمر ہے اک صورت خوابی کی

ہیولی برق خرم کا ہے خون گرم دہتال کا

ہیولی : معنی مادہ خون گرم : کنایہ از محنت میری تعمیر میں خوابی کی صورت مضمر ہے۔ یعنی میری تعمیر نہ ہوتی تو خوابی کی کوئی صورت ہی نہ تھی۔ گویا ہر چیز جو وجود میں آئی غائب ہو رہے۔ چنانچہ مثلاً جب کسان کی محنت و مشقت کا نتیجہ خرم

تیار ہوتا ہے تبھی برق خرمین بھی ہوتی ہے۔ خرمین ہی نہ ہو تو برق خرمین کہاں دیکھو
حیات با مرگ،

اگا بے گھر میں ہر سو سبزہ ویرانی تماشا کر
مدار اب کھودنے پر گھاس کے ہے میرے رہا کا
گھاس کھودنا، یعنی کار بیکاراں انجام دینا یعنی میرے گھر کی ویرانی۔ رہا دے
ہے کہ تمام گھر میں گھاس اگی ہے اور دربان کا کام گھاس کھودنا رہ گیا ہے۔ خانہ
کا دربان گھاس نہ کھودے تو اور کیا کرے (مبالغہ خانہ ویرانی)
خوشی میں نہاں خوں گشتہ لاکھوں آرزوئیں ہیں
چراغ مزہبوں میں بے زباں گوہر غریباں کا
یعنی میری خاموشی نے لاکھوں آرزوئیں کو دبا کر رکھا اور کسی کو خبر نہیں ہے۔ میری
مثال میں سمجھے ہونے چراغ کی مانند ہے جو غریبوں کی قبر پر چڑھ کر ان کے بچنے کی کسی کو
خبر نہ دے۔ روشن کرنے کی کوئی کوشش (حسرت، اندوہنی عاشق)
ہو نہ اک پر تو نقش خیال یاد باقی ہے
دل افسردہ گویا چروہے یوسف کے زنداں کا
یعنی ہر چند کہ دل بچ گیا ہے تاہم اس میں خیال محبوب کا ایک کس باقی ہے۔
گویا یہ بچا ہوا دل زندان کی کوٹھڑی ہے جس میں خیال محبوب - غرت یوسف کی طرح
جود آؤ۔ ہے (حسن تصور)

بغلی میں غیر کی آج آپ سونے میں کہیں مرنے
سبب کیا خواب میں آکر تبسم ٹانے چہنیاں کا

یعنی میرے خواب میں آکر تمہارا چھپ چھپ کر مسکرانا ظاہر کرتا ہے کہ تم کس کی فانی
بارہم ہو (عشق است و ہزار بدگانی)

نہیں معلوم کس کس کا لہو پانی ہوا ہوگا
قیامت ہے رشک آلودہ ہوتا تیرے شرکاء کا
یعنی تمہاری آنکھوں میں آنسو دیکھ کر جانے کتنے عشاق نے اپنی جان کھودی
ہوگی۔ مطلب یہ کہ معشوق کا غم نہیں دیکھا جاتا (جہاں تشارفی اہل عشق)
نظر میں ہے ہماری جاوہ راہ فنا غالب
کہ یہ شیرازہ ہے عالم کے اجڑائے پریشان کا

اجڑائے پریشان: استعارہ اندر موجودات متنوعہ یعنی اس سے قطع نظر ممکن
نہیں کہ جس قدر بھی موجودات متنوعہ ہیں ان سب کو براہِ فنا کی نگہ بندی پر پہنچنا ہے اور
ہر چیز اس سے وابستہ ہے گویا دنیا کے اجڑائے منتشرہ کی کتاب شیرازہ فنا سے
بند ہوئی ہے۔ بفرحائے یحییٰ من علیہا خان (خدا پذیرِ ممکنات)

(۱۰)

نہ ہوگا یک بیا باں ماندگی سے ذوق کم میرا

حباب موہرہ رخسار ہے نقش قدم میرا

یک بیا باں ماندگی: بمعنی تھکن کی زیادتی یعنی مجھے صبرِ نوردی کا اس

قدر شوق ہے کہ جنگل بھر کی تھکن (بہت زیادہ تھکان) سے بھی کم نہ ہوگا۔ میرے
نقوشِ قدم گویا موجِ رخسار کے پیچھے ہیں کہ رو نہی بنتے وہیں گے۔ کہا جاتا ہے کہ بارش
میں پیلوں کا پیدا ہونا مزید باریاں کی علامت ہے (دوامِ وحشت)

محبت تھی جن سے لیکن اب یہ بڑے مانگی ہے
 کہ موجِ کُردن سے گل سے ناک میں آتا ہے دم میرا
 یعنی کہاں تو سیرِ جن کا عاشق تھا اور اب افسردگی کا یہ عالم ہے کہ کُردن سے گل بے
 بدواغ کر دیتی ہے (افسردگی خاطر)

(۱۱)

سراپا رہن عشق و ناگزیرِ الفت ہستی
 عبادتِ برقی کی کرتا ہوں اور افسوسِ حاصل کا
 یعنی زندہ عشق کو زندگی سے محبت کرنا پڑے تو ایسا ہے جیسے بجلی کا پجاری ہو کہ
 کھلیاں کو بچا نا چاہے اور اس کے تلف ہونے پر افسوس کرے (جانکاہی ناگزیرِ عشق)
 بقدرِ ظرف ہے ساقیِ خمارِ شہد کا می بھی
 جو تو دریائے مے ہے تو میں خیمہ زہ ہوئے مل کا
 یعنی میری پیاس بھی میرے حوصلہ بلند کے مطابق ہے۔ چنانچہ اگر ساقی و دریا مے شراب
 ہے تو میں ساحل کی انگڑائی ہوں کہ گریا تمام دریا کو منہ میں لینے کے باوجود تشنگی برون
 واضح ہو کہ شرابی کا انگڑائی لینا علامت ہے خواہشِ مزید کی۔ (بے پایانی شوق)

(۱۲)

محرم نہیں ہے تو ہی تو امانے راز کا
 یاں در نہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا
 یعنی اسوا جسے اسرارِ حق کا پردہ کا ماتم ہے یہ پردہ پردہ ساز ہے جو اسرارِ حق
 کے نعمات سے محروم ہے۔ اہل تشنگی کوئی سمجھنے والا نہیں۔ بقول:

ہر کس نہ شناسندہ راز است و گرنہ
 اینہا ہمہ راز است کہ معلوم عوام است (عربی) یا
 ”چاندنی پھل ہے معلوم قمر ہو کہ نہ ہو“ (دکھتہ) (جہاں آرائی جہاں محبوب)
 رنگ شکستہ صبح بہار نظر رہے
 یہ وقت ہے شگفتن گل ہائے ناز کا

چہرہ عاشق کی اڑی ہوئی دھمکتی گو یا بہارِ نظر رہ کی صبح ہے یعنی جہاں محبوب کو
 دیکھ کر کمال حیرت کے باعث چہرہ کا رنگ فق ہو جاتا ہے اور جب عاشق اس
 حال میں ہو تو محبوب کے لیے ناز و اندازہ کے گل کھلانے کا یہی وقت ہے۔ (ناز آفرینی
 شاہد مشہور)

تو اور سوئے غیر نظر ہائے تیز تیز
 میں اور دکھ تیری مژہ ہائے دراز کا
 نظر ہائے تیز: یعنی گھور گھور کر دیکھنا یعنی تیری لمبی لمبی پلکوں کے غم عشق
 میں مبتلا تو میں ہوں اور تو ہے کہ میری طرف دیکھتا بھی نہیں بلکہ رقیبوں کی طرف شوق
 سے دیکھتا ہے۔ دکھ اور افسوس کا یہ پہلو بھی ہے کہ تیری مژہ ہائے دراز رقیبوں کے
 سنگین دلوں پر پڑ کر محنت اٹھا رہی ہیں۔ (شکوہ محبوب و رشک رقیب)
 صرفہ ہے ضبطِ آہ میں میسرا و گرنہ میں
 طعمہ ہوں ایک ہی نفس جا نگداز کا

صرفہ: بمعنی بچاؤ یعنی آہ نہ کرنے کے باعث بچا ہوا ہوں ورنہ ایک ہی آہ
 جا نگداز میں کام ختم ہو جاتا۔ (جا نگداز می آہ)

ہیں جسکے جوش بادہ سے شیشے اچھل رہے
ہر گوشہ بساط ہے سر شیشہ باز کا

شیشہ باز یعنی سر پر پرتل رکھ کر رقص کا کرتب دکھانے والا۔ یعنی شراب
ایسی پر جوش ہے کہ وہ ہمیں از خود اچھلنے لگیں اور فرش سے خانہ کا ہر گوشہ شیشہ باز
کا سر ہن گیا (مبالغہ جوش بادہ)

کاوش کا دل کرے سے تقاضا کہ ہے غنودہ
ناخن پہ قرض اس گروہ نیم باز کا

کاوش یعنی سعی کثرت و عقدہ یعنی ناخن تدبیر نے جس کا کام دل کی گروہ کھولنا
ہے اب تک میرے دل کی گروہ نہ کھول۔ اس لیے دل متقاضی ہے کہ اس گروہ نیم باز
(دل) کو کھول دے (بے اثری تدبیر)

(۱۳)

بزم شاہنشاہ میں اشعار کا دفتر کھلا
رکھیو یا رب یہ وہ گنجینہ گوہر کھلا

یعنی بزم شاہ میں پھر شاعر شروع ہوا ہے۔ دعا ہے کہ جاری رہے۔
دکن کے فردینا بزم سخن)

شب ہوئی پھر انجم خشنود کا منظر کھلا
اس تکلف سے کہ گویا بنگلہ کا در کھلا

یعنی بوقت شب پھر انجم خشنود کی مانند سخنور محفل میں نظر آنے لگے۔ اس
نوبت کے ساتھ کہ گویا مندر کا دروازہ کھل گیا۔ جہاں آرتی کے دیوے روشن ہوتے

ہیں (تشریف بزم سخن)

گزنہ سمجھوں اس کی باتیں گزنہ پاؤں اس کا بھید

پھر یہ کیا کم ہے کہ مجھ سے وہ پرہی پیکر کھلا

کھلا: بمعنی بے تکلف ہو گیا یعنی دوست کا بے تکلف ہو جاتا ہی غنیمت

ہے گو پس پردہ اس کا باعث کچھ اور ہی ہو (فریب خوشتی)

مے خیالِ حسن میں حسنِ عمل کا سا خیال

خلد کا آگ درخت سے میری گور کے اندر کھلا

فراق میں حسنِ محبوب کے تصور کو قبر میں بہشت کے نقارے سے تشبیہ دی گئی ہے

یعنی اس کا تصور (فراق میں) آنا ہی اچھا معلوم ہوتا ہے جیسے قبر میں بہشت کا دروازہ

کھل جائے۔ گویا حسنِ مشرق کے خیال میں وہی کیفیت ہے جو حسنِ عمل کے تصور میں

خیال کی جاتی ہے (لذت تصورِ محبوب)

منہ نہ کھلنے پر ہے وہ عالم کہ دیکھا ہی نہیں

زلف سے بڑھ کر نقاب اس شوخ کے منہ پر کھلا

نقاب: استعارہ از کائنات جو جمالِ ازلی کا پردہ ہے کھلا: بمعنی

ثابت ہر ایسا مہذوں و دلفریب ہو گیا یعنی وہ خود کتنا حسین ہو گا جس کے چہرے

کا نقاب زلف سے زیادہ دلکش ہے۔ گویا اس کا حسنِ حجاب کے پردوں میں بھی

بے مثال ہے بلکہ اس کا حجاب خود ایک حسن ہے (جلوہ پیرائی محبوب حقیقی)

دیر پہننے کو کہا اور کہہ کے کیسا پھر گیا

جتنے عرصے میں مرا پٹا ہوا بستر کھلا

یعنی محبوب کی اجازت سے آیا تھا اور ابھی ٹکنے نہ پایا تھا کہ وہ اپنے وعدہ سے پھر گیا (ناپائیدار مٹی حیات) یا رستم نظر مٹی محبوب

کیوں اندھیری ہے شبِ غم ہے بلاؤں کا نزل
آج ادھر ہی کو رہے گا دیدہ اختر گھلا

یعنی شبِ غم خوفناک ہے کیونکہ بلائیں نازل ہو رہی ہیں۔ ستارے ڈر کے مارے آنکھ نہ جھپکائیں گے۔ دوسرے نفلوں میں یہ کہ ستارے غروب نہ ہوں گے اور شبِ غم ختم نہ ہوگی (درداری ہونا کی شبِ ہجران)

کیا رہوں غربت میں خوش جب ہو حوادث کا حال
نامر لا تا ہے وطن سے نامہ براکش گھلا

کچھ بھگے خطوط بالعموم ناخوشگوار حالات کے مضمون پر مشتمل ہوتے ہیں یعنی وطن سے بری خبروں کے خطوط آتے رہیں تو سفر میں کیا خوشی نصیب ہو سکتی ہے (ریانِ احوالِ واقعہ)

اس کی آفت میں ہوں میں میرے ہیں کیوں کام بند
واسطے جس شر کے غالب گنبد بے در گھلا

گنبد بے در: کنیر از آسمان یعنی شبِ معراج میں دکھایت نبی مرسل
صلی اللہ علیہ وسلم

(۱۴)

شب کہ برقی سوزِ دل سے زہرہ ابر آب تھا
شدہ تجوالہ ہر یک حلقہ شر گرداب تھا

شعلہ جوالہ : بمعنی جل کھاتی ہوئی آگ کی نور یعنی رات کو جب کہ میری
آتش فراق بھڑک رہی تھی اور شدت گرمی کے پانی کی طرح پگھل گیا تھا اور گرداب
جل کھاتی ہوئی کو بن گیا تھا۔ یعنی دونوں اسباب عیش بھی حزن افزا بن گئے۔ بغوائے
وقت جوش بھر گریہ میں جو محو مالہ تھا حلقہ گرداب ہر یک شعلہ جوالہ تھا

(بیان سوز فراق)

ہاں کرم کو عذرِ بارش تھا غماں کیسے خرام
گریہ سے یاں پیوے بالمش کفِ سیلاب تھا

کرم : بمعنی صاحبِ کرم یعنی بارش کی وجہ سے وہ ہریانہ آسکا اور میں
اسی قدر رویا کہ تکیہ کی روٹی سیلاب گریہ میں پانی کے جھاگ کی مانند ہو گئی۔ پیوے بالمش
کو کفِ سیلاب سے تشبیہ دی گئی ہے (گریہ سامانی فراق)

ہاں خود آرائی کو تھا موتی پروستے کا خیال
یاں، ہجومِ اشک میں تارنگہ نایاب تھا

خود آرائی : استعمالِ صفت بیانے صورت بمعنی محبوبِ خود آرا اور وہ
محبوبِ خود آرا بالوں میں موتی پروتا (صورتِ خود آرائی) رہا اور ادھر میری آنکھ آنسوؤں
سے ایسی لبریز تھی کہ کچھ نظر نہ آتا تھا۔ (گریہ فراق)

جلوہ گل نے کیا تھا داں چراغاں اکب جو
یاں رواں مژگاں چشم تر سے خونِ ناب تھا

یعنی ادھر پھولوں کے مکس سے ندی کے پانی میں چراغ جلتے معلوم ہوتے تھے
اور ادھر میری آنکھوں سے خون بہہ رہا تھا (بیان زاری)

یاں سر پہ شورِ بخوابی سے کھتا دیوارِ جو

ماں وہ فرقِ نازِ محوِ بالشِ کُخاب تھا

دیوارِ جو: یعنی سر پہ ڈرنے کو تیار یعنی اوجہ تو سودا تھا اور ادھر میں سر

پھونڈنے کو تیار تھا (بیانِ بے نیازیِ محبوب)

یاں نفس کرتا تھا روشن شمعِ بزمِ بے خودی

جاوہِ گلِ ماں بساطِ محبتِ اجاب تھا

یعنی میں بے خودیِ عشق میں آہِ سوزاں بھرتا رہا اور وہاں، اغیار کے لیے

پھولوں کے فرشِ بکھرے تھے (بیانِ بے نیازیِ محبوب)

فرش سے تا عرشِ ماں طوفاں تھا موجِ رنگ کا

یاں زمین سے آسمان تک سوختن کا باب تھا

طوفاں موجِ رنگ: یعنی رنگِ رلیوں کا زورِ شورِ سوختن کا باب: یعنی

جہنم بھننا یعنی وہ رنگِ دلیاں مٹا رہے تھے اور ہم جل رہے تھے (شکوہ

بے پروائیِ محبوب)

ناگہاں اس رنگ سے خونِ سہا پہ ٹپکانے لگا

دل کہ فوقِ کاوشِ ناخن سے لذتِ یاب تھا

یعنی یکایک دل جو غلش کی لذت سے آشنا تھا اس طرح سے خونِ ٹپکانے لگا

خونِ ٹپکانے سے مراد شعر کہنا ہے یعنی موزِ قراق میں یہ غزل میں نے کہی (تقریب

شعر گوئی)

(۱۵)

نالہ دل میں شب انداز اثر تابیاب تھا

تھا سپند بزم وصل غیر گوبے تاب تھا

بے تاب : بمعنی افسردہ یعنی میرے دل کی فریاد نے مشوق پر کچھ اثر نہ کیا
بلکہ اٹھا ہوا کہ وہ میرے ہاں تو آیا نہیں بزم رقیب میں چلا گیا جس کے رشک کی
آگ میں میرا دل سپند کی طرح جل رہا تھا لیکن چمک نہ تھی۔ بظاہر جلتا ہوا نظر
نہ آتا تھا بے اثری نالہ

مقدم سیلاب سے دل کیا نشاط آہنگ ہے

خازن عاشق مگر ساز صدائے آب تھا

مقدم سیلاب : بمعنی جوش گریہ مگر کلمہ تشبیہ یعنی طوفان گریہ سے
دل کو ایک ایسا سرور حاصل ہو رہا ہے کہ گویا گھر میں جلتی لگ بج رہا ہے۔
(ذوق گریہ)

ناز کشں آیام خاک تر نشینی کیا کہوں

پہلوئے اندیشہ وقف بستر سنجاب تھا

یعنی اپنی خاک نشینی کی حالت پر مجھے اتنا ناز تھا کہ خود کو ریشمیں بستروں میں
محسوس کرتا رہا (ملک قناعت)

کچھ نہ کی اپنے جنون تار سانسے ورنہ یاں

ذره ذره زو کش خورشید عالم تاب تھا

جنون تار سانسے : بمعنی دانش نابکارہ یعنی دیوانگی یا ناترا عقلی سے کچھ گرفت

حاصل نہ کی در نہ تمام حقائق آفتاب کی طرح روشنی تھے۔ (ظہور تجلی)
 آج کیوں پردا نہیں میں اپنے اسیروں کی تجھے
 کل تلک تیرا بھی دل ہر وفا کا باب تھا
 اپنے اسیروں کی، یعنی میری تعبیر واحد بنفط جمع (بدگمانی و شکوہ بے اعتنائی)
 یاد کروں دن کہ ہر اک سلقہ تیرے دام کا
 انتظار صید میں اک دیدہ بے خواب تھا
 دیدہ بیخواب: بمعنی وا یعنی ایک دن وہ تھا کہ ترے دہرائی کا بال بچا
 رکھا تھا مطلب یہ کہ اب نہیں رہے (بے ثباتی حسن)
 میں نے رو کا رات غالب کو دگر نہ دیکھتے
 اس کے سیل گریہ کے گردوں کف سیلاب تھا
 تھا، یعنی ہوتا تھا یعنی بہتر ہے کہ نہ روئے ورنہ جب غالب رو تاکہ تو طوفان
 برپا کر دیتا ہے و کمال ضبط گریہ)

(۱۶)

ایک ایک قطرہ کا مجھے دینا پڑا حساب
 خون جگر و لعنت مرگاہن یا رہتا تھا
 حساب دینا پڑا: یعنی پوچھا گیا کہ تم نے محبوب حقیقی کے لیے کیا کیا
 جانفشانیاں کیں۔ یعنی خون جگر کا مصرف اس کے سوا نہ تھا کہ عشق محبوب میں آنسو
 بن کر نکلے۔ تفسیر ان صلاقی و نسکی معیای معماقی ملکہ معب العالیہ۔
 (دہریہ وفا)

اب میں ہوں اور ماتم یک شہر آندرو
توڑا جو تو نے آتش تماش دار تھا

یعنی میرے دل میں جانے کیا کیا تصورات تھے۔ یہ تصویر دار آئینہ تو نے کیا توڑا
کہ میری تمنائوں کا ایک شہر برباد کر دیا۔ (جہاں نصیبی عاشق)
گلیوں میں میری نقش کو کھینچے پھر وہ کہ میں
جاں دادہ ہوا تھے سر نہ بگذا رہ تھا

جان دادہ : بمعنی شائق یعنی از بسکہ میں گلیوں کی ہوا کھاتے پھرنے کا عادی
تھا۔ چاہتا ہوں کہ مرنے کے بعد میری نقش کو گلیوں میں گھسیٹتے پھر دتا کہ شاید اس
طرح سے پس مرگ بھی گوچر محبوب میں گزر ہو (ثبات عہد و وفا)
موج سراپ و شبت و فنا کا نہ پوچھ حال
ہر ذرہ مثل جوہر تیغ آب دار تھا
یعنی سراپ و فنا کے ذروں میں آب تو ہے لیکن وہ آب آب تیغ کی مانند
جانکاہ ہے۔ جان بخش نہیں (جان بکا ہی و وفا)

کم جانتے تھے ہم بھی غم عشق کو کہ اب
دیکھا تو کم ہوئے یہ غم روزگار تھا
یعنی گو عشق کم ہے لیکن وہ کم بھی دنیا بھر کا غم ہے (گیرائی غم عشق)

(۱۷)

بسکہ دشواہ ہے ہر کام کا آساں ہونا
آدمی کو بھی میسر نہیں انسان ہونا

یعنی ہر کام کو آسان نہ سمجھو کیونکہ جسے آسان سمجھتے ہو مثلاً آدمی کے لیے انسان
بننا یہی سخت محال ہے۔ بھجوانے

آنچہ پر جستیم کم ویریم دور کا دست نیست
نیست جز انسان درین عالم کہ بیار و نیست دنیا یا اہل مرت
گریہ چاہے ہے خرابی مرے کاشانے کی
درد دیوار سے چٹکے ہے بیاباں ہونا
یعنی کثرت گریہ سے میرے گھر کے درد دیوار اب میدان بنا پاتے ہیں۔
(تباہ کاری گریہ)

دائے دیوانگی شوق کہ ہر دم مجھ کو
آپ جانا ادھر ادھر آپ ہی جیلوں ہونا
یعنی شوق نے پاگل بنا رکھا ہے کہ یار کی گلی میں جا کر حیران ہوتا ہوں کہ آخر
یہاں کیوں آیا جب کہ یہ معلوم ہے کہ مجھ پر تک و ساقی محال ہے۔ (جبر شوق)
عشرت قتل گہ اہل تمناسمت پوچھ
عید نکار ہے شمشیر کا عریاں ہونا
یعنی جان دینے کی تمنا رکھنے والوں کو سامان قتل دیکھ کر خوش ہوتی ہے۔
(شوق باں سپاری)

جلود از لب کہ تقاضائے نگہ کرتا ہے
جو ہر آنہ بھی چاہے ہے شڑکاں ہونا
خڑکاں ہونا، یعنی آنہ بھارت کا ایک جزو ہونا یعنی وہ جلد ایسا ہے

کہ خواہ کوئی کتنا ہی بے بھر ہو اُسے دیکھنے کو بے تاب ہے (عام آشوبی حسن)
 لے گا، کب میں ہم داغِ تنائے نشاط
 تو ہوا، ایسا رنگ گلستاں ہوتا

یعنی آرزو نے نشاط میں چل بسے۔ اب تم خوش رہو آباور ہو۔ دوسرے
 مصرعہ کو نشاط کا بیان بھی قرار دے سکتے ہیں اور معنی یہ ہوں گے کہ آرزو تھی کہ تو
 ہو اور ہم ہوں اور رنگ رہیاں ہوں لیکن یہ آرزو پوری نہ ہوئی (بیانِ حسرت و ناکامی)

عشرتِ پارہ دل ز خیمِ تنہا کھانا
 لذتِ ریش جگر غرقِ نمسکداں ہونا
 یعنی دل کو زخم کھانے میں اور جگر کو نمک پاشیدہ جراثیم ہونے میں مزہ آتا

ہے (لذتِ درد)

کی مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ
 ہمتاس زود پشیمان کا پشیمان ہونا

زود پشیمان، طنزاً یعنی ویر پشیمان یعنی قتل کے بعد اپنی جفاؤں پر پشیمان
 ہونا بہت بعد از وقت ہے (شکوہ بے نیازی محبوب)

ایک اور معنی یہ ہیں کہ محبوب جلد ہی شرمندہ ہو کر جفا سے باز آیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ
 کہ میرے بعد میرے رفیقوں کو ستم کا سامنا نہ کرنا پڑا۔ (در شک)

حیف اس چادرِ گرہِ کپڑے کی قسمتِ غائب
 جس کی قسمت میں ہو عاشق کا گریبان ہونا

یعنی چادرِ گرہ کپڑے کی بھی کیا قسمت ہے جو عاشق کا گریبان بنے۔ کہ کس طرح

بغز کے ہاتھوں سے تار تار ہوتا ہے۔ غرض خواہ کوئی کتنا ہی بے حقیقت ہو شائد
عشق سے دوچار ہونا ہی پڑے گا۔ (ناگزیر غی مصائب عشق)

(۱۸)

شبِ خمارِ شوقِ ساقی رستخیزِ اندازہ تھا
تا محیطِ بادہ صورتِ خانہ خمیازہ تھا

یعنی ساقی کے انتظار کا خمار اس قیامت کا تھا کہ پیار کے کنارے بھی اس طرح
باز دکھوے ہوئے معلوم ہوتے تھے جیسے کوئی انتظار یا شوق میں اکٹا کر انگوڑائی لے
رہا ہے (مبالغہ شوق)

یک قدمِ وحشت سے دینِ دفترِ امکاں گھلا
جادہ اجڑائے دو عالمِ وحشت کا شیرازہ تھا

یک قدم، کلمہ تعزیرِ دو عالم: کلمہ کثیر یعنی راہِ محبت میں قدم رکھتے
ہی چودہ طبق روشن ہو گئے اور کھل گیا کہ جادہ عشق ہی دونوں جہان کا شیرازہ بند
ہے۔ بنگوائے سربستہ ازل در ہر اشیا ساری است (ہر گیر غی عشق)

مانعِ وحشت خرا میہائے لیالی کون ہے

خانہ مجنونِ محسوسِ گود بے دروازہ تھا

یعنی جنوں کا گھر محسوس ہے اور محسوس کا شے بے در ہے اور در نہیں تو دربان کہاں۔

گبار کے میلے کے پٹانے کو کس نے منہ کیا (شکوہ تنافل بیا)

پوچھ مت رسوائیِ اندازہ استغنائے سن

دستِ ہر ہونِ حصارِ رہینِ غارہ تھا

یعنی ہستی اور غارہ کی احتیاج نے بے نیازی حسن کو بڑھ لگادیا (ظن آرائش)
 نالہ دل نے دیے اور اوراقِ نخت، دل بہ باد
 یاد گاہِ نالہ اک دیوان بے شیرازہ تھا
 اور اوراقِ نختِ دل کو دیوان بے شیرازہ سے تشبیہی یعنی دل منتشر۔ اور فرمایا
 کہ ان اوراق کو نالہ دل نے اس طرح برباد کر دیا کہ وہ یادگار بھی نہ رہی بھوائے
 قطرہ خوں داشتہ در سینہ و دل نام بود
 والہم اندر موج طوفانِ نظر گم کردہ ام و غمی (تباہ کاری غمِ عشق)
 (۱۹)

دوست غمخواری میں میری سعی فرمائیں گے کیا
 زخم کے جرنے تلک ناخن نہ بڑھائیں گے کیا
 یعنی جراحِ دل کا ایک سامان دور بھی کر دو تو دوسرا پھر پیدا ہو جاتا ہے۔
 (دوامِ غم)

بے نیازی حد سے گزری بندہ پرودہ کب تلک
 ہم کہیں گے حالی دل اور آپ فرمائیں گے کیا
 یعنی سب کچھ سن لیا اور پھر پوچھتے ہیں کہ کیا؟ (شکوہ بے اتفاقِ محبوب)
 حضرتِ ناصح گو آئیں دیدہ و دل فرشتہ راہ
 کوئی مجھ کو یہ تو سمجھا دے کہ سمجھائیں گے کیا؟
 یعنی عشق ایسی پسینہ نہیں کہ اس کے باب میں نصیحت کا درگزر ہو۔ (بے
 درانیِ عشق)

آج وال تیغ و کفن باندھے ہوئے جاتا ہوں میں
 حقد میرے قتل کرنے میں وہ اب لائیں گے کیا
 یعنی قتل ہونے کا آتش شائق ہوں کہ سامانِ موت خود ہسٹا کر رہا ہوں (ذوق
 مسروروشی)

گر کیا نامح نے ہم کو قید اچھالوں ہی
 یہ جنونِ عشق کے انداز چھٹ جائیں گے کیا
 نامح نے پابند کر کے بٹھا رکھا ہے یہ میٹھا ہوں نصیحت سن لوں گا لیکن جنونِ عشق
 تو دورِ جزا معلوم نہیں ہوتا (بے درمانی و دردِ عشق)
 خانہِ ناز و زلف ہیں زنجیر سے بھاگیں گے کیوں
 ہیں گرفتارِ وفا زندان سے گھبراہٹیں گے کیا
 یعنی عاشقانِ زلف یا وابستگانِ محبت زنجیر و زندان سے نہیں گھبراتے۔
 (صدق و ثباتِ عشق)

ہے اب اس معمورہ میں قحطِ غمِ الفت اسد
 ہم نے یہ مانا کہ وہی میں رہیں کھائیں گے کیا
 یعنی غم ملتا تو غم کھاتے (ذوقِ الم) دوسرے معنی یہ ہیں کہ الفت ہی نہیں تو اہلِ الفت
 کہاں۔ ایسی حالت میں جینا کیسے ہو (نایابِ اہلِ درد)

(۲۰)

یہ نہ تھی ہمارے قسمت کہ وصالِ یار ہوتا
 اگر اور جیتے رہتے یہی انتظار ہوتا

یعنی موت مالِ وصال نہیں ہے بلکہ قسمتِ مالِ وصال ہے (گلہ ناز گارِ مٹی بخت)
 تیرے وعدہ پر جیسے ہم تو یہ جاں بھڑٹ جانا
 کہ خوشی سے مر نہ جائے اگر اعتبار ہوتا
 یعنی وعدہ و صل مستلزم شادی مرگ ہے۔ لیکن مشوق کے وعدوں پر کامل اعتبار
 کہاں (بیان بے وفائی محبوب)

تیری ناز کی سے جانا کہ بندھا تھا عہد بودا
 کبھی تو نہ توڑ سکتا اگر استوار ہوتا
 مشوق عہد شکن کی نزاکت نا استواری عہد کی دلیل ہے کہ اگر استوار ہوتا تو ایک
 نازین سے ٹوٹا ممکن نہ تھا (لطیفہ نا استواری عہد نازیناں)
 کوئی میرے دل سے پوچھے تیرے تیرے تیرے تیرے
 یہ تخلص کہاں سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا
 تیر نیم کش، وہ تیر جو ترازد ہو کر زخم میں رہ گیا ہو۔ یا جسے آدھا کھینچ کر چھوڑ
 دیا گیا ہو۔ یعنی تیر نیم کش موجب ازدیادِ اذیت ہے اور اذیت ہی عاشق کو
 پسند ہے۔ (ذوقِ جراحیت)

یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بنے ہیں دستِ ناصح
 کوئی چارہ ساز ہوتا کوئی غم گسار ہوتا
 یعنی عشق کے باب میں نصیحت نہ تو دوستی ہے نہ چارہ سازی و غم گساری
 بلکہ وجہ آزار ہے۔ (مخفی پند)

رگِ سنگ سے ٹپکتا وہ لہو کہ پھر نہ تھمتا
 جسے غم سمجھ رہے ہو وہ اگر شرار ہوتا
 یعنی اگر شرک بجائے پتھر میں غم جو تو پتھر سے بھی لہو نکلے (جانفگاری غم عشق)
 غم اگر چہ جاں گسل ہے یہ کہاں بچپن کے دل ہے
 غم عشق اگر نہ ہوتا خسیم روزگار ہوتا
 یعنی دل ہے تو غم سے مغر نہیں کیونکہ اس کا نام دل ہے چنانچہ دل آنا یعنی شکر ہونا
 رہا جا گسل ہوتا سودہ تو غیر لازمی بات ہے (ناگزیری غم)
 کہوں کس سے میں کہ کیا ہے شبِ غم بری بلا ہے
 نچے کیا بُرا تھا مرنا اگر ایک بار ہوتا
 یعنی شبِ غم تو آئے دن کا مرنا ہے۔ ایک دن کا ہوتا تو کچھ بات نہ تھی۔
 (جاودانی غم عشق)

جوئے ہم جو مر کے رسوا ہوتے کیوں نہ غرقِ دریا
 نہ کہیں جنازہ اٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا
 یعنی جنازہ و مزار اسبابِ رسوائی ہو گئے۔ کاش یہ نہ ہوتے (حسرتِ فنا مطلق)
 اسے کون دیکھ سکتا کہ یگانہ ہے وہ یکتا
 جو دوئی کی جو بھی ہوتی تو کہیں وہ چارہ ہوتا
 یعنی جو یکتا ہے وہ دو چار کیسے ہو (احدیت حق تعالیٰ شانہ)
 یہ مسائل تصوف یہ تراویحِ انِ غالب
 تجھے ہم ولی کہتے جو نہ بادِ خواہ ہوتا

یہ کلام تحسین ہے یعنی قول ہے ماسوائے اس کے کہ تو بارہ خوار ہے۔ و تعلق
 بہ صودتہ تجرید

(۶۱)

ہوس کو ہے تشاؤ کار کیا کیا
 نہ ہو مرنا تو جینے کا مزا کیا

یعنی مرنے کا خیال نہ ہو تو سب کام بند ہو جائیں۔ مانع ہو کہ جہد لبقا کا منشا
 ہی اندیشہ مرگ ہے (جہد لبقا)

تجاہل پیشگی سے مدعا کیا
 کہاں تک اے سراپا ناز کیا کیا

یعنی کیا تم نہیں جانتے جو بار بار کیا کہتے ہو یعنی پوچھتے ہو (شکوہ تنافل)
 نواز شہماٹے بے جا دیکھتا ہوں
 شکایت ہائے رنگیں کا گلا کیا

شکایت رنگیں : محبت بھرا شکوہ یعنی تمہاری جہربانیاں غیر جگہ دیکھ کر
 شکایت کرتا ہوں تو برا کیوں مانتے ہو (شکوہ بے التفاتی)
 نگاہ بے محابا چاہتا ہوں
 تنافل ہائے تمکین آزما کیا

کیا : بعض بے حقیقت ہے یعنی تنافل صبر آزما تو معمول بات ہے۔

میں تو تمہیں بے دھڑک دیکھنا چاہتا ہوں جو اس سے بھی زیادہ صبر آزما ہے
 (تمکین شاعر)

فروغ شعلہ خس یک نفس ہے
ہوس کو پاس نامرکس وفا کیسا

یعنی اہل ہوس کی لگیں دیر پا نہیں ہوتی جیسے تنکا کہ جلا اور بجھ گیا۔ اہل ہوس کو
خس کہنا مفید تشبیہ بھی ہے اور معین مقصد بھی (فرق اہل وفا و اہل ہوس)

نفس موج محیط بے خودی ہے
تغافل ہائے ساقی کا گلا کیسا

یعنی ہماری زندگی ہی سراسر بے خودی ہے۔ ساقی نے شراب نہ دی تو کیا ہوا۔
(بیان بے خودی است)

دماغ عطر پیرا بن نہیں ہے
غم آوارگی ہائے صبا کیسا

یعنی لوگوں میں خوشبو کا احساس ہی مفقود ہے تو صبا بڑے محبوب بے کر کہیں
پھرتی پھرے۔ رشک کیوں کریں (بیان بے بصرتی اہل زمانہ)

دل ہر قطرہ ہے سازنا نا ابحر
ہم اس کے ہیں ہمارا پوچھنا کیسا

اپنی ہستی کو قطرہ سے تشبیہ دی ہے اور دہرہ شبیہ عنیت مبداء ہے یعنی جس
طرح قطرہ کو سمندر ہونے کا دعوے ہے اسی طرح ہم بھی اس کل میں شامل ہیں (مہارست)

محابا کیسا ہے میں ضامن ادھر دیکھ
خٹہیدان ننگہ کاخوں بہا کیسا

محابا، یعنی دھڑکا، اندیشہ یعنی تو بے تکلف اپنی نگاہ سے قتل کر

مفتولین نگاہ کی دیت نہیں ہوتی۔ (شرقِ جانپاری)

من لے غارِ تگرِ جنسِ وفا من
شکستِ قیمتِ دل کی صدا کیا

یعنی تو نے قابلِ قدر جنسِ وفا کو ربا دیا اور دل کی بے قدری کی۔ دل ٹوٹا۔
اگر آوازِ ہوتی تو سنائی دیتی۔ تو اس کی آواز نہ سن سکے گا لیکن اس حقیقت کو تو سن سکتا
ہے کہ دل کے ٹوٹنے میں آواز نہیں ہوتی اس کو ضرور سن (اتجائے التفات)

کیا کس نے جگرِ فاری کا دعوے
شکیبِ خاطرِ عاشق بھلا کیا

یعنی مجھ میں نہ تابِ مقاومت ہے نہ میں نے دعویٰ کیا پھر، سختیاں کیوں؟
(اتجائے کرم)

یہ قافلِ وعدہ میرا کیا کیوں
یہ کافِ رقتہ طاقِ ربا کیا

پہلا شعر جس مضمونِ سختی پر مشتمل ہے یہ شعر اس کا بیان ہے۔ یعنی وعدہ میرا
اور رقتہ طاقِ ربا کیوں ہے جب کہ مجھے دعوے مقاومت نہیں (شکوہِ ستم)

بلاتے جان ہے غالب اس کی ہر بات
عبارت کیا اشارت کیا ادا کیا

کیا: حرفِ مساوات یعنی اس کا ہر اندازِ دلالتی میں برابر ہے۔ بھواتے

زفرق تا بقدم ہر تھک کہ می نگرم

کہ شمرِ فامینِ دل مے کشد کہ جا اینجامت (ہمہ گیری محسن)

(۲۲)

دردِ خودِ تہر و غضبِ جب کوئی ہم سا نہ ہوا
 پھر غلط کیا ہے کہ ہم سا کوئی پیدا نہ ہوا
 یعنی میں تم کسی میں بے نظیر ہوں۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ محبوب نے کسی اور
 کو تہر و غضب کے قابل ہی نہیں سمجھا۔ (ستم کشی عشاق)
 بندگی میں بھی وہ آزاد و خود ہیں ہیں کہ مہم
 آئے پھر آئے و کعبہ اگر وا نہ ہوا
 بندگی میں : بمعنی عبودیت کے باب میں یعنی کعبہ کا دروازہ ہمارے لیے
 خود کھلے تو بات ہے کھلو اگر اندر جانا حاجت آزاد منشی کے منافی ہے۔
 (خود داری اہل عشق)

سب کو مقبول ہے دعوے تیری یکتائی کا
 زورِ درد کوئی بت آئینہ سیما ہوا
 یعنی اور تو کوئی کیا ہوتا کوئی بت آئینہ سیما بھی تیرے زورِ درد نہ آسکا۔ بالفاظ
 دیگر یہ کہ سبھی تیری یکتائی کے قائل ہیں (میں کم شدہ شی) واضح ہو کہ بت آئینہ سیما
 کا مجرور درد ہوتا ہی مشوق کی دوئی کو مستوجب ہے۔

کم نہیں نازش ہم نامی چشمِ خورباں
 تیرا بیمارِ برا کیسا ہے گرا چھا نہ ہوا
 ہمنامی : بمعنی شرکت و مصنفق یعنی تیرا عاشق اور تیری آنکھ بیمار ہونے
 میں مشترک ہیں۔ یہ اشتراک ہی وجہ صداقت قرار ہے۔ اشارہ یہ ہے کہ اگر چشم کا بیمار ہونا

خوبی ہے تو تیرے عاشق کا بیمار کہلا نا کیوں برا ہو (فخر اوقی ملا بست بر و سیل
کلام شعری)

سینہ کا داغ ہے وہ نالہ کہ لب تک نہ گیا
خاک کا رزق ہے وہ قطرہ کہ دریا نہ ہوا
یعنی نالہ کر ضبط کیا بلٹے تو سینہ پر داغ بن جاتا ہے جیسے قطرہ کہ اگر دریا
میں نہ مل جائے تو خاک میں جذب ہو کر رہ جاتا ہے (نار سائی نالہ)
نام کا میرے ہے جو دکھ کہ کسی کو نہ ملے
کام میں میرے ہے جو فتنہ کہ برپا نہ ہوا
میرے نام کا ہے : یعنی میرے لیے مخصوص ہے میرے کام میں ہے :
یعنی میرے لیے معروف کا رہے

یعنی نہ میرا سا دکھ کسی کو ہے اور نہ میری طرح کوئی نصیب زد ہے (بیان ذیلوں میں)
ہر من موئے دم ذکر نہ چیکے خوں ناب
حزہ کا قصہ ہوا عشق کا حیر چا نہ ہوا
یعنی تذکرہ عشق تو وہ ہے جو دردناک ہو۔ والا دوسرے واقعات علم اور
داردات عشق میں کیا فرق ہے (المناک درد عشق)

قطرہ میں دجلہ دکھائی نہ سے اور جزو میں کل
کھیل لڑکوں کا ہوا دیدہ بینا نہ ہوا

یعنی دیدہ بینا دراصل وہی ہے جو قطرہ میں دریا اور جزو میں کل دیکھ سکے
ایسا نہ ہو تو اسٹیک کیا ہے ایک کھلنا بے صرف ہے۔ (مدش فاعتبوا یا ادلی الابصار)

تھی خبر گرم کہ غالب کے اڈیں گے پرزے
 دیکھنے ہم بھی گئے تھے یہ تمسا شام ہوا
 یعنی اہل عشق کے امتحان و ابتلا کی خبر بھی اہل زمانہ کے یہی اعلان تھا ہے
 (بے حس اہل زمانہ)

(۲۳)

اسد ہم وہ جنونِ جولان گداستے بے سرو پا میں
 کہ بے سرخپہ شترگانِ آہوشتِ خار اپنا
 یعنی اسد وہ مجنونِ صحرانورد ہے کہ وحشی ہرن بھی اس سے مانوس ہیں یہاں تک
 کہ اپنی پلوں سے اس کی پیٹھ کھلاتے ہیں (میانہ وحشت)

(۲۴)

پئے نظیرِ کرم تحفہ ہے شرمِ نارِ سائی کا
 بخوں غلطیٰ بدینِ صد رنگِ دعویٰ پارِ سائی کا
 یعنی میں اپنی نارِ سائی سے شرماء ہو کر جو تحفہ محبوبِ حقیقی کو خوش کرنے کے لیے
 لایا ہوں وہ میرے صد گونہ دعوائے پارِ سائی کے خون آلودہ (باطل و مجروح) ہونے کا
 اعتراف ہے۔ یعنی یا میرِ کرم اعترافِ قصور کرتا ہوں۔

عذرِ تعمیرِ خدمتِ آعدم کہ خدام بہ طاعت استغلا (سدی)

(اعترافِ قصور)

نہ جو سخن تماشا دوستِ رسوا بے وفائی کا
 بہرِ صد نظر ثابت ہے دعویٰ پارِ سائی کا

یعنی اس جن خود نما کو بے وفائی کا التزام نہیں دیا جاسکتا۔ سینکڑوں نگاہیں
اس کی مصروفیت کی گواہ ہیں کیونکہ جو سب کی نظروں میں رہتا ہودہ پارسائی کے خلاف
کوئی بات کیسے کر سکتا ہے (بیانِ پاکِ حینِ مطلق)

زکوٰۃ حن سے اے جلوۂ بنفش کہ مہر آسا
چسپاںِ خانہ درویش ہو کا سہ گدائی کا

جلوۂ بنفش: بمعنی شاہد، محبوب یعنی اے محبوبِ حقیقی تو اگر اپنے حن
کا باں سے فیض یاب کر دے تو میرا کا سہ گدائی (ظرفِ طلب) سوجھ کی طرح منہ ہو کر
میرے کا شانے کو روشن کر دے۔ واضح ہو کہ فقیر کے گھر کا چراغ سوجھ ہی جاتا ہے۔
(منہ سے فیض حن انزل)

نہ مارا جان کر بے جرم قاتلِ باتیری گردن پر
رہا مانتہ خونِ بے گنہ حقِ آشنائی کا

’تیری گردن پر‘ متعلق فعل ’رہا‘ یعنی آشنا کو مشرق کے ہاتھوں قتل ہونے
کا حق ہے لیکن تو نے یہ حق ادا نہ کیا (دشوقِ جاں سپاری)

تمنائے زباںِ مجھ سپاسِ بے زبانی ہے
مٹا جس سے تقاضا شکوۂ بے دست و پائی کا

بے دست و پائی: بمعنی معذوری و مجبوری یعنی بے زبانی کا شکر گزار ہوں کہ اب
معذوری و مجبوری کی شکایت کرنے کو کوئی نہیں کہے گا امداد اس شکر گزاری میں اس
قدر محو ہوں کہ زبانِ پاستے کی تمنا بھی بھول گیا۔
(تحمینِ صبر و شکیب)

وہی ایک بات جو یاں نفس ماں نکست گل ہے
 چمن کا جلوہ باعث ہے مری رنگیں فوائی کا
 یعنی باغ کے نظام سے متاثر ہو کر رنگیں فوا ہو گیا ہوں والا میرے شرابے رنگ !
 ہوتے۔ پہلا مصرع اس حقیقت کا تشبیہ ہے۔ (فیض حسن)

وہاں ہر بت پیغارہ جو زنجیر رسوائی
 عدم تنگ بے وفا چرچا ہے تیری بے فائی کا
 پیغارہ جو: یعنی طعنہ جو یعنی مشوق جو خود بے وفا ہوتے ہیں ان کے ہوں
 پر بھی تیری بے وفائی کا چرچا ہے۔ اگر بال بے بائے جان طعنہ جو، رسائیوں کا ایک
 سلسلہ ہیں اور چونکہ لب بے بائے مشوق کی صفت معدوم ہوتا ہے اس لیے گرا عدم کم
 تیری رسوائی کا چرچا ہے۔ (دیوان بے فائی مشوق)

نزدے نامہ کو آتنا طول غالب مختصر لکھ دے
 کہ حسرت سنج ہوں عرض ستم بے جدائی کا
 یعنی مرثیہ لکھ دینا کافی ہے کہ عرض معائب فراق کی حسرت پوری نہ ہو سکی کیونکہ
 اگر چاہوں کہ سب کچھ دیا جائے تو یہ ممکن نہیں کیونکہ مدت پیراں اتنی طویل ہے کہ اس
 کا بیان نہیں ہو سکتا۔ (بین طول مدت فراق)
 (۲۵)

گر نہ اندوہ شب فرقت بیاں ہو جائے گا
 بے تکلف نارغ مرہر دہاں ہو جائے گا
 یعنی اگر شب فرقت کا غم بیان میں نہ آیا اور میں نے نہ پھر لکھنے دیکھی تو یہ ہر

• چاند کے داغ کی مانند قائم اور سب پر عیاں ہو جائے گا یعنی غامضی ہی سب راز
ظاہر کرے گی (استعارہ اخلاص سے مرعشق)

زہرہ گرا یا ہی شامِ محب میں ہوتا ہے آب
پر تو جہتِ آبِ میلِ خانماں ہو جائے گا

میلِ خانماں: استعارہ بے غمبول گزار سے یعنی اگر شامِ جدائی اس طرح
پتے کو پانی بناقی رہی تو چاندنی جس سے حالتِ فراق موجب مزید کرب ہو جاتی ہے۔
میلِ خانہ بر انداز ہو جائے گی (زہرہ گزار کا فراق)

لے تولوں سوتے میں اس کے پاؤں کا بوسہ مگر
ایسی باتوں سے وہ کافر بدگماں ہو جائے گا

یعنی پھر بے خبری میں بھی قرب کا موقع نہ دے گا (تنگ مزاجی معشوق)

دل کو ہم صرف وفا کھتے تھے کیا معلوم تھا
یعنی یہ پہلے ہی نذر امتحان ہو جائے گا

یعنی خیال یہ تھا کہ دل بکا و وفا صرف کریں گے مگر امتحانِ صلاحیت وفا
ہی تھا کہ دل کا کام تمام ہو گیا۔ (جہانگیر وفا)

سب کے دل میں ہے جگہ تیری جو تو راضی ہوا
مجھ پہ گویا اک زمانہ ہر باں ہو جائے گا

یعنی تو ہر باں توکل ہر باں فی کفیکم اللہ، و کفایتِ محبوب حقیقی

گر نگاہِ گرمِ فراقی رہی تسلیم ضبط
شعلہ خن میں جیسے خوںِ رگ میں نہاں ہو جائے گا

نگاہ گرم: یعنی نظر عتاب یعنی اگر تو نے تفتہ جگروں کو فریاد کی اجازت
 نہ دی تو جل کر بھی تنکے میں شعلہ نہ پیدا ہوگا بلکہ اس طرح چھپ جائے گا جیسے رگوں
 میں خون وقف ہے (بیان فیضِ قہر محبوب)

یاغ میں تجھ کو نہ لے جاؤں نہ میرے حال پر
 ہر گل تر ایک چشمِ خوفشاں ہو جائے گا
 تشبیہ گل تر بچشمِ خوفشاں - یعنی میری حالت ایسی ہے کہ اہل عیش و نشاط کو بھی
 وقفِ حزن و ملال بنا دیتی ہے (بیان افسرہ خاطر)

وائے گو میرا ترا انصاف محشر میں نہ ہو
 اب تلک تو یہ توقع ہے کہ واں ہو جائے گا
 یعنی شاعر موجودہ ناکامیوں سے آنا یا یوں ہے کہ اسے اندیشہ ہے کہ شاید
 محشر میں بھی جو وہ جفا ہی پہنا پڑے۔ (اتھارے یاس)

فائدہ کیا سوچ آخر تو بھی ہے دانا اسد
 دوستی ناداں کی ہے جی کا زیاں ہو جائے گا
 یعنی دانا ٹی کا تعاقب تو یہ تھا کہ نادان (یعنی جس کو حال عاشقی کا پروا نہ ہو)
 کی دوستی سے پرہیز کیا جائے کہ اس میں جان کا زیاں ہے۔ لیکن شاعر نے ترکِ عشق
 بخوفِ زیاں جان کا ذکر کر کے خود ہی اپنے خیال کی کمزوری ظاہر کر دی ہے۔ کیونکہ دوستی میں
 زیاں جان کا اندیشہ بحث ہے۔ (غریب خواہشیں یا زیاں نادان دوستی)

(۲۶)

دردِ منت کش دوا نہ ہوا
 میں نہ اچھا ہوا بُرا نہ ہوا

حقیقت یہ ہے کہ دردِ عشق دردِ ہونے والا تھا ہی نہیں لیکن شاعر یہ کہہ کر کہہ چکا
ہوا درد نہ گیا خود کو تسکین دیتا ہے (فریبِ خویشی) یا یہ کہ شاعر دردِ عشق کا طالب
ہے لیکن اس کے لیے بہانہ صرف یہ ہے کہ خوب ہوا کہ دوا کا احسان نہ ہوا (ذوقِ عاشقی)

جمع کرتے ہو کیوں رقیبوں کو

اک تماشا ہوا بگلا نہ ہوا

شاعر کو شک کا شکوہ نہیں رقیبوں کی موجودگی کا شکوہ ہے کہ یہ کیفیت رقیبوں سے

تعلق ظاہر کرتی ہے (رشتک)

ہم کہاں قسمت آزمائے جائیں

تو ہی جب خبر آزمائے ہوا

یعنی تیرا خبر نہ آزمائے کمال بد قسمتی ہے (شوقِ جاں سپاری)

کتنے شیریں ہیں تیرے لب کے قریب

گالیاں کھا کے بد مزہ نہ ہوا

گالیاں عاشق کو تو کڑوی لگتی ہی نہیں لیکن تیرے یوں میں ایسی شیرینی ہے کہ

رقیب بواہوس کو بھی بری نہ لگیں (شیرینیِ دشامِ معشوق)

ہے خبر گرم ان کے آنے کی

آج ہی گھر میں بوریانہ ہوا

بے سوسامانی کی انتہاء نہ صرف یہ کہ شاعر کے پاس بوریانہ نہیں بلکہ یہ کہ بوریانہ کے

سوا اور کسی سامان کو جانتا ہی نہیں۔ گو یا بوریانہ ہی اس کا سب سے بہتر سامان تعیش

ہے۔ یہ نہ مانہ نکلتا اگر بوریانہ بصورتِ حصر ہوتا یعنی بوریانہ تک بھی کہا جاتا۔

(بے سوسامانیِ عاشق)

کیا وہ نسرود کی خدائی تھی
بندگی میں مرا سبب لانا ہوا

نورۃ العناقرین الذکر ہے جس کا مرجع بندگی ہے۔ یعنی میری بندگی بھی ایسی مصیبت
تھی جیسی نسرود کی خدائی کہ اس میں کوئی خیر نہ تھی (اشاعتِ نیاز مندی)

جان دی۔ دی ہوئی اسی کی لہتی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

یعنی انسان جان دے کر بھی حق طاعت گزاری سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔
(عجزِ عبودیت)

زخمِ گردِ لب گیا لہو نہ تھا
کامِ گورِ ک گیا روانہ ہوا

متبادلہ زخمِ بیکار بستہ یعنی زخمِ تو د لب جانے پر اور بیتا ہے مگر کامِ رک جانے
پر آگے نہیں چلتا۔ حالانکہ تکلیف دینا میں دیا ہوا زخم اور رکا ہوا کام دونوں برابر
ہیں (بیانِ ناکامی)

دہزنی ہے کہ دستانی ہے

لے کے دل، دلتاں روانہ ہوا

دستانی کہ دہزنی بھی کہتے آئے ہیں لیکن تشبیہ کہ یہ دیکھ کسی کے پیش نظر نہ تھی یعنی

دل لے کر تو کون اور میں کون حالاً معاملہ ہے (شکوہِ تغافل)

کچھ تو پڑھے کہ لوگ کہتے ہیں

آج غالب غزل سہرا نہ ہوا

یہ شعر غفل مشاعر کے اس گوشہ کا نقشہ کیسے چتا ہے جہاں شاعر شگفتہ ہے یعنی
لوگ شعر غالب کے طالب ہیں۔ (پیرانی اشعار غالب)

(۲۷)

گلہ ہے شوق کو دل میں بھی تنگی جا کا
گہریں محو ہوا اضطراب دریا کا

دل کو گہرے اور سیمان شوق کو اضطراب دریا سے تشبیہ دی ہے اور شکوہ یہ
ہے کہ شوق دل میں (یا وجود دست کے) نہیں سما سکتا حالانکہ موتی میں دریا سنایا
ہوا ہے۔ بقول:

دل آلودہ ما شور امکاں در نظر دارد گہر و زریہ است اینجا عنان ضبط ریاریا (مدل)
(فرامانی شوق)

یہ جانتا ہوں کہ تو اور پاخ مکتوب
مگر ستم زدہ ہوں ذوق خامہ فرسا کا

ذوق خامہ فرسا: مرکب توصیفی، یعنی وہ شوق جو نامہ نگاری پر مجبور کر دے
یعنی شوق سے مجبور ہو کر خط لکھا والا جواب کی توقع معلوم (مجبورئی شوق)

خنائے پائے خزاں ہے بہا لگا کر ہے یہی
وہام کلفت قاطر ہے عیش دنیا کا

تشبیہ بہار یا خنائے پائے خزاں تشبیہ بدیع مرید ہے یعنی وہاں اصل بہار بھی
خزاں ہی کے لازم میں سے ہے۔ گویا خزاں ہی خزاں ہے بہار صرف ایسی ہے
جیسے خزاں نے ہندی لگا رکھی ہے والا عیش دنیا کلفت وہام ہے (جلوداتی غم)

نغم فراق میں تکلیف سیر باغ نہ دو
مجھے دماغ نہیں خندہ ہاتھ بیجا کا
یعنی فراق زدہ کے لئے خندہ ہاتھ گل خندہ ہاتھ بیجا کی طرح ناگوار خاطر
ہوتے ہیں۔ (بیانِ افسردگی خاطر)

ہنوز محسوس می حسن کو ترستا ہوں
کو سے ہے ہر رُئی مُو کام چشمِ بینا کا
یعنی سراپا سے نیش و دواش ہو کر بھی معرفتِ کامل حاصل نہ ہوئی۔ (معروفیت
حتا، معرفتِ لاش)

دل اس کو پہلے ہی ناز و داد سے دے بیٹھے
ہیں دماغ کہاں حسن کے تقاضا کا
یعنی ناز و داد مطالبہ دل کے لئے تقاضا کی مانند ہیں۔ اور ہم کسی کا تقاضا سنا
گوارا نہیں کرتے جیسی تو ہم نے ناز و داد سے پہلے ہی دل حوالہ کر دیا اور عشقِ آمادگی مشاعر
نہ کہہ کر یہ بمقدارِ حسرتِ دل ہے
میری نگاہ میں ہے جمع و خراجِ دیا کا
جمع و خراج: یعنی بساط، پونجی، سراپہ میری نگاہ میں ہے: یعنی میرے
علم یا میری نظر میں ہے یعنی میں خوب جانتا ہوں کہ دنیا کی بساط کیا ہے؟ کہ یہ
حب و خواہ گریہ کے برابر نہیں۔ (بالذکر یہ)

فلک کو دیکھ کے کرتا ہوں اس کی یاد
جفا میں اس کی ہے اندازِ کار فرما کا

یعنی آسمان کے جو در و ستم کو دیکھ کر خدا یاد آتا ہے۔ گویا جتنا ہے بے پایاں
سے فات بے پایاں کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ (ہمارا دوست)

(۲۸)

قطرہ سے بسکہ حیرت سے نفس پرورد ہوا
خطِ جلم سے سرا سر رشتہ گوہر ہوا

نفس پرورد، یعنی پاکستار و صاحت فانی نے اس شعر کی خود شرح
لکھی ہے کہ ذرہ جو ٹپکنے میں بے اختیار ہے افرات حیرت سے ٹپکنا بھول گیا اور
برابر بوندیں جو قلم کر رہ گئیں کو پیالے کا خط اس تاگے کی صورت بن گیا جس میں موتی
پر دئے گئے ہوں۔ لیکن اس تشریح سے بھی حیرت قطرہ کی وجہ ظاہر نہیں ہوئی۔
مکن ہے کہ تابانی کو حیرت سے تعبیر کیا ہو اور حررت کو نفس پروردی کا موجب گردانا
ہو۔ (لطافتِ بادہ)

اعتبارِ عشق کی غارتِ سراپا دیکھنا

غیر نے کی آہ لیکن وہ خفا مجھ پر ہوا

یعنی اسے میرے عشق پر ایسا اعتبار ہے کہ غیر کی آہ کو بھی میری سمجھ لیتا ہے اور

یہی سوجب خشتی بن جاتا ہے۔ (اعتبارِ عشق شاعر)

(۲۹)

جب تقریبِ سفر یاد نے محفلِ باندھا

پیشِ شوق نے ہر ذرہ پہ اک دل باندھا

تاکہ دل دوسرے کے ساتھ اڑ کر محل تک پہنچ سکے (شوقِ بے پایاں وصال)

اہل بنیش نے بہ حیرت کدہ شوخی ناز
جو ہر آئینہ کو طوطی بسمل بات دھا

اہل بنیش: بمعنی ارباب شاہدہ یا مخنور بانہا: باصطلاح شعراء
تنبیہ دینا یعنی جو ہر آئینہ کو طوطی بسمل سے شاہدہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ جو ہر
آئینہ بھی کشتہ شوخی ناز ہو کر طوطی بسمل سے شاہدہ ہے۔ بقول،
نماؤں نے تیرے صید نہ چھوڑے زمانہ میں تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانہ میں
(جہانگیری محض)

یاس و اُمید نے یک عربہ میدان الگا
عجز ہمت نے ظلم دل سائل بانڈھا

ظلم دل سائل: مصرعہ اول کا بیان ہے ظلم: بمعنی انجور کا رنگ یا لہجہ
موجز و مر یعنی سائل کا دل عجیب و غریب خیالات کا مجروح ہوتا ہے جو یاس و اُمید
کا میدان جنگ بن جاتا ہے اور یہ سب کچھ عجز ہمت کے نتائج میں سے ہے (خوف
ورہائے اہل احتیاج)

نہ بندھے قشنگی ذوق کے مضمون فاک

گرچہ دل کھول کے دیا کو بھی سائل بانڈھا

دل کھول کر: بمعنی مبالغہ کے ساتھ یعنی شوق کی قشنگی اس غضب کی ہے کہ
اس کا مضمون بیان کرنے میں مبالغہ کے ساتھ دیا کو بھی سائل کی طرح خشک آبِ می
نہ قرار دیا پھر بھی مضمون ادا نہ ہوا۔ گویا جس کی قشنگی کے بیان میں یہ کیفیت ہو اس
کے مقابلہ میں دیا کو خشک قرار دیا جائے تو اس قشنگی کا کیا عام ہوگا (مبالغہ شوق)

(۳۰)

میں اود بزم سے یوں تشنہ کام آؤں؟
گو میں نے کی تھی تو بر ساتی کو کیا ہوا تھا

میرے خیال میں شعر کا مطلب یہ ہے کہ میں تشنہ کام واپس نہیں آیا۔ میں نے نہیں
پی ساتی نے پلا دی۔ پہلا مصرعہ استفہام انکاری ہے۔ بیان کرم ساتھ، بالعموم اس
شعر کا وہ مطلب بیان کیا جاتا ہے جو لالہ خاتون کے اس شعر میں ہے۔
من اگر تو بر زمی کردہ ام اسے سر و سہی تو خود این تو بر نہ کردی کہ مرا می ندہی
یعنی انوس ہے کہ ساتی نے بھی نہ پلائی۔ مفہوم معرفت کا پہلو یہ ہے کہ خدا
ہی نہ پیا ہے تو رفیق عمل کیوں کہ ہو۔ دوسرے معنی یہ کیے جاسکتے ہیں کہ گو میں تھی نہیں
وہ ترکیم ہے۔

ہے ایک تیر جس میں دونوں چھوٹے پڑے ہیں
وہ دن گئے کہ اپنا بدل سے جگر جدا تھا

دل کے تاثرات ایجابی ہوتے ہیں اور جگر کے انتراعی چنانچہ امور خیر کی پیش آمد
سے دل متاثر ہوتا ہے احسان کے عدم سے جگر نیک عشق، مرہوب کو سامنے لاتا
ہے اور مرغوب سے محروم کر دیتا ہے۔ لہذا دونوں ہی اس سے متاثر ہوتے ہیں۔
پس تیر سے مراد تیر عشق ہے یعنی عشق سے دل و جگر دونوں ماذن ہیں۔ (گیرانی عشق)
وہ ماندگی میں غالب کچھ بن پڑے تو جانوں
جب پر شربے گرہ تھا ناخن گرہ کشا تھا
یعنی اب کہ خکلات مد پیش ہیں ان کے حل کے اسباب معدوم ہیں وہ ماندگی عشق

(۳۱)

گھر ہمارا جو نہ دوستے بھی تو دیراں ہوتا
 بھرگو بھر نہ ہوتا تو بیسا باں ہوتا
 یعنی بربادی، گھر کی قیمت میں ہے کیونکہ عاشق دو حال سے خالی نہیں۔ گھر
 میں ہے تو اشک بار، باہر ہے تو صحرانورد۔ گھر دونوں حال میں دیراں و خانقاہ
 دیرانی عاشق

شنگی دل کا گھر کیا یہ وہ کافر دل ہے
 کہ اگر شگب نہ ہوتا تو پریشاں ہوتا
 شنگی دل: یعنی ملال یعنی دل کی قیمت میں شنگی و پریشانی کے سوا کچھ نہیں۔
 (معام غم عشق)

بعد یک عمر درد بار تو دیتا بارے
 کاش رضواں ہی دیر یار کا دیراں ہوتا
 یک عمر درد: یعنی عمر بھر کی پریشنگاری یعنی رضوان اگر دیر یار کا دیراں
 ہوتا تو دیر یار جنت ہوتا اور پریشنگاری کے بعد اس میں بار پانا آسان ہوتا لیکن
 اب تو دیر یار میں گزر کسی صورت ممکن نہیں (نارسانی در محبوب)

(۳۲)

نہ تھا کچھ تو خدا تھا کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا
 ڈوبیا بجھ کو ہونے سے نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا
 ہونا: بمعنی حادث اور ظاہر ہے کہ محضات میں سے کوئی خدا نہیں

مطلب یہ ہے کہ میں حادثہ نہ ہوتا تو خدا ہوتا۔

بشیر از تنے چوں حکایت میکند از جدایہا شکایت میکند (روی)

کل شیء ما لدک الا وجہہ (ننگِ وجود)

ہوا جب غم سے یوں بے حس تو غم کیا سر کے کٹنے کا

نہ ہوتا کہ جب راتن سے تو زانو پر دھرا ہوتا

یعنی وہ سر جو احساسِ غم سے خالی اور وقعتِ غم و اہم ہوا اس کا باقی رہتا اور

کٹ جانا ایک ہی بات ہے۔ سر زانو رہنے سے مر جانا کیا برا ہے (جنگل از غنی الم)

ہموں مدت کہ غالب مر گیا پر یاد آتا ہے

وہ ہر اک بات پر کہتا کہ یوں ہوتا تو کیا ہوتا

ہر بات پر یوں ہوتا تو کیا ہوتا کہتا دلیل ہے حواں نصیبی کی۔ یعنی غالب کی

حواں نصیبی کو ٹھکرایا نہیں جاسکتا۔ (دیباچہ حسرت و تامل)

(۲۳)

ایک فذہ زمیں نہیں بے کار باغ کا

یاں جاوہ بھی قتیلا ہے لالہ کے داغ کا

شعر کے معنی یہ ہیں کہ باغ کی روشوں کو بھی پھول کے رنگ روپ میں دخل ہے

اور دغایہ۔ جسے کہ کائنات کا ہر ذرہ بر سر پیکار ہوتا ہے تب کوئی شے سزاوار

میں آتی ہے۔ (سلسلہ علت و معلول)

بے مے کے ہے طاقتِ آشوب آگہی

کھینچا ہے عجزِ وصلہ نے خطایاغ کا

یعنی شراب پئے بغیر جو وہ طبع روشن نہیں ہوتے لیکن جو صدمہ میں بالعموم کمی ہے اس
 لیے عام شراب پر خطوطِ مقداری کھچے ہوئے ہیں کہ مبادا بے مقدار سیکشی مسرت سے
 تجلی عرفاں، قوتِ حمل سے باہر ہو جائے۔ (تفاوتِ ظروفِ سالک)

بیل کے کار و بار پہ ہیں خندہ ہائے گل
 کہتے ہیں جس کو عشقِ غافل ہے سراغ کا
 یعنی عشقِ دیوانہ پن ہے جس کا ثبوت یہ ہے کہ بیل کی باتوں پر بھول جنتے
 ہیں۔ (طہر پر اختیار عشق)

تازہ نہیں ہے نشہ فکرِ سخن مجھے
 تریاکی قدیم ہوں دو درچہ سراغ کا
 تریاکی: وہ شخص جسے عادتِ سُکر ہو۔ یعنی میں دو درچہ سراغ کا نشہ کرتا ہوں
 کیا بکرِ سخن کوئی نئی بات نہیں ہے۔ راتوں کو بکرِ سخن کا عادی ہوں۔ (ذوقِ شاعری)
 سو بار بندِ عشق سے آزاد تم جوئے
 پر کیا کریں کہ دل ہی عذو ہے فراغ کا
 یعنی طبیعت عاشقانہ پائی ہے۔ (نسبتِ نظری عشق)
 بے خونِ دل ہے چشم میں مہجِ نگہِ خیار
 یہ میکدہ خراب ہے مے کے سراغ کا
 یعنی آنکھ کی قدرِ خونِ دل سے ہے عودِ آنکھوں میں خاک اڑنے لگتی ہے
 چنانچہ یہ میکدہ چشمِ خون کی نایابی سے ویران ہے۔ اب دل میں خون نہیں تو روتی
 چشم کیونکر ہو۔ (ذوقِ گریہ)

باغ شگفتہ تیرا بساطِ نشاطِ دل
ابر بہارِ خمدہ کس کے دماغ کا

یعنی میرے دل کی مرتیں تو تیری بہارِ حسی سے ہیں۔ رہا میخانہ یوں ابر بہار کا آنا
سودہ کتنا ہی دل پسند ہو میری طبیعت سے لگا نہیں کما سکتا۔ (عشق بے لوث)

(۲۳)

وہ میری چینِ جبین سے غم نہ سالا سمجھا
لازہ مکتوب بہ بے ربطی عنوان سمجھا

چینِ جبین کو بے ربطی عنوان سے اور غم نہ سالا کو لازہ مکتوب سے تیسر کیا ہے۔

یعنی میری صورت سے میرا غم آشکارا رہے۔ (خستہ حال عاشق)

یک الفت بیش نہیں صیقل آئندہ ہونہ

چاک کرتا ہوں میں جب سے کہ گریباں سمجھا

یعنی ابھی آئندہ قلب پر جلانے عقل کی ایک لکیر سی نظر آئی تھی کہ میں اچھے

گریبان سمجھ کر پھاڑنے میں مصروف ہوں۔ (کمال جنون و عقل دشمنی)

شرح اسباب گرفتاری خاطر مت پوچھ

اس تندرنگ ہوا دل کہ میں زنداں سمجھا

زندان کا تنگ ہونا، کنا یہ ہے اکابر زنداں سے۔ یعنی دل کے گرفتارِ الم ہونے

کا بیان کیا کروں دل ایسا تنگ ہے کہ قید خانہ معلوم ہوتا ہے۔ (دنگی خاطر)

بدگمانی تے نہ چاہا اسے سرگرمِ خرام

نرخ پہ ہر قطرہ عرق دیدہ جیراں سمجھا

یعنی قطرہ عرق، ویدہ حیراں کے شاہ ہے اور میں نہیں پاتا کہ کسی کی نگاہ تو کی
نگاہ سے شدید بھی کوئی چیز اس کے چہرہ پر پڑے اس لیے اس کا سر گرم خرام ہونا مجھے
بہت پسند نہیں۔ عشق است و ہزار بدگمانی (بائنہ شک)
عجز کے اپنے یہ حبا نا کہ وہ بد خو ہوگا
نبضِ خس سے تپشِ شمعِ سوزاں بجھا
یعنی میری سوختہ مانی اس کی بدخوئی و تند مزاجی کی دلیل ہے جس طرح نبضِ خس
کی کمزوری شدتِ تپِ شعلہ کی دلیل ہے کیونکہ نبض کمزور ہو تو بجھ کر تپ شدید ہے۔
(عزیزہ جوئی مشرق)

سفرِ عشق میں کی ضعف تے راحت طلبی
ہر قدم سایہ کو میں اپنے شجہ ادا سمجھا
یعنی ضعف کا تقاضا تھا کہ آرام کیسے لیکن سفرِ عشق میں اپنے سایہ قدم کے سوا
شیطان کہاں۔ میں نے اسی کو سامانِ راحت سمجھ لیا۔ (دنگولی الم)
تھا گر زراں مژدہ یار سے دل تادمِ مرگ
دفعِ پیکانِ قضا اس قدر آساں سمجھا
یعنی مژدہ یار پیکانِ قضا تھا اس سے بھاگنا کیا آسان تھا۔ آخر قضا اگر ہی رہی۔
رہے پتا ہی حیرانظر

دل دیا جان کے کیوں اس کو فنا دا داسد
غافل کی کہ جو کافر کو مسلمان سمجھا
یعنی مشرق کو فنا دا سمجھنا کافر کو مسلمان سمجھنے کے برابر ہے (دعوتِ اختیارِ عشق)

(۳۵)

پھر مجھے دیدہ تر یاد آیا
دل جگر تشنہ فر یاد آیا

جگر تشنہ: یعنی عطشانِ بختِ پیاسا یعنی دلِ فر یاد کا پیاسا ہوا اس
پیاسی کو دیدہ تر ہی سے بجھایا جاسکتا تھا۔ چنانچہ میں حروفِ گریہ ہو گیا (شوقِ گریہ)
میں لیا تھا نہ قیامت نے ہنوز

پھر ترا وقت سفر یاد آیا
یعنی تیرا سفر قیامت تھا ہی اب وقت سفر کا یاد آنی قیامت ہے (عذرِ فرق)

سادگی ہائے تمنّا یعنی
پھر وہ نیزنگ نظر یاد آیا

نیزنگ نظر: یعنی نظرِ فریب یعنی تنہا کیسی نادان ہے کہ بار بار ہوئے
باقی ہے۔ اس معنوں میں تین احتمال ہیں کہ ایک تنہا پوری ہوئی پھر تنہا تھا ہے۔
دوسرا یہ کہ تنہا پوری ہی نہ ہوئی لیکن باری ہے۔ تیسرا سب سے قوی یہ کہ پہلی بار دیکھنے
کا کیا حشر ہوا تھا۔ اب پھر حسرت دیدہ ہے۔ نہ معلوم اب دل پر کیا گزرے بہر حال
سادہ لوحی تنہا ظاہر ہے۔ (حسرتِ دیدہ)

عذرِ دانا ندگی اے حسرتِ دل
نالہ کرتا تھا سب گری یاد آیا

کرتا تھا: یعنی کرنے والا تھا۔ یعنی اے دل تیری حسرتِ نالہ و فر یاد کو پورا کرنے
سے مستعد ہوں تاکہ نالہ تھا کہ جگر کا خیال آگیا کہ وہ شوقِ ہوا سے گا۔ یا یہ کہ وہ ہے۔

ہی نہیں کس برتے پر تہا پانی۔ (میراثی ضبط گریہ)

زندگی یوں بھی گزر رہی جیسا

کیوں ترا ماہ گذر یا د آیا

یعنی نہ دو سال ہوا نہ موت۔ سے نجات ہوئی تری ماہ گذر ہی، تو بجز مصائب کے

اور کیا رکھا ہے۔ (نادر شاہی عشق)

کیا ہی رضواں سے لڑائی ہوگی

گھر تو خستہ میں گر یا د آیا

خدا کہتے ہیں اس جگہ کو جہاں سے نکلتا نہ ہو یعنی میں وہاں سے نکلتا پا ہوں گا کہ

تیرے گھر پر آجاؤں اور نہ عنوان اجازت نہ دے گا۔ (لفظت کوئے یار)

آہ وہ حسرت فریاد کہاں

دل سے تنگ آ کے جگر یا د آیا

یعنی اتنا جگرا کہاں سے لالوں کا آہ کروں۔ جس بات کو دل چاہے اور جو صلہ نہ

ہو تو کیسی مایوسی ہوتی ہے۔ (دعویٰ حوصلہ)

پھر ترے کوچہ کو جاتا ہے خیال

دل گم گشتہ گم گریا د آیا

دل کا یا د آ اور عشق کا احساس ہوتا ہے اس احساس کے ساتھ کوچہ چلنا

کی یاد بھی لازمی ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے اور دل گم گشتہ کی یاد کے ساتھ کوچہ چلنا

کی یاد اس حقیقت کی تعبیر ہے۔ نیز اس جگہ کا یا د آ نا قدرتی امر ہے جہاں کوئی تبار

عزیز گم ہوئی ہو۔ (داروہا عشق)

کوئی دیرانی سی دیرانی ہے
دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا

یعنی گھر ایسا دیران ہے جیسے دشت درخانہ دیرانی عاشق

میں نے مجنوں پہ لڑکپن میں اسد

سنگ اٹھایا تھا کہ سر یاد آیا

مصرعہ اولیٰ کا مضمون تجیر کے عہد طفلی سے یعنی بچپن ہی سے مجھے جنونِ عشق کا

احساس تھا۔ (ناسبت ازل یا عشق)

(۲۶)

ہوئی تاخیر تو کچھ باعث تاخیر بھی تھا

آپ آتے تھے مگر کوئی عناں گیر بھی تھا

عاشق کو بدگماں ہے کہ قیاب مانع وصال ہے۔ (عشق است و ہزار بدگمانی)

تم سے بے جا ہے مجھے اپنی تباہی کا گلہ

اس میں کچھ شائبہ خوبی نقدیر بھی تھا

خوبی تقدیر، طنزاً بد قسمتی یعنی سب قسمت کا خوبیاں ہیں تمہارا کیا گلہ (حسن الزام)

تو مجھے بھول گیا ہو تو پتا بست لالوں

کبھی فتراک میں ترے کوئی پنخیر بھی تھا

یعنی میں تیرا عید از یاد رفتہ ہوں۔ (شکوہ بے جہری)

قید میں ہے ترے وحشی کو وہی زلف کی یاد

ان کچھ اک رنج گرا نبادی رہنخیر بھی تھا

یعنی قید میں یا ذرلف غالب ہے اس قدر کہ نہ بخیر کی اذیت یوں ہی سی محسوس ہوتی تھی۔ (محبتِ غمِ عشق)

بجلی اک کو زندگنی آنکھوں کے آگے تو کیا
بات کرتے کہ میں لب تشنہ تقریر بھی تھا

یعنی اک جھٹک سے کیا نفسی جو بات پیٹ بھی تو ہوتی۔ (حسرت وصال)

یوسف، اس کو کہوں اور کچھ نہ کہے خیر ہوئی
گر بگڑ بیٹھے تو میں لائق تعزیر بھی تھا

یعنی حقیقت یہ ہے کہ اسے یوسف کہنا بھی باعث ہنگ تھا (بالذہن مشرق)

دیکھ کر غیر کو ہو کیوں نہ کلیجی ٹھنڈا
نالہ کرتا تھا ولسے طالبِ آشیر بھی تھا

نالہ کے ساتھ طالبِ آشیر ہونا اس کا ثبوت ہے کہ نالہ و قیہ بے اثر رہا اور

یکسیت و جہا طینان خاطر ہے۔ (درخش)

پیشے میں عیب نہیں رکھے نہ فرماؤ کو نام

ہم ہی آشفۃ سروں میں وہ جہاں میر بھی تھا

جواں میر، یعنی جواں مرگ یعنی تنگ تراشی مانع عاشقی نہیں (خود سرش عشق)

ہم تھے مرنے کو کھڑے پاس نہ آیا نہ کسبھی

آخراں شوخ کے ترکش میں کوئی تیر بھی تھا

یعنی اگر سے قتل کرنے کے لیے بھی قریب آتا گوارا نہ تھا تو درد سے ہی کوئی

نہ کوئی تیر چلا دیتا (شرقِ جاں پار)

پکڑے باتے ہیں فرشتوں کے لکھے پر ناحق
آدمی کوئی ہمارا دم خسریہ بھی تھا؟

دوسرا مصرعہ استفہام انکار کا ہے۔ انسان کی معیاریوں پر ایک شوخی آمیز طنز
ہے کہ ہم ہر طرح سے مجبور ہیں۔ (مجبوری انسان)

ریختہ کے تمہیں استاد نہیں ہونا آلب
کہتے ہیں اگلے زمانے میں کوئی میر بھی تھا

یعنی میر بھی ایک استاد بن شر ہو گزرا ہے۔ (اعتراف استاد می میر یا اظہار
ہم پانگنا میر)

(۲۷)

لب خشک در تشنگی مردگاں کا
زیارت، کدہ ہوں دل آزر دگاں کا

نمود لب خشک اور زیارت کدہ سے تشبیہ دی ہے۔ وجہ تشبہ دل میں تختہ ظاہر
ہے اہل دم میں تقدس باطن۔ یعنی میری حالت اظہار حسرت میں لب خشک کی مانند
ہے اور میری عاشقی اس درجہ کا ہے کہ عشاق میری زیارت کرتے ہیں۔ (بیان
حسرت و تقدس عشق خویش)

ہمہ نا امید ہی ہمہ بدگمانی
میں دل ہوں فریب و ناخوردگاں کا

پہلا مصرعہ تمام توجہ شبہ ہے تشبیہ شاعر بادل فریب خوردہ میں۔ یعنی میں
نا امید و بدگمانی سے پر ہوں (مادعات عشق)

(۳۸)

تو دست کسی کا بھی ستمگر نہ ہوا تھا
 اعدوں پر ہے وہ ظلم جو مجھ پر نہ ہوا تھا
 ”اعدوں پر متعلق ہے فعل نہ ہوا تھا“ کا۔ مصرعہ ثانی کی تشریح ہے: وہ ظلم جو مجھ
 ہے اور وہ پر نہ ہوا تھا اور شعر کا یہی مطلب ہے۔ (شکوہ بے ہوشی مشرق)
 چھوڑا مہِ نخب کی طرح دستِ قضا نے
 خود شید ہونذا اس کے برابر نہ ہوا تھا
 یعنی جس طرح ماہِ نخب اسل چاند کے سامنے ناقص تھا اسی طرح خود شید بھی
 نہ ٹھہر سکتا اگر اس کے رخ کے سامنے ہوتا۔ اس کو تو دستِ قضا نے اس وقت چھوڑا
 باہر نکالا جبکہ تیرے چہرے کے مقابل نہ ہوا تھا۔ ماہِ نخب ایک کیمیاوی طریقہ پر تیار
 کیا ہوا مصنوعی چاند جس کو حکیم ابن علی المعروف بیاہن قضا یا ابن المقفع نے استعاراً
 چاہِ نخب سے نکالا تھا۔ (صفت رخسارِ تاباں)

توفیقِ باندازۂ ہمت ہے ازل سے
 آنکھوں میں ہے وہ قطرہ جو گہر نہ ہوا تھا
 یعنی قطرۂ اشک قطرۂ گہر سے زیادہ عالی ہمت ہے کہ اس نے گہر بنانا چاہا
 بلکہ آنسو بنا کر آنکھوں میں جگہ پائی والا دریا میں جاتا۔ (گواںِ قدرِ اشک)
 جب تک کہ نہ دیکھا تھا تیرا رکا عالم
 میں معتقدِ فقر نہ ہوا تھا
 یعنی ترقیامت ہے بقول:

قیامت کا اگر قائل نہیں ہے خوام ناز تو باطل نہیں ہے۔
(نکتہ اشارہ نیاز مند کے والد کا تخلص) (تشیق قیامت)

میں سادہ دل، آندہ دگنی یاد سے خوش ہوں
یعنی سبق شوق مکرر نہ ہوا تھا

یعنی میری سادہ لوحی (ناقصی) دیکھیے کہ بدیں خیال کہ بار بار میرا شوق عرضی حال
پورا ہو میں اس کی ناراضگی سے خوش ہوں۔ حالانکہ زیادہ لوحی ہے یعنی اس کی ناراضگی
کا جھینسا ہی کونسا آسان کام ہے۔ (نازک مزاجی محبوب)

دیا شے معاصی تنک آبی سے ہوا خشک

میرا سہرا من بھی ابھی تر نہ ہوا تھا

یعنی تمام گناہ ختم ہو گئے اور ہمنوز ہویں گناہ باقی ہے۔ (اعتراف کثرت گناہ)

جاری تھی اسد داغ جگر سے میری تحصیل

آتش کدہ جاگیر سمندر نہ ہوا تھا

یعنی آگ کمانے والا کھڑا دسمند آگ میں پیدا بھی نہ ہوا تھا کہ میں اسی وقت

سے داغ جگر سے سوز حاصل کر رہا ہوں۔ مراد یہ ہے کہ سوز عشق میرا بہرہ ازل ہے۔

بقول: بقی ابھی ہونے کو باقی کائنات عقل و ہوش

تیرے متوں نے جی بھی سے ترک تقویٰ کر دیا (شارح)

(رابطہ ازل با عشق)

(۲۹)

شب کہ وہ مجلس نرفذ خلوت ناموس تھا

دشمن ہر شمع خار گسوت، نافوس تھا

یعنی رات کو جب کہ وہ خلوت گاہ خانہ میں جلوہ افروز تھا شمع کی جتنی لیا پس (غلان)
 فائوس میں کانٹے کا کام کر رہی تھی گویا رشک سے شمع کانٹوں پر لوٹ رہی تھی۔
 (میانغز تابیاقی رخسارِ مشوق)

مشہدِ عاشق سے کوسوں تک جھاگتی ہے حنا
 کس قدر یارب ہلاکِ حسرتِ پالوس تھا
 ہلاکِ حسرت : یعنی تنہائی یعنی عاشق کو پالوسِ مشوق کی اتنی حسرت تھی کہ
 مرنے کے بعد بھی اس کی خاک سے خاناگتی ہے کہ شاید پس مرگ ہی حسرتِ پالوس
 پوری ہو۔ (حسرت وصال)

حاصلِ الفت نہ دیکھا جز شکستِ آرزو
 دل بدل پیوستہ گویا اک لبِ افسوس تھا
 دو پیوستہ دلوں کو لبِ افسوس سے تشبیہ دی ہے۔ و جہ شہرِ حقی باہم پیوستگی
 اور و جہ شہرِ قتلِ حسرتِ اندوزی ہے یعنی محبت سے دو دلوں کا بننا ایسا ہے جیسے
 افسوسِ ناکامی میں دو لبوں کا بند ہو جانا یا کچھ نہ کر سکتا۔ (غلامی عشق)

کیا کہیں بیمارِ غم کی فراغت کا بیان
 جو کہ کھا یا خونِ دل بے منت کیبوس تھا

کیبوس : جگر کا وہ فعل جس سے غذا خونِ قہمی ہے یعنی غمِ عشق کی ہیرانی
 سے یہ ہوا کہ غذا کا خون بننے کی بجائے خون کی غذا بن گئی۔ کیونکہ غمِ عشق میں کھانا
 خون کا پینا ہے۔ اس طرح کھانا خون بنا اور کیبوس (فعلِ جگر) کی حاجت نہ
 رہی۔ (خونِ آشامی عشق)

(۲۰)

آئینہ دیکھ اپنا سامنے لے کے رہ گئے
صاحب کو دل نہ دینے پہ کتنا غور تھا
اپنا سامنے کر رہ گئے: یعنی غور ڈوٹ گیا۔ اب وہ خود ہی اپنے عاشق
ہیں۔ (احساسِ جمال)

قاصد کو اپنے ہاتھ سے گردن نہ ماریے
اس کی خطا نہیں ہے یہ میرا تصور تھا
عاشق کو نہ صرف شوق شہادت ہے بلکہ وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ معشوق کے ہاتھ
سے کوئی دوسرا شہید نہ ہو۔ (ریشک)

(۲۱)

عرضِ نیازِ عشق کے قابل نہیں رہا
جس دِل پہ ناز تھا مجھے وہ دِل نہیں رہا
یعنی اب کس دِل سے نیاز مند عیِ عشق کا اظہار کروں۔ بعد نافی معشوق نے
تو وہ دِل توڑ کر رکھ دیا ہے۔ (شکوہِ بے ہوشِ معشوق)

جاتا ہوں داغِ حسرتِ ہستی لیے ہوئے
ہوں شمعِ کشتہ درخورِ محفل نہیں رہا
شاعر نے خود کو شمعِ کشتہ سے تشبیہ دی ہے ویرِ شبہ درخورِ محفل نہ ہوتا ہے۔
یعنی میری کوئی ہستی ہی نہیں اب رہ کر کیا کروں۔ کاش کچھ ہوتا۔
(بیانِ بے مایگیِ معشوقین)

مرنے کی نذر دلی اور ہی تدبیر کر کے ہیں
 شایان دست و بازو سے قاتل نہیں رہا
 یعنی مجھ جیسے ناتوان کو تو قتل کرنا بھی اس کی شان کے خلاف ہے۔ اب
 جان کیونکر دی جائے۔ بقول،

آں شکام من کہ لائق ہم بکشتن نیستم شرم می آید مرزا نکس کہ صیاد من است
 (بیچہ یزدنی عاشق) (ظہوری)

برودے کشتن جیت دیا یعنی باز ہے
 یاں امتیاز ناقص و کامل نہیں رہا
 یعنی آئندہ میں سب کی جگہ ہے کوئی اچھا بویا برا غرض یہ ہے کہ صاف باطن سب
 کو اپنا آست۔ (صفت پاک باطنی)

واکر دیئے ہیں شوق تے بند نقاب حسن
 غیر از نگاہ اسب کوئی حائل نہیں رہا
 یعنی کار ساری شوق نے جلوہ کو بنے نقاب تو کر دیا حسن بنے نقاب ہے اسب
 نہ دیکھو کو آنکھ کا قصور ہے (کو خود تباب خودی) حافظ از میاں بر خیز

گو میں رہا رہیں ستم ہائے دوزگار
 لیکن تو کے خیال سے غافل نہیں رہا
 یعنی گورنج و غم سب کچھ بھلا دیتا ہے پھر بھی میں تجھ کو نہیں بھولا۔ (ردایہ عشق)
 دل سے ہوائے کشت و فامٹ گئی کہ ماں
 حاصل ہوئے حسرت حاصل نہیں رہا

یعنی وفا کا بیج بونے سے کیا ملا۔ سو اس کے کہ وفا کا صلہ ملنے کی حسرت
 رہ گئی۔ چنانچہ اب وفا سے دل کٹھا ہو گیا ہے۔ (بے وفائی اہل زمانہ،)
 بیدارِ عشق سے نہیں ڈرتا مگر اس قدر
 جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا
 یعنی خواہ کتنا ہی ظلم ہوتا میں اسے تجیل لیتا لیکن وہ دل جس پر مجھے حوصلہ
 تھا وہ تو قلم نے توڑ دیا ہے یا لاکھ سے جاتا رہا۔ اب تجمل بیدار کیونکر ہو۔
 (شکوہ بے مہری و بے اتفاتی)

(۴۲)

رنجک کہتا ہے کہ اس کا غیر سے اخلاص حقیق
 عقل کہتی ہے کہ وہ بے ہر کس کا آشنا
 یعنی دراصل وہ کسی کا دوست تو ہے نہیں۔ البتہ رنجک کے باعث اس کا
 غیور سے ملنا جلنا برا لگتا ہے۔ (بیان بے مہری معشوق)
 ذرہ ذرہ سانس برمیخانہ نیزنگ ہے
 گردشِ مجنوں بچشمک اسے میلی آشنا
 میخانہ نیزنگ : یعنی تو لمونی دنیا۔ یعنی دنیا کا ہر شے تغیر پذیر ہے جس
 طرح مجنوں کی گردش، چشم لیلیٰ کی جنبش کا نتیجہ ہے اسی طرح پیرے خانہ نیزنگی عالم
 (خاقانائت) ہر ذرہ کو جنبش میں لاتا ہے۔ لائق ذرہ ذرہ آلا
 بے انتانت۔ (کارفرما کی فہمیت حق)

شوق ہے سامان طراوتِ نازشِ اربابِ عجز
فدہ، صحرادستگاہ و قطر کا دریا آشنا

یعنی شوق عاجز دل کو بھی قابلِ فخر و توجہ بناتا ہے۔ اس شوق کی بدولت ذرہ
ہو تو صحر اور قطر ہو تو دریا کا ہمسر ہو جائے۔ (گیرانی شوق)
شکوہ پنج رشک ہم دیگر نہ رہنا چاہیے
میرا ذالو مونس ادا آئندہ تیرا آشنا
شکوہ پنج رشک ہم اگر میں اعنایتِ اقربا ہی ہے یعنی ہمیں رشک کرنے کی کوئی
وجہ نہیں۔ زانو کے سوا میرا ادا آئندہ کے سوا تیرا کوئی دوست ہے ہی نہیں تو رشک
حسد کیوں ہو۔ (تقابل کروا دے مٹانے حسن و عشق)

میں ادا کا آفت کا مکر وہ دل جی کہ ہے
عافیت کا دشمن اور آوازی کا آشنا

یعنی مجھے ایک ایسے عافیت دشمن دل سے سابقہ پڑا ہے جو چین ہی نہیں دیتے
دیتا۔ (دشنت آباد گلِ خاطر)

کوہکن نقالی یک تمثالِ شیریں تھا اسد
نگ سے مہر مار کر ہوئے نہ پیدا آشنا

یعنی کوہکن صرف شیریں کا بت بنانے والا تھا۔ طالبِ آشنائے تھا۔ کہیں اس طرح
پتھر سے مہر مار کر آشنا نہیں ہوتے۔ (دشمناری حصر لی کا مرانی)
(۴۳)

دگر اس پری دیش کا اور پھر بیان اپنا
بن گیا رقیبِ آخرت جو زواں اپنا

یعنی میں نے اس خوبی سے محبوب کا ذکر کیا کہ میرا دوست بھی اس کا عاشق یا میرا
 رقیب بن گیا۔ (تعلیلِ سخن بیان)

مے وہ کیوں بہت پیٹھے بزمِ غیر میں یارب
 آج ہی ہوا منظور ان کرا امتحان اپنا

یعنی شاعر سوچتا ہے کہ محبوب نے بزمِ غیر میں کیوں اتنی زیادہ شراب پی۔ کیا اپنے
 ظرف کا امتحان مقصود تھا۔ ممکن ہے یہی سبب ہو۔ لیکن کیا آج ہی یہ امتحان کرنا تھا۔
 کیوں نہ یہ امتحان میری بزم میں ہوا۔ (عکاسی تو تہمت و شک)

منظر اک بلند می پرادر ہم بن سکتے

عرش سے ادھر ہوتا کاش کہ مکاں اپنا

یعنی انتہائی بلندی پر پہنچ کر خرابی یہ ہوئی کہ ترقی بند ہو گئی (بیانِ ملامت یا شوقِ جہل)

دے وہ جس قدر دولت ہم تنہی میں ٹالیں گے

بالے آشنا نکلا ان کا پاسنباں اپنا

یعنی خوب ہوا کہ ان کا پاسنباں اپنا آشنا ہے۔ اب اس کی تنہیوں کو تنہی مذاق

میں ٹال دینا آسان ہے۔ (بطلِ تسلی)

در بدل لکھوں کب تک جاؤں ان کو دکھلا دوں

انگلیاں نگار اپنی خامہ خوں چکاں اپنا

یعنی در بدل کا حال کہتے کہتے انگلیاں زخمی ہو گئیں اور قلم سے لہو بہنے لگا ہے

اب تو یہ سوچتا ہوں کہ اپنا یہ مال محبوب کو دکھلا دوں۔ کیونکہ کلمہ کرتا ہوں تو ممکن نہیں رہا۔

(فرمانِ غمِ دل)

گھٹے گھٹے مٹ جاتا آپ نے عبت بدلا
 ننگ سجدہ سے مرے ننگ آستیاں اپنا
 گرنا شاعر کو معشوق کے ذلت آمیز سلوک پر افسوس نہیں بلکہ اس کا خیال ہے کہ سجدہ
 سے معشوق کا ننگ آستانہ خراب ہو گیا ہے اس لیے کہا کہ بدلتے کی رحمت کیوں اٹھائی
 یہ خود ہی نہ رہتا۔ (مبالغہ نیا زندگی)

تاکرے نہ عطا زہی کر لیا ہے دشمن کو
 دوست کی شکایت میں ہم نے ہنریاں اپنا
 یعنی گود دوست (عجوب) کی شکایت کرنی پڑی لیکن دشمن کی چٹلی سے تو بچ گئے کہ وہ
 بھی ہماری طرح دوست کی بے وفائی کا شاک ہو گیا۔ اب وہ ہمیں برا بنانے کے لیے ہماری
 بدگوئی کی ضرورت نہ سمجھے گا۔ (مناہت رقیب)

ہم کہاں کے انا تھے کس ہنر میں یکتا تھے
 بے سبب ہوا غالب دشمن آسماں اپنا
 اپنی ہنر مندی سے انکار اور آسمان کی دشمنی کا اعتراف و پردہ اظہار ہنر مندی ہے
 کیونکہ آسمان ہنر مندوں کا دشمن ہے۔ (دہر دشمن آسمان)

(۴۴)

سرفہ مفت نظر ہوں میری قیمت یہ ہے
 کہ رہے چشم خریدار پہ احساں میرا
 سرفہ نظر، یعنی وجہ بعیرت۔ یعنی میں عابین کے لیے وجہ بعیرت ہوں۔ لیکن
 خواہش ملکہ کی نہیں۔ (تعلی)

دخست نالہ مجھے دے کہ مبادا ظالم
تیرے چہرے سے ہو ظاہر غم پنہاں میرا
مجھے اجازت دے کہ میں آہ و نالہ سے خود اپنے غم کا اظہار کر سکوں ایسا نہ ہو کہ میرا
غم تیرے چہرے سے عیاں ہو۔ مجھے یہ گوارا نہیں۔ (التمائے کرم)

(۴۵)

غافل یہ وہم ناز خود آنا ہے ورنہ یاں
بے شائبہ صبا نہیں طستہ گیہ کا
یعنی وہ نادان ناحق ہی ناز کے وہم میں پڑ کر اپنی آرائش میں معروف ہے لگتا ہے
تک کہ تو خود صبا ستوار آئی ہے۔ اسے خود آرائی کی کیا حاجت ہے۔ قدرت اسے آراستہ
کرنے کے لیے کیا کم ہے۔ بقول :

حاجت مشاطہ نیست بر منے و لا نام مرا (وصف حسن سادہ)

بزم قدح سے عیش آتنا نہ رکھ کہ رنگ
صید زدام خستہ ہے اس دام گاہ کا

رنگ : یعنی نشاط۔ یعنی بزم شراب میں بھی نشاط صید از دام جتہ (غائب) ہے
یاں (دنیا میں) سبھی کا رنگ فق ہے۔ (جہانگیر شی الم)

رحمت اگر قبول کرے کیا بعید ہے
شر زندگی سے عذر نہ کر تا گناہ کا

یعنی مجھے اپنے گناہوں کے ناقابلِ عفو ہونے کا اس درجہ احساس ہے کہ عذر گناہ
کرتے ہوئے بھی شرماتا ہوں تو کیا عجب کہ خدا کی رحمت اس احساسِ غیرت ہی کو قبول کرے۔
(قد و قیمت پشیمان)

مقتل کو کس نشاط سے جاتا ہوں ہیں کہ ہے
 پر گُلِ خمیہ ال زخم سے وامن نگاہ کا
 یعنی میں اپنے قتل ہونے کے خیال سے نہایت مسرور ہوں کدو غلوں کا تصور آنکھوں
 میں اس طرح آتا ہے کہ گویا پھول ہے۔ (ذوقِ جگر نگاہی)
 جاں در ہوائے یک نگرِ گرم ہے اسد
 پروانہ ہے وکیل ترے دادخواہ کا
 یعنی جانِ شاغِ نگاہِ گرم (نگاہِ بانسہ) کی طالب ہے اور اس شوق کی نمائندگی کے
 لیے پروانہ کو وکیل بنا گیا ہے۔ گویا پروانہ ہی بھا سکتا ہے کہ مجھے جاں سپاری کا کس
 قدر شوق ہے۔ (ذوقِ جاں سپاری)

(۴۶)

جود سے باز آئے پر باز آئیں کیا
 کہتے ہیں ہم تجھ کو منہ دکھلائیں کیا
 یعنی مجربِ ظلم سے باز آنا بھی چاہیے تو کیسے؟ وہ تو یہ کہہ رہا ہے کہ ہم شرمِ جنس کے
 اس خیال سے کہ اب تک جفا کرنے کے بعد کیوں ترکِ جفا کریں۔ منہ نہیں دکھائیں گے گریبا جفا
 سے باز آنا ایک امدتِ ہوا کہ اب منہ بھی نہیں دکھائے گا۔ (جفا خیزیِ مجرب)
 رات دن گردش میں ہیں ساتِ آسماں
 جود ہے گا کچھ نہ کچھ گھبراہٹیں کیا
 یعنی اگر زمانہ گردشِ جاری ہے تو یہ حالت میں نہیں رہے گی۔ بقول
 چناں نہ اند و چیں نیز ہم خواہد ماند (درجائیت)

لاگ ہو تو اس کو ہم سمجھیں لگاؤ

جب نہ ہو کچھ بھی تو دھوکا کھائیں کیا

لاگ : بمعنی مخالفت یعنی مخالفت بھی گونہ متعلق ہے لیکن اسے کیلئے کھینچے کہ

وہ مخالف بھی نہیں۔ لہذا فریب محبت میں مبتلا ہونے کی کوئی سبیل باقی نہ رہی۔ بقول:

یاراں گلہ دار نہ کہ زیناں گلہ داریم مارا گلہ از دوسے کہ نہ از با گلہ دارم
(التجانیہ الفت) (المشارع)

ہو لیے کیوں نامہ بر کے ساتھ ساتھ

یا رب اپنے خط کو ہم پہنچائیں کیا

یعنی بے خودی شوق مضحکہ خیز حد تک پہنچی ہوئی ہے کہ نامہ بر کے ساتھ ساتھ چلے

یا رب میں بیان تک کہ اچانک خیال آیا کہ آیا ہم خود اپنے خط کو پہنچائیں (بے خودی شوق)

موج خوں سر سے گز رہی کیوں نہ جائے

آستانِ یار سے اٹھ جائیں کیا؟

یعنی خواہ کچھ ہر آستانہ یار سے نہیں اٹھیں گے۔ دھرم دغا

عمر بھر دیکھا کیا مرنے کی راہ

مر گئے پر دیکھیے دکھ سلائیں کیا

یعنی زندگی بھر تو ہم نے کچھ نہ دیکھا اب مرنے کے بعد دیکھیے وہ کیا دکھاتے ہیں۔

(کیفیت یاس و امید)

پوچھتے ہیں وہ کہ غالب کون ہے

کوئی بتلائے کہ ہم بستلائیں کیا

یعنی جاں بوجہ کر جو بچتا ہوا سے کیا کہا جانے لگتا بھی جو نہیں جانتا اسے کچھ
تبانے سے بھی کیا حاصل۔ (شکوہ تغافل)

(۴۷)

لطف بے کثافت جلوہ پیدا کر نہیں سکتی
چمن رنگار ہے آئینہ مباد بہاری کا
ہوا شے لطیف ہے اور چمن کشیف، لطافت ہوا کا احساس اسی کثافت سے ہوتا
ہے۔ کل شے و معرفت یا ضلالت ہے یعنی آئینہ مباد بہاری کو کون محسوس کرتا اگر رنگار
چمن نہ ہوتا۔ (مائی بے مانگی)

حریف جو شیش دریا نہیں خورد وادی سائل
جہاں ساقی ہو تو دعویٰ ہے باطل ہوشیاری کا
یعنی تجھ سا ہوش رہا ساقی ہو تو ہوش کہاں قائم رہ سکتا ہے۔ ہوش دریائے سائل
سائل کب تک ٹھہر سکتا ہے۔ (ہوش ربانی جلوہ)

(۴۸)

عشرتِ قطر ہے دریا میں فنا ہو جانا
درد کا حد سے گزرنا ہے دوا ہو جانا
یعنی درد حد سے بڑھا تو موت ہوئی اب درد نہ رہا۔ درد نہ رہا تو عیش ہی عیش
ہے۔ جو کمال شے اس کی نفی ہے (تکلیف درد) یا درد حد سے بڑھا تو انسان مر یا درد
ہو گیا اور حبیب درد ہی درد ہو تو احساس درد کیا۔ جیسے قطرہ بھی تک زندہ ہے کہ دریا
میں فنا نہیں ہوا۔ (کمال درد مندی)

تجربے سے قسمت میں میری صورتِ قفل ابجد
تھا لکھا بات کے بنتے ہی جدا ہو جانا

قفل ابجد : ایک خاص قسم کا قفل ہے جس کی چڑیوں پر حروف لکھتے ہیں ان
حروف کو ایک خاص ترتیب میں لائن سے قفل گھل جاتا ہے ۔ بات بننا : مراد
رابطہ محبت قائم ہونا ۔ قفل ابجد جیسی تک بند رہتا ہے کہ اس کے حروف ٹھیک
ٹھیک نہ بیڑ جائیں ۔ حروف مرتب ہوتے کسی قفل کٹڑے سے باہر نکل جاتا (یا کھل جاتا)
ہے ۔ شاعر خود کو اس حال میں پاتا ہے کہ بات بنتے ہی یا صورت وصال نکلتے ہی محبوب
سے جدائی ہو جاتی ہے ۔ (دکم فرستی عیش)

دل ہوا کشمکش چارۂ زحمت میں تمام
مٹ گیا گھسنے میں اس عقدہ کا وا ہو جانا

مصرعہ ثانی، تمثیل واقعہ مصرعہ اولیٰ ہے ۔ یعنی مشکلات سے نجات پانے کی
کوشش میں دل کا کام تمام ہو گیا لیکن شکل حل نہ ہوئی ۔ گویا یوں بھوکہ گرہ سعی کشاد سے
کھل بھی گئی تو کشادہ نظر نہیں آتی (دشکل عشت)

اب جفا سے بھی میں محروم ہم اللہ اللہ
اس قدر دشمن از باب ونا ہو جاتا

یعنی ہر بانی مدد نہ تو ایسے بیزار ہو کہ ظلم بھی نہیں کرتے ۔ (دشکوۂ تنافل)

ضعف سے گریہ مبدل یہ دم سرد ہوا
باد آ یا ہمیں پانی کا ہوا ہو جانا

یعنی بوجہ ضعف مدد آہ سے بدل گیا ۔ گویا پانی ہوا بن گیا ۔ یہ غمخوار ہے :

اشکِ تہم جائیں جو فرقت میں تو اہن نکلیں خشک ہو جائے جہ پانی تو ہوا پیدا ہو
(بیانِ الم) (ناخن)

دل سے مٹنا تری انگشتِ خنائی کا خیال
ہو گیا گزشت سے ناخن کا جدا ہو جانا
یعنی ناممکن ہے۔ (پادری عشق)

ہے مجھے ابر بہاری کا برس کر کھلنا
دوتے دوتے غمِ فرقت میں فنا ہو جانا
یعنی میرا نہ کوئی بات ہی نہیں جیسے بادشہری اور ختم پایہ کہ مینہ برس برس کر کھلتا
ہے اور میں رو رو کرتا ہوں۔ (قلمی عشق)

بقول: کھل کھل گیا مینہ برس برس کے وہ دھگے ہم ترس ترس کے (شارح)
گو نہیں نگہست گل کو ترے کوچہ کی ہوس
کیوں ہے گردِ رہ جو لہنِ صبا ہو جانا
گردِ باد ہونا : بمعنی پھیا کونا۔ یعنی نگہست گل تیرے کوچے کے شوق میں ہوا
کے پیچھے پیچھے باگی جا رہی ہے۔ (دلہنِ آمار گل کوٹے محبوب)
تاکہ تجھ پر کھلے اعجازِ ہوائے حبِ نقل
دیکھ برسات میں بنرِ آئینہ کا ہو جانا
بنری آئینہ : بمعنی رنگ آئینہ۔ یعنی جلا پانے کے شوق میں آئینہ (فولادی)

ہی برسات میں رنگ آلود ہو جاتا ہے۔ (ذوقِ تعب)
بخشے سے بلوہ گلِ ذوقِ تماشا غالب
چشم کو چاہیے ہر رنگ میں وا ہو جانا

پرونگ میں : ہر حال میں۔ یعنی دیدہ ہر نور ذوق دید کہاں سے آئے۔ ذوق
تماشاوجب حاصل ہو کہ جلوۂ گل کے لیے چشم واد ہو۔ (کثرت مظاہر قدرت)

ب

(۴۹)

پھر ہوا دقت کہ ہوا بال کشا موج شراب
دے بٹے کو دل و دست ثنا موج شراب

بطا مراد ظرف سے ہے۔ یعنی یہ ایسا دقت کہ شراب کی ہریں اٹھیں
اور ظرف سے ان لہروں میں تیرنے لگیں۔ (نشاط افزائی مودیم بہار)

پوچھت و جہر سیدہ مستی اریا پ چین

سایہ تاک میں ہوتی ہے ہوا موج شراب

یعنی چین کے درخت جو جہر ہے اس کا سبب یہ ہے کہ سایہ تاک کی ہوا

موج شراب بن کر انھیں مست بنا رہی ہے۔ (نشاط انگیزی بہار)

جو ہوا غرقہ سے بخت رسا رکھتا ہے

سر سے گزرتے پہ بھی ہے بال سما موج شراب

یعنی غرقہ شراب کی قیمت کا کیا پوچھتا ہے۔ شراب کی ہر سر پہ بھی گزرتا ہے

تو بال ہما کا سا اثر رکھے گی۔ (بند اختر ٹی گساراں)

ہے یہ برسات دہ موم کہ عجب کیا ہے اگر

موج ہستی کو کہے فیض ہوا موج شراب

یعنی عجیب نہیں کہ اس موسم میں زندگی کی لہر میں شراب کی لہروں کی طرح سوز لگنے
ہو جائیں۔ (نشاد انگیزشی بہار)

چار موج اٹھتی ہے طوفانِ طرب سے ہر سو
موجِ گل، موجِ تسفیق، موجِ صبا، موجِ شراب
چار موج: یعنی بکثرت دہر شود۔ یعنی اسبابِ عیش و طرب کی فراوانی ہے
اس کا ذکر مصرعہ ثانی میں ہے۔ (نزدائقِ اسبابِ نشاط)
جس قدر روحِ نباتی ہے جگر تشنه ناز
وے سے تسکین بیمِ آبِ بقا موجِ شراب
جگر تشنه: یعنی جگر پیاسا یا بغایت تشنه۔ یعنی روحِ فخر جس قدر بھی
نازد فخر کی پیاسی ہے اسی قدر موجِ شرابِ اوجہاتِ آبِ حیات سے اس کی تسکین کرتی
ہے۔ گویا شراب پی کر جس قدر بھی کوئی چاہے ناز کرے۔ (بانیدگی روح از شراب)
بسکہ دوڑے ہے رگ تاک میں خون ہو ہو کو
شہرِ رنگ سے ہے یال کشا موجِ شراب
یعنی شراب انگوڑی کی بیل کا مایہ حیات ہے جو رنگ ہی کراڑنے لگی۔ (بیان
نشاط انگیزی شراب)

موجِ گل سے چراغاں ہے گزرگاہِ خیال
ہے تصور میں زلیں جلوہ نما موجِ شراب
یعنی شراب کے تصور میں تخیل کی راہیں گویا پیروں سے دھک رہی ہیں۔ (نشاد
تصور شراب)

نشہ کے پڑے میں ہے محو تماشا کے دماغ
 بسکہ رکھتی ہے سر نشہ و نما مہرِ شراب
 یعنی شراب و دماغ کے لیے صحت بخش سیرگاہ اور بابِ بالیدگی میں سے ہے۔

(تاثیر شراب)

ایک عالم پر ہیں طوفانی کیفیتِ فصل
 موجہ سبزہ نو خیز سے تا موجِ شراب

طوفانی کیفیتِ فصل : بمعنی موسم کا لطف بڑھانے والے۔ ایک عالم پر ہیں :
 بعضی عروج پر ہیں۔ دوسرا مصرعہ طوفانی کیفیتِ فصل کا بیاں ہے۔ یعنی سبزہ کی جڑ سے
 لے کر شراب کی لہروں تک ہر چیز موسم کے لطف میں اتھانہ کرتے والی ہے (دل افندی بہار)

شرح ہنگامہ ہستی ہے نہ ہے موسمِ گل
 نہ سیرِ قطرہ بدریا ہے خوشاموجِ شراب

مصرعہ اول بہار کی اور مصرعہ ثانی شراب کی تعریف میں ہے۔ یعنی بہار مستوجب
 رہتی عالم ہے اور شراب و جہتِ نشاطِ خاطر۔ (دورِ بہار و شراب)
 ہوش اُڑتے ہیں مرے جلوۂ گل و یکجا آسند
 پھر ہوا وقت کہ ہو بال کشا موجِ شراب
 یعنی موسمِ بہار کی رنگینیاں ہوش رُبا ہیں۔ لہذا اب وقت ہے کہ شراب اٹھے

(تشابہ بہار و شراب)

ت

(۵۰)

افسوس کہ دیدار کا کیا مذاق فلک نے
جن لوگوں کی حتی درخورد عقیدہ گہرا گشت

دیوان : جمع دودہ یعنی کیرے۔ یعنی جن ہاتھوں میں موتی کی لڑیاں تھیں وہ کیروں
کی مذاہن گئے۔ (بے ثباتی دنیا)

کافی ہے نشانی تیری چھپتے کا نہ دینا
خالی مجھے دکھلا کے بوقت سفر انگشت

یعنی تیرے نشانی کے لیے چھپتے کا نہ دینا بلکہ مجھے چلتے وقت ٹھیکہ دکھا دینا یا د
سبے گا۔ (دشمنی مشورہ)

لکھتا ہوں اسد سوزشِ دل سے سخن گرم
تا رکھ نہ سکے کوئی مرے حرف پہ انگشت

یعنی میرا کلام ایسا سوزناک ہے کہ اس کے حرف پر کوئی انگلی نہیں رکھ سکتا۔ پھر یہ
بھی ہے کہ جو بات سوزشِ دل کا قیجہ ہو اس پر کوئی کچھ کہہ نہیں کیا سکتا ہے (دیوان سوزشِ دل)

(۵۱)

وہاگر کوئی تا قیامت سلامت

پھر اک روز مرتد ہے حضرت سلامت!

یعنی زندگی کنسی کا طویل ہو پھر مال موت ناگزیر ہے۔ (ذہ گزیر و اہل)

جگر کو مرے عشقِ خونِ نابہ مشرب
لکھے ہے خداوندِ نعمت سلامت

دعا یہ ہے کہ عشقِ خونِ جگر سے پدرش پاتا ہے۔ (خونِ اشائی عشق)

علیٰ الرضیٰ شہید و فدا ہوں
مبارک مبارک سلامت سلامت

یعنی شہید و فدا ہوا وہ بات سچے جو مجھے میسر ہے دشمن کو نہیں۔ (فخر جاں شاری)

نہیں گو سرو و رگِ ادراکِ معنی
تماشا نے نیز نگ صورت سلامت

سلامت : معنی سلامت باد۔ یعنی عشقِ حقیقی نہ تو مجازی ہی بہت ہے بقول :
مساب از عشقِ رد گرچہ مجازی است کہ او بہر حقیقت کار سازی است
(مدحتِ شیوہ عاشقی)

(۵۲)

مُند گئیں کھولتے ہی کھولتے آنکھیں غالب
یا رلائے میرے بالیں پہ اسے پر کس وقت

یعنی محبوب کا دیدار اس وقت نصیب ہوا جب کہ میرا آخری وقت تھا۔ بقول :
کیا خاک علاجِ دلِ بیمار کر دے اب آنے ہوا اس وقت کہ دکھا نہیں جاتا (شاج)
(معتویٰ حسرت دید)

(۵۳)

آید خط سے ہوا ہے سرو جو بازاردوست
دو و شمع کشتہ تھا شاید خطِ رخسارِ دوست

دھاریہ ہے کہ خط رخسار کے آجائے سے تابائی ذخا رجاتی رہی۔ اس کو شمع کے
 کشتہ ہونے اور مرد بازارٹی حسن سے تعبیر کیا ہے۔ (بے شبانی سخن)
 اسے دل تا عاقبت اندیش ضبط شوق کر
 کون لا سکتا ہے تاب جلوۂ دیدار دوست
 یعنی تاب جلوہ نہیں تو شوق دید کیوں ہو۔ (غیر سازی جلوہ مشوق)
 خانہ ویراں سازشی حیرت تماشا کیجیے
 صورت نقش قدم ہوں رقتہ رقتہ زقار دوست
 رقتہ: بمعنی دارقتہ۔ یعنی دلکش زقار کو دیکھ کر نقش پا کی طرح بے خود و ساکت
 و جامد ہوں۔ اب گھر کا کسے ہوش ہے۔ (خانہ ویرانی شوق)
 شوق میں بیدار و شک غیر نے مارا مجھے
 کشتہ دشمن ہوں آخر گرچہ تھا بیمار دوست
 یعنی دوست کی محبت کا عرف بیمار تھا لیکن رقیب کے شک نے تو مار ہی ڈالا (ریاض شک)
 چشم مار و شن کہ اس بیدرد کا دل شاد ہے
 دیدہ پرخوں ہمارا ساغر سرشار دوست
 دیدہ پرخوں کو ساغر سرشار سے تشبیہ دی ہے۔ وہ بہت جتنی ظاہر ہے اور وہ بہت جتنی
 دیر اجلا ہوتا ہے۔ جو تصور دشاعر ہے۔ یعنی مشوق ہمارے گریہ و ناری کے خوش
 ہوتا ہے۔ (بے ہوشی محبوب)

غیر کیوں کہتا ہے میری پریشانی اس کے بھر میں
 بے تکلف دوست ہو جیسے کوئی غمخوار دوست

تاکہ میں جانوں کہ ہے اس کی رسانی ان تک

مجھ کو دیتا ہے پیام و مدد دیدار و دوست

یعنی رقیب کا ایک بے تکلف دوست کی طرح میری تیار داری کرنا اور رقیب کا پیام و دست پہنچانا میری تنگی کے لیے نہیں بلکہ جھگڑنے کے لیے ہے جو یادہ ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ میری دعا کی وہاں تک ہے۔ (دشک)

جب کہ میں کرتا ہوں اپنا شکوہ ضعف و داغ

مگر کہے ہوئے حدیث زلفِ غیر بار دوست

مگر کہے ہوئے یعنی شروع کر دے ہے۔ یعنی جب میں رقیب سے یہ کہتا ہوں کہ میرے داغ کو بات سننے کی سہار نہیں تو وہ ایسی بات شروع کرتا ہے کہ سننا ہی بڑی ہے یعنی مشوق کی غیر بیز زلفوں کا ذکر۔ واضح ہو کہ غیر ضعف و داغ کا ملال بھی ہے۔ (فریب رقیب)

چکے چکے مجھ کو روتے دیکھ پاتا ہے اگر

ہنس کے کرتا ہے بیانِ شوخی گفتار و دوست

یعنی مجھے روتا دیکھ کر مشوق کی دل خوش کن باتیں بیان کرتا ہے۔ جو بدیں خیال بات اذیت ہے کہ فیروں کو اس کی باتیں معلوم ہیں اور اس کو میرے حالِ ناز کی پروا نہیں۔ (دشک و بلہ ہر شئی محبوب)

مہرانی ہائے دشمن کی شکایت کیجیے

یا بیاں کیجیے پیاسِ لذتِ آزار و دوست

اب اس رقیب کی اس اذیت و مہرانی کی شکایت کریں یا اس مشوق کی اذیت ہی

کاشکے ہاگو یاد شمع کی ہر بانی زیادہ ایذا دہے بہ نسبت اذیت آزار عرب کے۔ (در شک
 رقیب و تلمیذ صبر بردار)

یہ غزل اپنی مجھے جی سے پسند آتی ہے آپ
 ہے ردیف شعر میں غالب زبیں تکرار دست
 یعنی لفظ دست کا بار بار کہنا لذت آفرین ہے۔ (لذت ذکر)

ج

(۵۲)

گلشن میں بند و بست بزمِ دگر ہے آج
 قمری کا طوق حلقہ بیڑنِ دہ ہے آج
 حلقہ بیڑنِ دہ : مبتدا مؤخر ہے یعنی حلقہ قمری کا طوق ہے۔ مطلب یہ ہے کہ باغ
 میں آج کچھ ایسا اہتمام ہے کہ حلقہ دہ بھی طوق قمری کی طرح دکھائی دے۔ (ترصیف بیاد)
 آٹا ہے ایک پازہ دل ہر فعال کے ساتھ
 تارِ نفس کنسہ شکارِ آفر ہے آج
 شکارِ آفر : بمعنی وہ شے جو تیر ہوئی ہے۔ کنایہ از دل یعنی آٹا کے ساتھ دل
 کیسے پھا آتا ہے۔ (بیان آہ جگر دہ)

اے عاقبت کنارہ کراے انتظامِ چل
 سیلابِ گریہ دے پئے دیوار و در ہے آج
 یعنی طوقِ گریہ میں عاقبتِ قسمت اور دل بھی فاش ہے نیز در دیوار و در

کی خیر نہیں۔ (جاگداز کی گریہ)

(۵۵)

لوہم مریضِ عشق کے بیمارِ دار ہیں
اچھا اگر نہ ہو تو میساکا کیا علاج

یعنی مریضِ عشق کی تیمارداری تو غیر ممکن کریں گے لیکن میساکا کیا علاج ہو گا۔ اگر مریضِ عشق
اچھا نہ ہو اور مطلب یہ ہے کہ عشق کا علاج اور میساکائی دعویٰ مذول ہی باتیں لغوی ہیں۔ ہاں
تیمارداری کرتے رہیے۔ (بے دہائی و مددِ عشق)

ج

(۵۶)

نفس نہ انجمنِ آرزو سے باہر کھینچ
اگر شراب نہیں انتظارِ ساغر کھینچ

یعنی آرزو مند از زندگی بسر کر رہے کشمکش میں ہیں تو انتظارِ کشمکش نہیں۔ بغیر اسے

(لا تقنطوا من رحمۃ اللہ) (تلقین ربانیت)

کمالِ گرمی سخی تلا کشش دید نہ پوچھ
بزدلِ خارِ مرے آئنے سے جو ہر کھینچ

دید : یعنی دیدہ ور۔ یعنی میں اپنی فکر کی تلاش میں مددِ درجہ سرگرم رہا لیکن نہ

ملا۔ اب میرے آئینہ کمال سے جو ہر کو کمال لے کر یہ مجھے خار کی طرح کھینچتا ہے۔ (شکوہ)

ناتوانی ہزار

تجھے بہانہ راحت ہے انتظار اے دل
کیا ہے کس نے اشارہ کہ نازِ بستر کھینچ

یعنی انتظار میں بیٹھے رہنا کیا معنی؟ بظاہر یہ تو راحت طلبی ہے لیکن حقیقت یہ ہے
کہ حالتِ انتظار میں انسان اس کے سوا ابد کر بھی کیا سکتا ہے۔ ان فطری کیفیات کو قبضہ
تقریباً بیان کیا ہے۔ (کیفیتِ انتظار)

تری طرف ہے بہ حیرت نظر اڑے نگرس
بکودنی دل و چشمِ رقیبِ سانسِ کھینچ

یعنی نگرس میری رقیب ہے کہ بہ حیرت تجھے دیکھ رہی ہے۔ لیکن اس خوشی میں کہ

یہ رقیب دل اور آنکھ و دلائلِ اعتبار سے سزاوار ہے میٹھی کر لی پائی ہے۔ (نشاطِ بہار)

بہ نیمِ غمزہ ادا کر حق و دلِ عیست ناز
نیامِ پردہ زخمِ حبِ گرے خنجر کھینچ

یعنی جگر میں خنجر تیرے ناکِ امانت ہے۔ اگر تو ایک نگاہِ غلط انداز سے اسی خنجر

کو کھینچے تو حقِ امانت ادا ہو جائے۔ (دشوقِ حراحتِ نظر)

مرے قدح میں ہے مہبانے آتشِ پنہاں
برونے سفرِ کبابِ دلِ سمنہ کھینچ

برونے سفر کشیدن: دسترخوان پر چننا۔ فارسی محاورہ ہے جسے اردو میں استعمال کیا

گیا ہے۔ یعنی میرے لیے دلِ سمنہ کے کباب درکار ہیں کیونکہ جو شراب میں پی رہا ہوں

وہ حشر کے آتشِ پنہاں کا ہے۔ لہذا اس شراب کے لیے ایسا ہی کباب چاہیے۔ (مخدوش

پنہاں حشر)

(۵۷)

حسن غمزے کی کشاکش سے چٹا میرے بعد

باسے آرام سے ہیں اپلی جفا میرے بعد

یعنی تازہ دار اور غمزہ کش ہی نہ ہوں تو تازہ و غمزہ کس کے لیے؟ چلو اپلی جفا کو رحمت

تازہ سے فراغت ہوئی۔ (دیان تازہ برداری ترشتی)

منصبِ شیفگی کے کوئی قابل نہ رہا

ہوئی معزولیٰ اندازِ دادا میرے بعد

بھڑائے ہو گیا سلسلہ ہمدردی بہیم تازہ میں بھل گئے تازہ دادا میرے بعد (مضمون ہاں)

شمع بجھتی ہے تو اس میں سے مہواں اٹھتا ہے

شعلہ عشق سے پوش ہوا میرے بعد

یعنی میرے بعد شمع میرے ماتم میں سے پوش ہو گیا۔ چنانچہ شمع کے کشتہ ہونے پر

دھواں نکلا اس خیال کی ایک محسوس مثال ہے۔ (فردوس عشق)

خون ہے دل خاک میں احوالِ تال پر یعنی

ان کے ناخن ہوتے محتاجِ خفا میرے بعد

یعنی میرا دل بعد از خاک میں مٹنے کے بعد اس بات پر تاسف ہے کہ حینوں کو انا قدر

دنگنے کے لیے اب خون نہیں ملتا۔ مطلب یہ ہے کہ میرے ہوتے تو ان کے ناخن میرے خون

سے رنگین ہوتے تھے اب ہندی کے محتاج ہو گئے ہیں۔ (دیان خون ریزی مہرباں) یا یہ کہ

ہم آزموش کے سین سادہ پر فریفتہ تھے اب دریا کی کے لیے مجھ کو نہ سنگار کی ضرورت
محسوس ہوتی ہے۔ (نیا بطن)

دردِ خورِ عرض نہیں جو ہر بیدار کو جا
نگہ ناز ہے سرِ سرے سے خفا میرے بعد
دردِ خورِ عرض، قابلِ نانش جا، یعنی محلِ مناسب جو ہر بیدار کو ناز دے
یعنی سرے کے لیے کوئی قابلِ نانش جگہ نہ رہی اب اسے نگاہِ ناز میں کون لگائے جبکہ
مجھ سا ناز بردار نہ رہا۔ (خجریان)

بے جنوں اہل جنوں کے لیے آغوشِ مودع
چاک ہوتا ہے گریباں سے جدا میرے بعد
یعنی جن جن کا اہل جنوں سے ہم آغوش ہونا رغبت ہونے کے لیے ہے اسی طرح
چاک گریباں بھی گریباں کو چھوڑ دیا ہے۔ یعنی میرے بعد نہ جن جن ہو گا نہ چاک گریباں۔
(ریان تکمیل جنوں)

کون ہوتا ہے حریفِ مے مردانِ گلِ عشق
بے مکر و لپ ساتی پہ صلا میرے بعد
یعنی ساتی نے میرے بعد دوبارہ کہا کون ہوتا ہے حریفِ مے مردانِ گلِ عشق؟ پہلی
بار طبعِ مبارکِ طبعی اوروں سے بارِ طبعِ یارسی۔ پہلی بار کہا کہ ہے کوئی مرد میدانِ عشق؟
پھر آپ ہی کہا کہ بھلا کون ہو سکتا ہے؟ غرض یہ کہ میرے بعد مجھ جیسا مسرت مے
عشق کوئی بھی نہ نکلا۔ (تعلی تکمیل عاشقی)

غم سے مڑتا ہوں کہ آشا نہیں دنیا میں کوئی
کہ کہہ کے تعزیتِ ہر روز دنا میرے بعد

یعنی میرے بعد ہر روز کا حامی تو کوئی کیا ہوتا فقدان ہر روز پر متا سب بھی کرتی
نہیں ہے۔ (شکوہ بے مہرئی زمانہ)

آئے ہے بے کشتی عشق پہ روزنا غالب
کس کے گھر جائے گا سیلاب بلا میرے بعد
یعنی عشق اور عشق کا تباہ کار ہاں سب عجب پر ختم ہیں (تکیلی غم عشق)



(۵۸)

بلا سے ہیں جو یہ پیش نظر درو دیوار
نگاہ شوق کو ہیں بال و پر درو دیوار
یعنی رکاوٹوں کے پیش آنے سے شوق اور بھی بڑھ جاتا ہے (شوق بے پایاں)
و فوراً شک نے کا شانہ کا کیا یہ رنگ
کہ ہو گئے میرے دیوار و درو دیوار
یعنی دیوار میں رخنہ ہو کر در بن گیا اعداد و اوزہ مٹی سے اٹھ کر دیوار ہو گیا۔
(مبالغہ گر ہے)

نہیں ہے سایہ کہ سن کر نوید مقدم یار
گئے ہیں چند قدم پیشتر درو دیوار
یعنی نہ صرف میں بلکہ میرا گھر بار بھی مشتاق دید ہے۔ چنانچہ جو سایہ نظر آ رہا ہے
یہ سایہ نہیں بلکہ درو دیوار کا پیشوائی کے لیے آگے بڑھتا ہے۔ (مبالغہ اشتیاق)

ہوتی ہے کس قدر اذاتی شے جلوہ
 کہ مست ہے ترے کوچہ میں ہر درد دیوار
 یعنی ترے جلوہ سے ہر شے متاثر ہے۔ (خزائن جلد محبوب)
 جو ہے تجھے ہر سوداے انتظار تو آ
 کہ ہیں دکان متاع نظر درد دیوار
 یعنی انتظار کا کچھ ہے تو کہ متاع نظر جس سے انتظار بنتا ہے تمام درد دیوار بھی
 ہوئی ہے۔ گویا میری نگاہ انتظار تمام درد دیوار پر گڑی ہوئی ہے۔ (دیوان انتظار محبوب)
 وہ آ رہا مرے ہمسایہ میں تو سایہ سے
 ہوئے فدا درد دیوار پر درد دیوار
 یعنی جب سے وہ میرا ہمسایہ بنا میرے درد دیوار سایہ بن کر اس کے درد دیوار (گھر)
 پر قربان ہو رہے ہیں۔ (دیوان فدویت)

نظر میں کھٹکے ہے بن ترے گھر کی آبادی
 ہمیشہ روتے ہیں ہم دیکھ کر درد دیوار
 یعنی ترے فراق میں گھر سے جی اگتا گیا ہے اور میں آمادہ صحرانوردی ہوں۔ لہذا
 درد دیوار کو دیکھ کر رونا آتا ہے کہ اب یہ ویران ہو جائیں گے۔ (خانہ ویرانی عاشق)
 ہجوم گریہ کا سامان کب کیا میں نے
 کہ گر پڑے نہ مرے پاؤں پر درد دیوار
 یعنی گریہ کا تو ذکر کیا بجز آمادگی گریہ درد دیوار کے گر پڑنے کا اندیشہ ہے
 (مبالغہ گریہ)

نہ بوجھ بخود ہی عیش مقسم سیلاب
کہنا چتے ہیں پڑے سرسرد و دیوار

یعنی آہ سیلاب کی خزش میں دردِ یارِ زندہ ہے ہیں، گویا دردِ دیوار بھی خود شائق
سیلاب گریہ ہیں۔ دلالتِ فراوانی درد

نہ کہ کسی سے کہ غالب نہیں زمانے میں
حریفِ رازِ محبت مگر دردِ دیوار

دردِ دیوار کے سوا کوئی مازِ عار نہیں معنی فی الواقع کوئی بھی مازِ عار نہیں ہے۔ لہذا
اسرافِ الفت کو کسی پر بھی ناشکرنا چاہیے۔ (تعمینِ کتمانِ برعشق)

(۵۹)

گھر جب بنا لیا ترے درد پر کہے بغیر
جانے گا اب بھی تو نہ مرا گھر کہے بغیر

یعنی ہر چند میں نے پتا بتایا پر تو نے میرا گھر نہ جانا۔ اب کہ میں نے ترے درد پر ہی اپنا
گھر بنا لیا ہے۔ تجھے بن بتائے ہی جان دینا چاہیے کہ تیرا درد ہی میرا گھر ہے (التمزامِ محبوب)

کہتے ہیں جب رہی نہ مجھے طاقت سخن
جانوں کسی کے دل کی میں کیونکر کہے بغیر

یعنی یہ جانتے ہوئے کہ میں ضعف سے بھرا نہیں سکتا، کہتے ہیں کہ میں کیسے میں حالِ دل
کیسے سمجھوں۔ (ستمِ ظریفیِ محبوب) یاد دہانہ جوئی بے اتفاق

کام اس سے آپڑا ہے کہ جس کا جہان میں
یہو سے نہ کوئی نام ستمگر کہے بغیر

یعنی سبھی اس کو سنگر کہتے ہیں۔ یعنی ہر شخص بقتلے مشق ہے۔ (ابتلائے عام مشق)

جی نہیں ہی کچھ نہیں ہے ہمارے دگر نہ ہم

سہراٹے یا رہے نہ رہیں پر سکے بغیر

یعنی مانع شکوہ کوئی خوف نہیں ہے بلکہ یہ کہ میرے دل میں اس کی طرف سے کوئی

برائی ہی نہیں ہے۔ (بھڑائی مشق)

چھوڑوں گا میں نہ اس بت کا فر کو پوجتا

چھوڑے نہ خلق کو بچھے کافر کہے بغیر

یعنی تکفیر ذلیل خلق بچھے اس کی محبت سے باز نہیں رکھ سکتی وہ بے باک مشق

مقصود ہے ناز و غمزہ دے گفتگو میں کام

چلتا نہیں ہے کشتہ و خنجر کہے بغیر

یعنی اس کے ناز و غمزہ کو دشنہ و خنجر کہتا ہی پڑتا ہے۔ (جگر و دڑئی ناز و غمزہ)

ہر چہند ہو مشاہدہ حق کی گفت گو

بستی نہیں ہے بارہ و ساغر کہے بغیر

یعنی معائنہ معرفت کو استقامت بارہ و ساغر کے بغیر بیاہ نہیں کیا جاسکتا۔ وہاں یہ

کو مستی بارہ کو بخود ہی معرفت سے ایسی شائبہ ہے کہ یہ تشبیہ ناگزیر ہے۔ مگر سازش بیاہ چہرہ حقیقت

بہار ہوں میں تو چاہیے دونا ہوا التفات

سنتا نہیں ہوں بات مکر کہے بغیر

یعنی نقل سماعت و جبے التفاتی کیوں ہو؟ یہ تو مزید التفات کو متقاضی ہے کہ میں

بار بار کچھ بدول نہیں سنتا۔ (بہاؤ جلیبہ التفات)

غائب نہ کر حضور میں تو بار بار عرض
 ظاہر ہے تیرا حال سب ان پر ہے بغیر
 یعنی مشرقِ حالِ عاشق سے بے خبر نہیں ہوتا۔ (مکتوبہ تنافل بے سبب)

(۶۰)

کیوں جل گیا نہ تاپ رخ یار دیکھ کر
 جلتا ہوں اپنی طاقت دیدار دیکھ کر
 یعنی میں اپنی طاقت دیدارِ جمال پر تاسف ہوں۔ کاش سوختہ آتشِ جمال ہو جاتا۔
 (ذوق جانیپوری)

آتش پرست کہتے ہیں اہل جہاں مجھے
 سرگرم تالہائے شہرہ یار دیکھ کر
 یعنی میں اس درجہ صرف تالہائے شہرہ یار ہوں کہ مجھ پر آتش پرست ہونے کا گمان
 ہوتا ہے۔ (مبالغہ سوز)

کیا آبروئے عشق جہاں عام ہو جفا
 نہ کرتا ہوں تم کو بے سبب آزار دیکھ کر
 رکتا ہوں، یعنی منقبض یا بخیرہ رہتا ہوں۔ یعنی تمہارا نامہ سے عشق کے باعث
 ہو تو وجہ ناز ہے لیکن تم کو بے سبب ہی ستاتے ہو اس حالت میں عاشق کے لیے عشق درہمقدار نہ
 رہا اور بے آبروئی عشق ہے چنانچہ یہی امر وجہ انتقامِ خاطر ہے۔ (ذوق ستم کشی)
 آتا ہے میرے قتل کو، پر جوش و شگفتگی
 مڑتا ہوں اس کے ہاتھ میں تلوار دیکھ کر

یعنی اگرچہ وہ میرے قتل کو آمادہ ہے لیکن تلوار کا اس کے پاس ہونا میرے لیے ہمت
 رشک ہے کہ اس کے ہاتھ میں ہے۔ دوسرا سبب موجب رشک یہ ہے کہ اس کی بکارت تلوار
 کیوں قتل کرے۔ (رشک)

ثابت ہوا ہے گردن میں سنا یہ خون خلق
 لذتی ہے لہذا مے تری رفتار دیکھ کر
 یعنی تری متلذذ چال سے دنیا کا خون ہوا ہے۔ چونکہ یہ مستی شراب سے ہوئی ہے
 اس لیے خون سراچی کی گردن پر ہوا اور چمے خوف سے کاشت رہی ہے (خواری غلام)۔
 وحاشا کہ یار نے کھینچا ستم سے ہاتھ
 ہم کو حریص لذت آزاد دیکھ کر
 یعنی اس نے دیکھا کہ آزاد کا میں شائق ہوں تو اس نے آزاد دنیا بھی چھوڑ دیا۔
 (شکوہ ستم کو شنی محبوب)

یک جاتے ہیں ہم آپ متاع سخن کے ساتھ
 لیکن عیب اربط خسریا دیکھ کر
 یک جانا، یعنی محزون غایت ہوتا۔ یعنی ہم خریداریا سخن کے بنے مدحگوں ہوتے
 ہیں بشرطیکہ اس کی طرح نقد ہو۔ (قدر سخن شناسی)
 زنا را باندہ سحر صد دانہ توڑ ڈال
 رہو چلے ہے راہ کو ہموار دیکھ کر
 زنا، یعنی عشق۔ سحر صد دانہ، تکلیفات شرعیہ۔ مطلب یہ ہے کہ معرفت
 کا یہ سارا راستہ عشق ہے گو شریعت بھی ایک راستہ ہے لیکن ناہموار۔ (تفوق عشق بر عقل)

ان آبلوں سے پاؤں کے گہرا گہرا تھا میں
جی خوش ہوا ہے راہ کو پر خار دیکھ کر

یعنی مقام مرت ہے کہ خار راہ سے میرے پاؤں کے آبلے ٹوٹ جائیں گے اور آبلے
جاتے رہیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ عاشق کو ایک مشکل سے نجات چھٹی ہو سکتی ہے کہ دوسری
مشکل اس پر غالب آجائے۔ ابد ایک مشکل ہے اس کا ٹٹنا دوسری مشکل ہوگی اور تب ہی
ابد سے نجات مستور ہوگی اور عاشق کی راہ میں جتنی زیادہ مشکلات ہوں اس کے لیے وجہ
انجام دہیستروں کی۔ (رفیق تجلی شادمان)

کیا بدگماں ہے مجھ کے کہ آئینہ میں میرے
طوطی کا عکس سمجھے ہے زنگار دیکھ کر

آئینہ سامانِ ناز و نعمت میں سے ہے اور اس میں زنگ لگ جانا مستلزم ہے اسباب
ناز و نعمت سے کنارہ کشی کو، طوطی کو آئینہ سے یہ مناسبت ہے کہ طوطی باز آئینہ کے سامنے
طوطی رکھ کر اسے یوں سکھاتے ہیں اور یہ بھی یہ ایک مشغلہ ہو دعب ہے۔ دماغی شاعر
یہ ہے کہ میں تو اسبابِ عیش و ناز سے دور ہوں جس سے میرے آئینہ میں زنگ لگ گیا ہے
اور وہ سمجھتا ہے کہ یہ زنگ نہیں بلکہ عکس طوطی ہے جو میرے مشغلہ ہو دعب کا نتیجہ
ہے۔ (بدگمانی و شوخی مشرق)

گرفتی تھی ہم پر برقِ تجلی نہ طور پر
دیتے ہیں بادہ ظربِ قلعہ خوار دیکھ کر

برقِ تجلی پر تیریں ہے کہ کہاں جا کر گری ہے۔ بھلا کہہ طور میں اتنا دھار کہاں کہ اسے
برداشت کرنا اسے ترجمہ پر گزنا چاہیے تھا اس نے یہ نہ دیکھا کہ اس نے اس کے لیے قلعہ خوار

کا طرف کہاں تک مہند ہے (اعتقادِ تابِ بلور)
 سر پھوٹا وہ غالب شہرہ حال کا
 یاد آگیا مجھے تری دیوار دیکھ کر
 یعنی تیری دیوار، شہرہ سرِ غالب جس نے اس کا کام تمام کیا کی یاد کا رہے (یادِ شہرہ)

(۴۱)

لہذا تاب ہے مراد دلِ زحمتِ ہر دردِ خشاں پر
 میں ہوں وہ قطرہٴ شبنم کہ ہو غارِ بیا بیاں پر
 آداب کو اس قطرہٴ شبنم سے جو کاشے کے اوپر ہر جذب کرنے میں کیسی زحمت ہوتی
 ہوگی۔ اس خیال سے یہ مراد دلِ کانپ جاتا ہے یعنی اس عالی مرتبہ و محبوبہ کے لیے عجیب جیسے حقیقت
 کو اپنے خدا میں دولت سے وابستہ کرنا باعثِ زحمت ہی ہے اور کیا ہو یا ناقتہ و عاشق و مستحق
 نہ پھوٹی حضرت یوسفؑ نے یاں بھی غارتِ آرائی
 سفیدی دیدہ یعقوب کی پھرتی ہے زندانی پر
 یعنی زخراں تارِ یک میں سفیدی کا کیا کام لیکن زندانِ یوسف پر دیدہ یعقوب کی سفیدی
 پھرتی ہوئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ زندانِ یوسف نے یعقوب کی سفیدی شبنم کو لے لیا اور وہ
 کو جو گئے اس کا رازِ بلور طرز کہا ہے۔ (حسن آرائی عشق)

نفا تعلیم درسِ بخود ہی ہوں اُس زمانے سے
 کہ مجھ کو لامِ الفت نکھتا تھا دیوارِ دبستان پر
 مکتبہ کا دیوار پر لامِ الفت نکھتا تھا۔ بے منزل کی کمال نادانی و غفلت سے۔ یعنی میں
 نے بے خودی کا سبق پڑھ کر فنا کی تعلیم اس وقت پائی تھی جب کہ مجھ کو ہنرِ خطِ مکتبہ تھا۔

مطلب یہ ہے کہ میں بے خروازل ہوں۔ (لبعت نظری باعشق)

فراغت کس قدر ہوتی تھی مجھے کشمکش مریم سے
بہم گرجے کہ تے پارہ ہائے دل نکداں پر۔

مطلب یہ ہے کہ جراحت ہائے دل کے لیے ملک تو حاضر ہے۔ مریم حیرت انگیز ہے
کاش دل کے کٹے ٹکڑے ملک پر ملنے ہو جائیں تو میں کیوں تلاش مریم کروں۔ (دوسری نعل مصائب)

نہیں اقلیم الفت میں کوئی طواریت ناز ایسا
کہ پشت چشم سے جس کے نہ ہو جسے قہر عواں پر

پشت چشم، یعنی پس منظر کا نظریہ یعنی ہر طواریت ناز پر بے رخی کا جبر ہے بقصد
یہ ہے کہ ناز کا توفیق بے رخی سے ہوتا ہے۔ (اتحادی نظر نا نگار محبوب)

مجھے اب دیکھ کر ابر شفق آلود یا د آیا
کہ فرقت میں تری آتش پرستی ہے گلستاں پر

یعنی میں ابر شفق آلود ہیں جو فرقت میں گلستاں پر آگ برساتے ہوئے معلوم ہوتے

ہیں۔ (ناگاری فرقت)

بجز پرواز شوق ناز کیا باقی رہا ہوگا
قیامت آگ ہوئے تہذیب سے خاک شہیاد پر

یعنی شہیاد ناز کی برادری ایسی برادری ہے کہ قیامت کے دن بھی ان کا نام و نشان

نہ ملے گا۔ (البتہ پرواز شوق ناز (غالبی ناز برداری محبوب) ایسا چیز ہے کہ مرنے کے بعد بھی
باقی رہے گا۔ سو اس پر قیامت کا ایسا اثر ہوگا جو مٹی کے ڈھیر یا تہذیب کا ہوتا ہے یعنی کچھ

خاک و حول کا اثر باقی کچھ نہیں۔ (حیات بخشی مرگ عاشق)

نہ لانا صبح سے غالب کیا ہو اگر اس نے شدت
 ہمارا بھی تو آخر زور چلتا ہے گریباں پر
 یعنی صبح کا ہم پر شدت کیا ایسا ہی عجز کا نہ فعل ہے جیسا ہمارا گریبان پر۔ گریا وہ ہم پر
 بے قصد سختی کرتا ہے اور ہم گریبان کو بے سبب پھاڑتے ہیں۔ اس میں نہ ہوا تصور زکریا
 کا۔ (بے اثری پند در باب عشق)

(۶۲)

ہے بسکہ ہر اک ان کے اشارہ میں نشاں اور
 کرتے ہیں محبت کو گزرتا ہے کہاں اور
 یعنی وہ برادرت کے سوا کچھ جانتے ہی نہیں۔ چنانچہ ان کی محبت کی باتوں میں بھی کچھ
 ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ عشق است و ہزار بدگمانی۔ (بے اطمینانی و اضطراب عشق)
 یارب وہ نہ سمجھے ہیں نہ سمجھیں گے مری بات
 دے گا مدد دل ان کو جو نہ دے مجھ کو زباں اور
 نہ سمجھیں گے اشارہ ہے اس بات کی طرقت کہ وہ جان بوجھ کر تغافل کرتے ہیں۔ پس مٹی
 کا ہر کے علاوہ یہ دعا بھی ہے کہ میں تو اطمینان لغت نہیں چھوڑ سکتا کیونکہ یہ امر محال ہے۔ اس
 کا وہ عیب نہ کرنی چاہیے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ محبوب قدرت سے باز آ جائے۔ (دلتجائے افسانہ محروم)
 ابرو سے ہے کیا اکس جس نگہ ناز کو پیوند
 ہے تیر مقرر مگر اس کی ہے کہاں اور
 یعنی نگاہ و ناز کا تیرا مود سے نہیں بلکہ کہاں ابل سے ہے۔
 بیشک سجا بل ابرو سے غم مار نہیں ہے تاکہ کے بھی قبضہ میں یہ تھوڑا نہیں ہے دھکت
 وہاں تان ناز و غم

تم شہر میں ہو تو ہمیں کیا غم جب اٹھیں گے
 لے آئیں گے بازار سے جا کر دل و جاں اور

یعنی تمہاری وجہ سے دل فروشوں اور جاں فروشوں کی گرم بانہاں ہے (شیوہ دستانہ نمبر ۱)

ہر چند بیک دستہ موسے بت شکنی میں
 ہم ہیں تو ابھی راہ میں ہے شک گراں اور

یعنی دھانیت کی راہ میں ہم ایک اور بیت بڑا پتھر ہے بعض بت شکنی سے مددیت

کی راہ قطع نہیں ہو سکتی۔ چیت تک گھر میں یا خودی دودھ چرو۔ (مدہ بن ترکیہ نووی)

ہے خون جگر جوش میں، دل کھل کے روتا

ہوتے جو کئی دیدہ خوتا بہ فشاں اور

مدتا۔ مینور مامد شکلم۔ یہ ہوا ہے شرط جوگی۔ یعنی بیت سی آنکھیں ہوتیں تو تو

بیت بھر کر دوتا۔ (ذوق گریہ)

موتا ہوں اس آواز پر ہر چند سر آڑے

جلاد کو لیکن وہ کہے جاتے کہ ہاں اور

مطلب یہ ہے کہ مجرب کی ہر مدلولی نواز ہے خواہ وہ کتنی ہی جان لیوا اور ایذا رساں

ہو۔ (ذوق شتم کشی)

لوگوں کو ہے خود شید جہاں تاب کا و جھوکا

ہر روز دکھاتا ہوں میں اک داغ نہیں اور

یعنی لوگ جسے سورج سمجھتے ہیں وہ میرے ہی داغ پائے نہیں ہیں (عبانف)

سوزش در دل

یعنی ساہن عیش سے وحشت دور نہیں ہوتی بلکہ بڑھ جاتی ہے۔ چنانچہ مردیں باہم
لے کر میں یا نکل تیندوا (وحشی) ہی جاتا ہوں۔ بقول:
منزل عیش تو وحشت کدہ امکان است جن از سائیکل پشت چنگ است اینجاد سید
روحشت از خالی عشق

(۶۳)

جنوں کی دستگیری کس سے ہو کر ہو نہ غریبانی
گریباں چاک کا حق ہو گیا ہے میری گردن پر
گریباں چاک! اسم ناقہ کی ترکیبیں گریباں چاک کندہ (کنایہ از عشق) عیش گریباں
بھاڑنے والے نے مجھے مران کر کے ٹیکل جنوں میں میری مدد کی ہے۔ میں اس کا احسان مند
ہوں۔ (دعوت جنوں)

بزرگ کا غذا آتش زدہ نیزنگ بیستاباں
ہزار آتش، دل باندھے ہے یک بال طبعین پر
”نیزنگ بیتاب“! مفاد یہ ہے کہ آتش زدہ میں اور شہر مقدس ہے
دوسرے دور میں دل مضطرب کا مرض سوزاں سے استعارہ باکتاب ہے۔ یعنی میرا دل جلتے
ہوئے کا غمگینی نور رکھتا ہے کہ اس نے اپنے جلتے ہوئے باتھون پر ہزاروں آئینے
باندھ رکھے ہیں۔ (سوزش و اضطراب دل)

فلک سے ہم کو عیش رفتہ کا کیا کیا تقاضا ہے
متاع بڑھ کر کبھی ہونے میں قرض و ہزن پر
یعنی عیش و نشاط کا قیہ بازیافت ایسی ہی ممکنہ چیز ہے جیسے بے مال کا قرض

کہ طرح بہ طرح سے تباہ کرنا۔ (استحالیہ از یافت عیش ماضی)
 سچا درد وہ ہے سبب رنجِ آشنا دشمن کہ کہتا ہے
 شکارِ ہیرے تہمتِ نگہ کی چشمِ روزن پر
 دشمن، کتابہ از مجرب، بے سبب رنجِ آشنا، جو بدخفا پہنے والا۔ یعنی
 میں ایک ایسے بے سبب رنجِ آشنا دشمن سے سابقہ ہے جو روزنِ دلِ ارکِ دشمنِ آفتاب کو
 دیکھ کر کہتا ہے کہ یہ تھوڑی آنکھ کی چمک ہے، تم نے جھانک کر دیکھا ہے، (عیدِ بڑی قباب مشرق)
 فنا کو سوئیپ کر مشاق ہے اپنی حقیقت کا
 فردِ غلطِ غاشاک ہے موقوفِ گلشن پر
 یعنی تلکے کا ستارہ اس وقت پکلتا ہے جب بھاڑ میں جلتے۔ گری تلکے کا فردِ غلط
 ہونے میں ہے۔ بقول کہنے کہ مازِ خاک میں مل کر گلی دگلا رہتا ہے (قائے بقائیم)
 اسدِ بیل ہے کس انداز کا قاتل سے کہتا ہے
 تو مشقِ نازِ کر خونِ دو عالم میسری گردن پر
 بیل، یعنی کسی پر جان دینے والا یا شاق۔ یعنی اسدِ نازِ اندازِ مجرب کا اس
 درجہ مشاق ہے کہ اسے مشرق کا تابعداری میں ہرگز نہ الحاحات کا موردِ ہونا گراما ہے۔
 (ذوقِ نازِ برعاری مجرب)

(۶۵)

شکستِ مصلحت سے ہوں کہ خواہاں تجھ پر عاشق میں
 تکلفِ برطرفِ ملِ بلائے کا تجھ سا رقیبِ آخر
 یعنی بے تکلف کہتا ہوں کہ میں تیرے جیسے کسی حسین کو اپنا رقیب بنانے کی کوشش میں

ہوں۔ بہت سے عین تجھ پر عاشق ہیں ان میں کوئی تو تیرا جیسا ہوگا۔ (بیان مذاق من پرستی)

(۶۶)

لازم تھا کہ دیکھو مراد مستہ کوئی دن اور
تنتنا گئے کیوں اب رہو تنہا کوئی دن اور

یہ غزل غالب کی بیوی کے بھانجے زین الدین التخلص بہ عادت کا مرثیہ ہسکا مدرش
میں طرافت کی پاشنی، لیکن یہ طرافت بھی دل و جگر پر نشتر کا کام کرتی ہے یہی کمال ہے شاعر
کا۔ فوراً یہ ہے کہ اسے عادت بھلے تنہا کیوں چھوڑ گئے۔ اب اکیلا ہی رہنا پڑے گا۔ کچھ
دن میرا انتظار کرتے رہو۔ موت کی مجبوری کو امر اختیار دینا پہلے سے طرافت ہے۔
(لوحہ قائم عارف)

مٹ جائے گا سرگرتیسا پتھر نہ گھسے گا

ہوں در پہ ترے نامیہ فرسا کوئی دن اور

پتھر، غالباً مراد سنگ مزار سے ہے۔ یعنی میری نامیہ فرسائی گرائی خاطر کا باث
نہ ہو۔ کچھ ہی دنوں کی بات ہے۔ کیونکہ آخر پتھر گھس جائے گا یا سر مٹ جائے گا لیکن
نامیہ فرسائی بہر حال ختم ہو جائے گی۔ (بیان ہلاکت آخری نغمہ)

آئے ہو کل امداد آج ہی کہتے ہو کہ جاؤں

مانا کہ ہمیشہ نہیں اچھپا کوئی دن اور

یعنی بہت تھوڑی زندگی پائی۔ کچھ دن تو اور جیتے رہتے۔ (حسرت طویل حیات)

جائے ہوئے کہتے ہو قیامت کو ملیں گے

کیا خوب قیامت کا ہے کوئی دن اور

یعنی تمہارا دنیا سے جانا ہی میرے لیے قیامت ہے۔ اب اور کسی قیامت کے
جس میں ملنے کا وعدہ ہے۔ (اعلیٰ عالم بہ پیرایہ ظرافت)

ہاں اے فلک پیر جہاں تھا ابھی عارف

کیا تیرا بگڑتا جو نہ مڑتا کوئی دن اور

اس شعر میں منظرِ ہونہ نہایت بیخ و منی خیز ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہرنے

طرے کے تصور میں شاعر محو تھا لیکن اس کی جوانی یاد آتے ہی بول پڑا۔ یعنی اور باتیں

بالائے قاف سے آسمان اس کی جوانی ہی کا خیال کیا ہوتا۔ (نورۂ جواں مرگ)

تم ماہِ شب چار دم تھے مرے گھر کے

پھر کیوں نہ رہا گھر کا وہ نقشہ کوئی دن اور

یعنی پانچ کوئی دن کی ہوتا ہے لیکن کوئی دن بھی نہ رہی (نورۂ مرگ مناجات)

تم ایسے کہاں گے تھے گھر کے داد و ستد کے

سرتا فلک الموت تھا خدا کوئی دن اور

یعنی داد و ستد کا گھر پر کیا اس میں تھا کہ نہایت حیات چمکے بے سوچ و ہوش۔

(اعلیٰ عالم بہ پیرایہ ظرافت)

مجھے تمہیں نفرت بھی نیر سے لڑائی

بچوں کا بھی دیکھا نہ تھا کوئی دن اور

شاعر کو مرحوم کی جو جو باتیں یاد آتی ہیں ان کی معرکہ گردا ہے۔ یعنی تم مجھے

خدا ہو جاتے تھے۔ نیر سے بھی لڑتے تھے۔ خیر مانا کہ اس لیے چلے گئے لیکن اپنے

بچوں کی بہادر کچھ دیکھتی تھی۔ (نورۂ نراق و وفات یافتہ)

گزری نہ بہر حال یہ مدت خوش و ناخوش
کرنا تھا جواں مرگ گزارا کوئی دن اور

یعنی دنیا رہنے کی جگہ کب تک نہیں ہے۔ لیکن آخر رہتے ہی جاتے۔ چندے اور
رہتے۔ (نوشہ مرگ مغایات)

نادان ہو جو کہتے ہو کہ کیوں جیتے ہو عجب
قسمت میں ہے ہر کے کی تمنا کوئی دن اور

یعنی قسمت میں مرنے کا تہ ہے اس لیے جی رہا ہوں۔ مولا قینا تو نہیں چاہے تھا۔
(ملفوظات عیش)

ز

(۶۷)

فارغ مجھے نہ جان کہ مانند صبح ہر صبح
ہے داغِ خشن زینتِ حبیبِ کفن ہنوز

یعنی مر گیا ہوں لیکن غمِ خشن سے نہات نہیں۔ اب بھی گریباں کفن کا تند صبح روشن
پاک پاک ہے۔ (دعاۃ خشن) کاش پہلے معروف میں صبح ہر کی بجائے ہر صبح ہو۔

ہے نازِ مفلساں نازِ دستِ رفته پر
ہوں گلِ فروشِ شوخی داغِ کہن ہنوز

شوخی، یعنی تہجد و خوبی۔ گل فروش ہونا، یعنی شائستگی گہ ہونا۔ یعنی جس طرح
کوئی مفلس اپنی پچھلی دولت پر ناز کرے اسی طرح میں بھی اپنے داغِ کہن کا تذکرہ غفر
سے کرتا ہوں۔ (غفر مشیوہ عاشق)

میخا زہ جگر میں یہاں خاک بھی نہیں
 میخا زہ کھینچنے سے بیت بیدار و فن ہنوز
 میخا زہ کھینچنا، بمعنی طالب ہونا۔ یعنی ظالم مشوق خرق جگر کا پیاسا ہے
 لیکن اب جگر میں کیا رکھا ہے۔ (دسم کرشنی مشوق)

(۶۸)

حریف مطلب مشکل نہیں فسون نیاز
 دعا قبول ہو یا رب کہ عمر خضر دراز
 نیاز، بمعنی دعا۔ یعنی دعا سے مشکل تصدق حاصل ہونے سے رہا البتہ ایسی
 دعا مانگتے ہو تو مانگو جز قبول ہوئی رکھی ہے۔ مثلاً خدا یا خضر کی عمر دراز ہو۔ (ظفر نازکی فرمایا)
 نہ ہو بہ ہرزہ بیا بیاں نور و وسیم وجود
 ہنوز تیرے تصور میں ہے شیب و فراز
 تصور میں شیب و فراز ہونا، بمعنی تصور کا خام ہونا یا تصور کا ناہموار ہونا یعنی
 یہ تصور کرنا کہ کوئی شے موجود ہے فی الواقع تصور کی ناہمواری یا انسانی کی خام خیالی ہے
 (دیوبند کا لبر و عالم)

وصالی جلوہ تماشا ہے پردہ ماخ کہاں
 کہ دیکھے آتش انتظار کو پرواز

جلوہ تماشا، بمعنی جلوہ دکھانے والا۔ نفاش جلوہ کرنے والا۔ پرواز دینا،
 بمعنی پرداختن یا بنانا، تیار کرنا۔ یعنی وصال محبوب کا جلوہ آتش انتظار میں کس پذیر
 ہو سکتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم اسے تصور میں پا سکتے ہیں بشرطیکہ تو اسے تصور و تخیل یعنی

دلہن کا کام کڑا ہو۔ اگر دماغ میں تصور و تخیل کی قوت ہی نہ ہو تو خیال میں بھی وصال کا جلوہ کہاں نظر آ سکتا ہے۔ (وہ محض دماغ وصال محبوب حقیقی)

ہر ایک ذرہ عاشق ہے آفتاب پرست
گنتی نہ خاک ہوتے پر ہواٹے جلوہ ناز

یعنی اہل عشق کی خیر میں محبت ہے اور اس کا ذرہ ذرہ آفتاب پرست و مشتاق حسن ہوتا ہے۔ چنانچہ خاک ہو کر بھی جلوہ ناز کے کیف اخذ کرنے کی خواہش رہتی ہے۔
(ذائق جلوہ محبوب)

نہ پوچھو وسعت مین خانہ جنوں غالب
جہاں یہ کاشہ گردوں ہے ایک خاک انداز

یعنی اہل جن جن عشق کا مقام اتنا وسیع و بلند ہے کہ ان کے نزدیک آسمان با ایں ہمہ وسعت و خاک و صولہ ڈالنے کے برتن جتنا مختصر و درجے حقیقت ہے۔ (مقام انادگان)

(۶۹)

وسعت سعی کرم دیکھ کہ ستراسر خاک
گزشتے ہے آبلہ پا ابر گہر بار ہنوز

سعی: یعنی نذر و حظ۔ یعنی کرم اپنا فیض گنتی بدر و بدنگ پہنچاتا ہے۔ اس کا اندازہ مایہ سے کرو کہ ہر چند اس کے پیروں میں قطرہ نہ آئے آب کے آبلے ہیں۔ پھر بھی تمام روٹے زمین پر موتی برساتا پھرتا ہے۔ (تخمین اہل کرم)
بیک تکم کاغذ آتش زدہ ہے صفحہ دشت
فقیں پاییں ہے تپ گرستی رفتار ہنوز

یعنی میں نے دشت میں ایسی گرم رفتاری دکھائی ہے کہ میرے نقوش پاکی حدت
سے تمام صحرا جلا ہوا کاغذ بن گیا۔ پھر بھی رفتاری کی تڑپ باقی ہے۔ (بالفہ دشت و صحرا لکھنؤ)

(۷۰)

کیوں کر اس بُت ہے رکھوں جان عزیز
کیا نہیں ہے مجھے ایمان عزیز

عزیز: یہاں پر یعنی دینے ہے۔ یعنی محبوب پر جان شکر کرنا ہی میں پاس ایمان ہے
جان کو محبوب سے دینے کیسے رکھ سکتا ہوں۔ (نخجیاں شادی)

دل سے نکلا پہ نہ نکلا دل سے
بے ترے تیسرے کا پیکان عزیز

دل سے نکلا: یعنی دل کو زخمی کر گیا۔ دل سے نہ نکلا: یعنی دل سے نہ اتر
یعنی تیرا تیرا اگرچہ دل کو زخمی کر گیا ہے۔ لیکن دل سے نہیں اتر بلکہ دستور محبوب
مردوب خاطر ہے۔ (رفیق جراحات)

تاب لائے ہی بننے کی غالب
واقعہ سخت ہے اور جان عزیز

واقعہ: مراد عشق۔ یعنی جان عزیز نہ ہو تو کیسے ممکن ہے کہ انسان عشق کے حادثہ
کو جیل کے۔ (جانکا ہی عشق)

(۷۱)

نے گلِ نغمہ ہوں نہ پردہ ساز
میں ہوں اپنی شکست کی آواز

گل نغمہ، یعنی نغمہ، پروردہ ساز، یعنی ساز۔ اپنے وجود کو مڑائے شکست
خوشتی سے تشبیہی ہے۔ وجہ شبہ آنی، اضطرابی اور بے حقیقت ہونا ہے۔ یعنی
میری حقیقت کچھ اور ہے۔ اشارہ ہے مبرا حقیقی کی جانب جس کی شکست سے ایک
آنی، اضطرابی اور بے حقیقت آواز پیدا ہونے میں وہی آواز ہوں جس کی کوئی حقیقت
نہیں۔ وہ آواز نہ نغمہ ہے نہ ساز ہے۔ ظاہر ہے کہ مڑائے شکست نہ حقیقت شے میں داخل
ہے نہ اس کے خارج ہے یہی حال مبرا حقیقی کی نسبت سے انسان کا ہے (بعد بے برزاق)

تو اور آرائش خشم کا کل

میں اور اندیشہ ہائے دور و دراز

یعنی محبوب محو زیب و زینت ہے اور عاشق اس فکر میں ہے کہ دیکھیے اس آرائش
حسن کا کیا حشر ہوتا ہے۔ (بے نیازی محسن)

لافت تمکیں فریب سادہ دلی

ہم ہیں اور ساز ہائے سینہ گداز

یعنی ساز ہائے سینہ گداز اندیشی ہستی کو دیکھ کر ہی کہا پڑتا ہے کہ سنجیدگی اور
دکار کے قائم رکھنے کا دعویٰ اپنی سادہ لوحی کے دھوکے میں آ جاتا ہے۔ (استحالة
مہر و قرار عاشق)

وہ بھی دن ہو کہ اس شکر سے

نازہ کھینچوں بجاے حسرتِ ناز

حسرت: یعنی محرومی۔ یعنی کاش نازہ محبوب سے محروم رہنے کی بجائے اس کی
ناز برداری کا موقع نصیب ہو۔ (حسرتِ ناز برداری)

ہوں گرفتار الفتِ ستیاد

ورنہ باقی ہے طاقتِ پردانہ

یعنی میں اسیر الفت ہوں جس سے چپکا لا سکیں نہیں باقی اود تیروں سے نجات ممکن ہے۔ (ابتلائے عشق) یا (بے درانی عشق)

نہیں دل میں میرے وہ قطرہ خوں

جس سے شرگاں ہوئی نہ ہو گل باز

گلاب نہ ہونا : بمعنی پھولوں سے کمینا یا پھول اچھلانا۔ یعنی میرے دل کا ہر قطرہ

خون صرف گلاب زئی شرگاں ہو گیا۔ (خونقشانی چشم)

اے ترا غمستہ یک قلم، انگیز

اے ترا قلم سرسبز، انداز

انگیز : یعنی انگینت یا شوقِ اخزائی۔ یعنی محبوب کا غمزہ و نازِ شوق کو ابھارتا

ہے اور اس کا نظم سرا سرا نازِ مشوقانہ ہے کہ وہ بھی دلفریب ہے۔ (دربانی ادا ہٹے ہوا)

تو ہوا حبلوہ گر مبارک ہو

ریند شش سجدہ حسین تیار

یعنی سجدہ مبارک ہو کہ محبوب جلوہ افروز ہوا۔ بقول،

شورِ قدمِ شروہ قد قامت الصلوۃ بانگِ رحیل دے زبانت روایتے (عشاق)

(ذوقِ پرستاری)

مجھ کو پوچھیا تو کچھ غضب نہ ہوا

میں غریب اور تو غریب نواز

یعنی غریب نماز کا تو کام ہی غریب تواری ہے۔ اس پر آخر کسی کو کیوں اعتراض ہو۔
(استحسان انتہات)

استدانشان تمام ہوا
فادر یغسادہ رند شاہد باز
یعنی غالب کے بعد اس کی رندی و شاہد بازی یاد رہے گی۔ دغیر آزادہ نشی

س

(۷۲)

مژدہ اسے ذوق اسیری کہ نظر آتا ہے
دام خالی قفس مرغ گرفتار کے پاس

یعنی شایقین اسیری کے لیے مقام خوشی ہے کہ گرفتاری کے لیے جال بچھا ہے یا ساہو
گرفتاری بیابان ہے اور مرغ گرفتار میں پیش نظر ہے کہ مرغ آزاد اپنے مجنس کو دیکھ کر آسانی
سے گرفتار ہو جائے۔ مرغ گرفتار دوسرے عاشق ہیں جو گرفتار محبت ہو کر خوش ہیں بلکہ دوسرے
کی گرفتاری کے لیے باعث ترغیب ہیں۔ (ذوق گرفتاری دام محبت)

جگر شہ آزار قسلی نہ ہوا
جوئے خوں ہم نے بہائی بن ہر خار کے پاس

قسلی نہ ہوا، یعنی سیر نہ ہوا یعنی اس قدر کاٹھے چبے کہ جڑوں میں خوں کی ندی بہ
کتہ پھر بھی ایذا و آزار کے پیاسے دل کو سیری نہ ہوئی۔ (ذوق ایذا طلبی)

بند گشیں کھولتے ہی کھولتے آنکھیں کھلتے ہیں
خوب وقت آئے تم اس عاشق بیار کے پاس

ہے بے کلمہ حسرت و افسوس یعنی اسے محبوب تو عاشق بیار کے پاس، ایسا خیر و نفع
پر آیا کہ دیکھنے کی کوشش کرتے کرتے ہی وہ چل بسا۔ (حسرت انجانی امل)

میں بھی رُک رُک کے نہ مڑتا جو زبان کے بلبلے
دشمن اک تیر سا ہوتا مرے غمخوار کے پاس

یعنی اگر کبھی دھار دار خیر سے قتل کر دیا جاتا تو منہ میں ایسی دیر پا اذیت نہ جھیلنی
پڑتی جو ہمدرد ہی تجھ نے داروں کی نصیحت و نصیحت سے جھیلنی پڑی۔ (تمہی چند دریا بہ عشق)

دین شیر میں جا بیٹھے سیکن اے دل
نہ کھڑے ہو رہے خوبانِ دلِ آزار کے پاس

یعنی شیر کے منہ میں جا بیٹھنا آنا اذیت ناک نہیں جتنا کہ ظالم جینوں کے پاس بیٹھنا۔

(جود جیناں)

دیکھ کر تجھ کو چمن بس کہ نمو کرتا ہے

خود بخود سنچے ہے گل گوشہ دستا کے پاس

یعنی تیری بددلت چمن کی بایں گی کا یہ عالم ہے کہ پھول ابھرا بھگوانہ خود دستار تک

پہنچا رہے ہیں۔ (مبالغہ و نشاطِ قدومِ محبوب)

مر گیا پھوڑ کے سرِ غالب و حشی ہے ہے

بیٹھنا اس کا وہ آکر تری دیوار کے پاس

یعنی عاشق کے مرنے کے بعد اس کی دکان و سر فروشی کو لوگ یاد کرتے ہیں کہ کس طرح

محبوب کی دیوار کے پاس سر پھوڑنے کو بیٹھا تھا۔ (سر فروشی عاشق مہجور)

ش

(۷۲)

نہ لیوسے گر خط جو ہر طراوت سبزہ خط سے
لگا دے خانہ آئینہ میں رُومے نگار آتش

یعنی معرب کا سبزہ خط اگر جوہر آئینہ کو طراوت نہ بخشے تو اس کا حسن جہاں سوزا آئینہ
میں آگ لگا دے۔ اشارہ ہے اس امر کی طرف کہ سبزہ خط سے حدیث حسن میں کمی آجاتی
ہے۔ (مبالغہء مائش حسن)

فروغِ حُسن سے ہوتی ہے حلِ مشکل عاشق
نہ نکلے شمع کے پاسے نکالے گرنہ غار آتش

شمع کی گہ کو غارِ پاسے تشبیہ کی ہے اور کانٹے کا نکلنا آزار سے نجات پانا ہے۔ یعنی
حسن جب تظہ عاشق پر اثر انداز ہوتا ہے تو عاشق کی شکل حل ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اگر شمع
دشمن نہ ہو تو اس کے پاؤں میں بتی کا جو کاٹا چبھا ہوا ہے وہ کہیں نہ نکلے۔ یہاں شمع کو عاشق
قرار دیا گیا ہے اور شعلہ کو مشرق۔ (دراحت دیدار)

ع

(۷۳)

جادہ راہِ نور کو وقتِ شام ہے تابِ شعاع
چرخِ ماکر تا ہے ماہِ نور سے آنخوشِ دواع

تابِ شعاع کو جادہ سے تشبیہ دی گئی ہے۔ راہ : یعنی سفر۔ یعنی شام کو سورج کی

کہیں گویا خورشید کے لیے جادہ سفر میں اداس کو سفر کا راستہ دکھاتی ہیں۔ نیز آسمان پر راہ نرنے گویا آغوش کھول رکھی ہے کہ سورج کو رخصت کرنے کے لیے بغلیں کرے۔
(منظر کشی وقت غروب)

(۷۵)

ریخ نگار سے ہے سوزِ جاودہ افی شمع
ہوئی ہے آتشِ گلِ آبِ زندگانی شمع
گل : استعارہ از محبوب یعنی شمع ریخ محبوب کو دیکھ کر سوزِ عشق میں مبتلا ہے
اور چہ نہ جلتا ہی اس کی زندگی ہے اس لیے گویا گلِ ریخسار کی آگ (سرخ) شمع کے لیے
مایہ زندگانی ہے۔۔ (مدرج تابش ریخ محبوب)

زبانِ اہلِ ذباں میں ہے مرگِ خاموشی
یہ بات بزم میں روشنی ہوئی زبانی شمع
یعنی اہلِ زبان خاموش ہو جانے کو موت سے تعبیر کرتے ہیں۔ چنانچہ اس کا ثبوت شمع
سے ملتا ہے کہ جب اس کی زبان زنی ختم ہو جاتی ہے تو وہ مردہ یا کشتہ کھانے لگتی ہے۔
(تلازمِ سخن و حیات)

کرے ہے صرف بہ ایما کے شعلہ فتنہ تمام
بطرِ زابل فنا ہے فنا نہ خوانی شمع
یعنی شمع کی کہانی شعلہ کے ایک اشارے پر ختم ہو جاتی ہے۔ یہی حال اہلِ فنا کا ہے
کہ بیک جنبشِ نفسِ گرم کام تمام ہو جاتا ہے۔ (بے اعتباری و عجزِ حیات)
نغم اس کو حسرتِ پیمانہ کا ہے اسے شعلہ
ترے لرزنے سے ظاہر ہے ناتوانی شمع

یعنی اسے شعلہ شمع جب توکانپتا ہے (لو میں تھر تھراہٹ ہوتی ہے) تو شمع کو
اپنی ناتوانی کا احساس ہوتا ہے کہ مبادا پردانہ کو جلنے کی حسرت ہی رہے (الشمع کا غم
ہو جائے۔ (ناپائیدار مٹی حسن)

ترے خیال سے روح اہتر از کرتی ہے
بہ جلوہ ریزی باووبہ پر فشانی شمع

یعنی ہوا جلنے اور شمع کے لڑنے کی قسم جب تیرا خیال آتا ہے تو میری روح وجد
میں آجاتی ہے۔ ہوا اور شمع کے ذکر سے اشارہ ہے کیفیت وجد سے (وجد آفرینی تصور ہو گیا)

نشاط داغ غم عشق کی پسار نہ لوجہ
شیفتگی ہے شہید گل خزانہ شمع

گل خزانہ شمع، یعنی شمع کی روشنی کو کم کر دینے والا گل۔ یہ تشبیل ہے داغ
غم عشق کی۔ یعنی غم عشق کا داغ ہر چند کہ گل شمع کی طرح افسردہ کرنے والا ہے لیکن اس
سے جو نشاطِ فراوان حاصل ہوتا ہے اس کی کیفیت بیان سے باہر ہے۔ گویا شیفگی خائے
شمع دلا کی افسردگی پر شیدا ہے (نشاط غم عشق)

ف

(۷۶)

میم رقیب سے نہیں کرتے وداع ہوش
مجبوریاں تلک ہوئے اے اختیار حیف

یعنی خوفِ رقیب نے اس دربر مسلوبہ للاختیار کر دیا ہے کہ بے ہوش بھی نہیں ہو سکتے

کہ مبادا اس پر داز عشق افشا ہو جائے۔ (اندیشہ افشاۓ رازِ عشق)
 جلتا ہے دل کہ کیوں نہ بھراک بارِ جل گئے
 اسے ناتمامی نفس شعلہ بارِ حیف

ناتمامی : معنی کوتاہی۔ یعنی آتشِ بارِ کی اس کوتاہی پر جی جلتا ہے کہ اس نے
 ایک دم ہی بھی جل کر خاک کیوں نہ کر دیا۔ (حسرتِ مرگ)

ک

(۷۷)

زخم پر چھڑکیں کہاں طفلانِ بے پروا نمک
 کیا منزہ ہوتا اگر پتھر میں بھی ہوتا نمک

یعنی کاش ان پتھروں میں جوڑ کے مجھ دیوانہ پر پھینکتے ہیں نمک ہوتا کہ میں جراحات
 کے ساتھ نمک پاشی کا بھی مزہ اٹھاتا۔ (فدقِ جراحات)

گردِ راہِ یار ہے سامانِ نازِ خشمِ دل
 وہ نہ ہوتا ہے جہاں میں کس قدر پیدا نمک

یعنی لذتِ کلفت کے لیے زخم پر چھڑکنے کے لیے نمک کی کمی نہ تھی لیکن میں نمک
 کا کام گردِ راہِ یار سے لیتا ہوں کیوں کہ اس پر ولذتِ کلفت کے علاوہ زخمِ دل تازاں
 بھی ہے۔ (غیر صائب عشق)

مجھ کو اندازنی رہی تجھ کو مبارک ہو حویلا
 نالہ بیل کا مدد اور خندہ گل کا نمک

اندانی ہوتا : بمعنی عطا ہونا۔ یعنی مجھے نالہ بیل کا درد ملا اور خندہ گل نے زخموں
 پر نمک پاشی کی۔ تجھے مبارک ہو کہ یہی چاہتا تھا۔ (دھن بے جہر کا مشرق)
 شور و جلال تھا کنا رہ بھر پر کس کا کہ آج
 گردِ ساحل ہے بزخمِ موجہ دریا نمک
 یعنی محبوب کی جوفانی میں اس درجہ شوریہ و لغز بی تھی کہ اس سے جو گرد اٹھی اس نے کوچ
 دریا پر جو زخم کے مانند ہوتی ہے، نمک کا کام کیا۔ مطلب یہ ہے کہ دریا کو اپنی جوفانی کے مقابلہ
 میں محبوب کی جوفانی پر سخت رشک آیا۔ (تحسین خرام یا جوفانی محبوب)

داد دیتا ہے میرے زخمِ جگر کی واہ واہ
 یاد کرتا ہے مجھے دیکھے ہوئے جس بانک

یعنی مجبور کہیں پر تک دیکھتا ہے تو مجھے یاد کرتا ہے گویا وہ میرے زخمِ جگر کی خوب
 داد دیتا ہے کاس کے خیال میں میرا زخم اور تک متلازم ہیں۔ (شیوہ نمک پاشی مجبور)
 چھوڑ کر جانا تین مجروح عاشق حیف سے
 دل طلب کرتا ہے زخمِ اندامِ گم میں اعضا نمک
 یعنی ہنوز کہ دل جراحت کا اور زخمِ اعضا نمک کے طلب گار ہیں، گویا تکمیلِ اورت نہیں
 ہونے پائی مجھ صیدِ مجروح کو چھوڑ کر جانا باعثِ افسوس ہے۔ (ذوقِ جراحت و ایذا طلبی)
 غیر کی منت نہ کھینچوں گا پئے تو فیر درد
 زخمِ مثلِ خندہ قاتل ہے سرتا پانمک
 یعنی دُور درد کے لیے نمک کا احسان کیوں اٹھاؤں کہ میرا زخم خنداںِ محبوب کی

ہنس کی طرح پے ہی پڑا زخم ہے۔ (بیان دردناک زخم)
 یاد میں غالب مجھے وہ دن کہ جب ذوق میں
 زخم سے گرتا تو میں پلکوں سے چلتا تھا تمک
 یعنی وہ دن بھی کیا خوب تھے کہ مجھے جنکشی اور ایذا طلبی کا اس قدر شوق تھا کہ
 اگر زخم سے ٹک گرتا تو میں اسے اپنے پلکوں سے اٹھایا کرتا تھا۔ مگر لافیتِ عشق جیسے کا
 کوئی موتی اتھ سے جانے نہ دیتا تھا۔ (مذاقِ جرات طلبی)

(۷۸)

آہ کو چاہیئے ایک عمر اثر ہونے تک
 کون جیتا ہے قری زلف کے سر ہونے تک

آہ کا اثر ہونا، یعنی کامیاب وصل ہونا۔ زلف کا سر ہونا، یعنی الجھے ہونے
 یا روں کا سنور جانا۔ یعنی نہ معلوم کب تک تو مصروفِ آرائش رہے گا۔ شاید اسی انتظار میں
 میری عمر ختم ہو جائے گی۔

کے دہر دست این سخن یارب کہ ہمدتاں شود خاطر مج مازلف پریشان شدا (حافظ)
 (حسرت وصال)

دامِ ہر موج میں ہے حلقہ صد کلامِ نہنگ
 دیکھیں کیا گزے ہے قطرے پہ گہر ہونے تک

یعنی قطروں، موتی تب بنے گا کہ سیپ کے پیٹ میں جا کر قرار پکڑے لیکن ایسا ہوا بڑا
 مشکل ہے کیونکہ سمندر میں تمام موجوں کا جال ہے اور اس میں ہزاروں مگر ٹھہرنے کھڑے پڑے
 ہیں۔ نہ جانے موتی بننے تک قطروں پر کیا گزے۔ (دشواری حصولِ مدعا)

عاشقی صبر طلب اور تمنا بیتیاب
دل کا کیا رنگ کروں خون جگر ہونے تک

یعنی عشق میں صبر چاہیے اور شوق ہے کہ بے قرار رکھتا ہے۔ نتیجہ ظاہر ہے
کہ جگر کا خون ہو گا دھوت آبلے گی لیکن اس دوران دل کو کس حال میں رکھوں نہ صبر
کیے بنتی ہے نہ اضطراب سے کچھ حاصل ہے۔ (مشکلات عاشقی)

ہم نے مانا کہ تغافل نہ کرو گے پس کن
خاک ہو یا میں گے ہم تم کو خبر ہوئے تک

یعنی اگر میرے حال ناز کا خبر ہوئی تو ضرور محبوب التفات کرے گا لیکن خبر ہو تو کیسے
زندگی میں ہونا حال معلوم ہوتا ہے۔ (حسرت عرض حال)

پر تو خود سے ہے شبنم کو فنا کی تعلیم
میں بھی ہوں ایک عنایت کی نظر ہونے تک

یعنی جس طرح آفتاب کی روشنی میں شبنم نے فنا ہونا سیکھا ہے اسی طرح میں بھی جیسی
تک ہوں کہ عجب کی نظر عنایت مجھ پر نہیں پڑتی اس نے نظر ثانی اور میں کا بش حال
سے فنا ہوا۔ (تائید کا جلوہ)

یک نظر بیش نہیں فرصت ہستی غافل
گر مٹی بزم ہے اک رقص شر ہوئے تک

رقص : یعنی چمک۔ یعنی عرصہ حیات اس قدر مختصر ہے کہ ایک جھپکاتے
میں ختم ہو جاتا ہے جیسے چمکاری کہ ذرا چمکی اور ختم۔ ہنوا ہے۔

کیا گرم اختلاط کسی سے ہوں معنی فرصت ہے زندگی کی بقدر شر ہیں
(بے ثباتی عرصہ حیات)

غم مہتی کا اسد کس سے ہو جز مرگ علاج
 شمع ہرزنگ میں جلتی ہے سحر جوتے تک
 یعنی موت سے پہلے غم سے نجات نہیں جیسے شمع کہ جب تک زندہ ہے جلتی رہتی
 ہے۔ (تلازم غم و حیات)

گ

(۷۹)

گر تجھ کو ہے یقین اجابت دعا نہ مانگ
 یعنی بغیر یک دل بے دعا نہ مانگ
 نہ مانگ (مصرعہ اول میں) بمسئ تمانہ کہ یعنی ناکامیوں سے ناپوسی کا یہ عالم ہے
 کہ کسی دعا کے پورا ہونے کا یقین نہیں اور اگر قرینت دعا کا یقین ہے تو چاہیے کہ دل
 میں کوئی خواہش نہ ہوتے کہ دعا مانگی جائے تاکہ دعا کرنے کی تباہی نہ ہو۔ (کمال یاس)
 آتا ہے داغ حسرتِ دل کا شمار یاد
 مجھ سے مرے گتہ کا حساب اے خدا نہ مانگ
 یعنی گناہوں کا شمار اتنا ہی مشکل ہے جتنا کہ داغ حسرتِ دل دیا نامرادیوں کا شمار
 مطلب یہ ہے کہ گناہ بہت ہیں لیکن گناہ جو میں نہ کر سکا وہ بھی بہت ہیں۔ (ذوقیت ناکامی) یا
 (بیان کثرتِ آمال)

ل

(۸۰)

ہے کس قدر ہلاک فریب و فاسے گل
بیل کے کاروبار یہ ہیں خندہ ہائے گل

کاروبار : بمعنی طرز عمل ۔ یعنی بیل کی باتوں پر پھول جنتے ہیں کہ وہ فاسے گل کے
میں آکر کیا شاہوا ہے کہ سمجھتا ہے کہ پھول کبھی اس سے جدا نہ ہوگا ۔ بغواٹے ،
شور بلیل کم نہ گرد و گرد گل از چین من بے بنیاد باشد عشق بے بنیاد نیست

(فریب و فاسے گل)

آنا دنی نسیم مبارک کہ عسہ طرف
ٹوٹے پڑے ہیں حلقہ دایم ہوائے گل

یعنی پھول کی کلیوں میں ہوائے خوشگوار بندھتی ۔ وہ حلقے ٹوٹ گئے پھول کھل
گئے اور نسیم آنا ہو گئی ۔ مبارک ہو ۔ (شگفتگی گل و اہتر از نسیم)
جو تھا سو موج رنگ کے دھوکے میں مر گیا
اے دوائے نالہ لب خویش نوا سے گل

نالہ لب خویش نوا : بمعنی اس طرح فریاد کرنا کہ جوں سے آواز کے ساتھ خون
نکلنے لگے ۔ یہاں مراد شگفتگی سے ہے ، یعنی لوگوں نے پھولوں کے شگفتہ ہونے کو جو
در اصل نالہ ہے موج رنگ تصور کیا اور اس پر فریاد ہے ۔ افسوس یہ ہے کہ پھول کے غم
فنا پذیری کو کوئی نہیں جانتا اور پھول ہیں کہ اس حال میں ختم ہونے جا رہے ہیں (تغافل
ابتائے زمانہ)

خوش حال اس رقیب سید مست کا کہ جو
رکھتا ہو مثل سایہ گل سر پہ پائے گل

دار رقیب بدست خوش نصیب ہے جو عالم مدہوشی میں اپنا سر محبوب کے پیوں پر
اس طرح رکھ دے۔ جیسے پھول کا سایہ پھول کے قدموں میں ہوتا ہے۔ (ذوق نیاز خدی)

ایجاد کرتی ہے اسے تیرے لیے بہار
میرا رقیب ہے نفسِ عطر سائے گل

نفس: بمعنی بہتی بالورے خوش۔ یعنی پھول کی عطر آگین خوشبو کو ہوا اس لیے
تیار کرتی ہے کہ تو اسے پسند فرمائے۔ گریا خوشبوئے گل بھی میری ایک رقیب ہے
کہ تری محبوب ہے۔ (بالتہ رشک)

شرمندہ رکھتے ہیں مجھے بادِ بہار سے
میناٹے بے شراب و دلِ بے ہوائے گل

یعنی فصلِ بار میں ملاحی شراب سے اور دلِ شوقِ سیرِ گل سے خالی ہوتا ہے تو
میں بہار سے شرمندہ ہوتا ہوں کہ اس کا حق ادا کرنے سے قاصر رہا۔ اشارہ یہ ہے کہ
تا بعد ازاں ابستی و سرخوشی سے محروم رہنا باعثِ شرم ہے۔ (دہلی اعتقادِ فرست)

سلطنت سے تیرے جلوۂ حسنِ غیور کی
خوں ہے مری نگاہ میں رنگِ ادائے گل

خوں ہے: بمعنی ریح ہے یا بیکار ہے۔ غیور جو دوسروں کے سامنے اپنی حقیر
گوارا نہ کرے۔ یعنی تیرے رعبِ حسن سے میں پھول کی رنگینیوں کو بھی خاطر میں نہیں
لا تا کہ مبادا تیرے حسنِ غیور کو ٹھیس لگے یا تجھے ناگوار خاطر ہو۔ (پاسداری مجرب)

تیرے ہی جلوہ کا ہے یہ دھوکا کہ آج تک
بے اختیار دوڑے ہے گل درقائے گل

یعنی کوئی پھول کھلتا ہے تو یہ دھوکا ہوتا ہے کہ شاید تیرا جلوہ نمودار ہوا۔ چنانچہ
اس دھوکے میں پھول کے پچھے پھول دوڑا چلا آتا ہے۔ (درجہ نام بیوئے جمال محبوب)

غائب تجھے ہے اس سے ہم آغوشی آرزو
جس کا خیال ہے گل جیب قبا ئے گل

گل جیب قبا: یعنی وہ پھول جو زیب لباس کے لیے گریبان پر لگایا جائے۔ مراد
محبوب زیب و زینت۔ ظاہر ہے کہ پھول جو بذات خود خوش آئند چیز ہے گل جیب
قبا ہو تو کس درجہ خوش آئند اور مستوجب زیب و زینت ہو گا۔ یعنی تجھے اس محبوب کے
وصال کی تمنا ہے جس کا خیال خود پھولوں کے لیے بھی وجہ فخر و آرائش ہے یا یہ کہیں کہ
محبوبوں کا محبوب ہے۔ (حسرت وصال)

م

(۸۱)

غم نہیں ہوتا ہے آزادوں کو بیش از یک نفس
برقائے کرتے ہیں روشن شمع ماتم خانہ ہم

شمع ماتم خانہ روشن کرنا: یعنی مصروف غم و ماتم ہونا۔ یعنی آزاد لوگ زیادہ
غم نہیں کرتے بس صرف اتنی دیر حتمی بجلی کی چمک میں ہوتی ہے گویا کچھ بھی نہیں
(یہ غم ہی آزادگان)

محفلیں برہم کرے ہے گنجفہ باز خیال
میں ورق گردانی نیز نگ یک بہت خانہ ہم

نیز نگ و بمعنی خاک و تصاویر۔ ایک بہت خانہ کثرت و مبالغہ، معنی بیشمار
یعنی ہماری ہستی کو یا تصاویر کی ورق گردانی ہے کہ ہمارا خیال (گنجفہ باز کی طرح جو تصویر
دار پتروں کو منتشر کرتا ہے) بہت سے تصوراتی مرغوبات کی ادھیڑوں میں لگا رہتا ہے۔
مطلب یہ ہے کہ انسان خوشنما خیالات کا مجموعہ ہے۔ (ریاں شربت آمال)

باد جو دیکھ جہاں، بنگا مہ سپیدائی نہیں
میں چراغ خان شہستانِ دل پر دانہ ہم

یعنی ہم اگرچہ آمال کی ایک دنیا لیے ہوئے ہیں پھر بھی شور و غل سے خالی ہیں جیسے
پرانا نہ کا دل کہ اس میں سوزِ عشق سے بے شمار چراغ مدش میں لیکن آواز کوئی نہیں (ضبط و قلم)
ضعف سے ہے قناعت سے یہ ترک جستجو

ہیں دہائی تکیہ گاہ بہت مردانہ ہم
یعنی جو شخص تنگ کو اور مجبور سے ترک جستجو کرے نہ کہ جذبہ قناعت سے وہ
بہاد نہیں ہے اس کے برعکس ایسا شخص منہ بہت مردانہ کے لیے وبال ہے۔
(خسب و خوں تہی)

دائم الجھس اس میں ہیں لاکھوں تنائیں اسد
جاننے ہیں اس دل پر خوں کو زنداں خانہ ہم

پر خوں: معنی غمناک۔ یعنی میرے غمیں دل میں لاکھوں تنائیں متحد ہیں۔
(کثرت آمال)

(۸۲)

یہ نالہ حاصلِ دستِ گریں فرسہم کرد
متاعِ خانہ زنجیرِ جزا معلوم

یعنی دل لگانے کا نتیجہ بجز نالہ و فریاد کے اور کیا ہو سکتا ہے۔ میری مثال زنجیر و
کسی بے کہ اس میں بجز نالہ کے اور کچھ نہیں۔ (ناکامی عاشق)

(۸۳)

مجھ کو دیا یہ غیہ پر میں مارا وطن سے دور
رکھ لی مرے خدا نے میری بے کسی کی شرم

شاعر اہل وطن کی بے مہری سے اس قدر مایوس ہے کہ غریب الوطنی میں مرنے والے
کو قابلِ شکر سمجھتا ہے۔ کیونکہ وطن میں حالتِ بے کسی کے اندر جان دنیا باعثِ شرم
ہے۔ (شکوہ بے مہری اور ناقدری اہل وطن)

وہ حلقہ پائے زلف کیس میں ہیں اے خدا
رکھ لے جو میرے دعوئے وارستگی کی شرم

یعنی کتنا ہی آزاد ہوں پھر بھی ممتا ہوں کہ مبادا زلف کے پھندے میں پھنس جاؤں۔

(دل فریبی زلف یار)

ن

(۸۴)

لوں و ام بختِ خفتہ سے یک خوابِ خوش دے
غالب یہ خوف ہے کہ کہاں سے ادا کروں

یہی تجھتِ خفتہ جو گہری غیند سو رہا ہے کاش مجھ آشفۂ مال و شب بیدار کو ایک
نیند بطورِ قرض دے دے، لیکن پھر یہ ڈر ہے کہ یہ قرض ادا کہاں سے کروں گا کہ
غیند کا تو ایک شمع بھی مجھے میسر نہیں ہوتا۔ (خفتہ تجھتِ و شب بیداری)

(۸۵)

وہ فراق اور وہ وصال کہاں	وہ شب و روز و ماہ و سال کہاں
فرستہ کا رہائے شوق کسے؟	ذوقِ نظارۂ جمال کہاں
دل تو دل وہ دماغ ہی نہ رہا	شودہ سوجائے خط و خیال کہاں
بھئی وہ اک شخص کے تصور سے	اب وہ رحمتِ آبی خیال کہاں
ایسا آسان نہیں ہو رہا	دل میں طاقتِ جگر میں مال کہاں
ہم سے چھوٹا قمارخانہ عشق	واں جو جاویں گرہ میں بال کہاں
فکرِ دنیا میں سر کھیلتا ہوں	میں کہاں اور یہ وبال کہاں
مفصل ہو گئے قویٰ غالب	وہ عناصر میں اعتدال کہاں

اس تمام غزل کا مضمون یادِ ایامِ عیش و جوانی پر مشتمل ہے۔ مطالب کا مختصر یہ ہے۔

۱۔ اب نہ وہ دن ہیں نہ فراق و وصال کے تذکرے۔

۲۔ وہ شوق و ذوق سب رخصت ہوئے۔

۳۔ اب نہ وہ دل رہا نہ وہ دماغ۔

۴۔ ایک محبوب کے خیال میں جو رنگیں تصورات تھے سب ختم ہوئے۔

۵۔ دل و جگر میں بھی نالہ و فدا کی تاب نہیں۔

۶۔ اب تمہارا خانہ عشق میں کیونکر جانا ہو کہ بازیِ عشق لگانے کا سامان مفقود ہے۔

- ۷۔ اب تو دنیا کا فکر و ال جان بیا ہوا ہے۔
۸۔ طاقت جراب دے چکی صحت جاتی رہی ہے۔

(۸۶)

کی وفا ہم سے تو غیر اس کو جفا کہتے ہیں
ہوتی آئی ہے کہ اچھوں کو برا کہتے ہیں
یعنی محبوب و ناکرما ہے تو رقیب کہتے ہیں کہ ظلم ہو گیا لیکن دشمنوں کے اس کہنے
پر نہ جانا چاہیے کیونکہ برے آدمی اچھوں کو برا کہا ہی کرتے ہیں۔ (ترغیب و تا)

آج ہم ان سے پریشانی خاطر اپنی
کہنے جاتے تو ہیں پر دیکھیے کیا کہتے ہیں
یعنی کہتا ہے اپنی پریشانیوں کا حال لیکن اندیشہ یہ ہے کہ محبوب کی صورت
دیکھ کر کچھ نہ کہا جائے یا شکایت کی بجائے شکر یہ منہ سے نکلے یا اس امر کا اندیشہ
ہے کہ عرض حال سن کر نہ جانے وہ کیا کہے۔ مبادا کرم کی بجائے عقاب ہو۔ و تذبذب غمنا
اگلے وقتوں کے میں یہ لوگ انھیں کچھ نہ کہو
جو مے و نغمہ کو اندوہ رہا کہتے ہیں

مے و نغمہ کا اندوہ رہائی کا شاعر خود بھی قائل معلوم ہوتا ہے لیکن کعلم گملا کہنا
نہیں چاہتا۔ لہذا منہ مذمت کے لیے یہ اسلوب اختیار کیا کہ مے و نغمہ کی اندوہ رہائی
کے قائل اگلے زمانے کے لوگ ہیں۔ احتراماً انھیں برا نہ کہو۔ و مدح مے و نغمہ

دل میں آجائے ہے ہوتی ہے جو فرصت خوشی سے
ادھ پھر کون سے نالے کو رہا کہتے ہیں؟

یعنی اس سے زیادہ نالہ کی رسائی اور کیا ہوگی کہ غش دور ہوتے ہی محبوب آجاتا ہے
 اگرچہ دل میں آتا ہے مگر یا یہ توقع کہ نالہ کے اثر سے محبوب بذات خود آجائے گا۔ محال
 ہے اس کا خیال آجائے پس یہ رسائی نالہ ہے۔ (ظن رسائی نالہ)
 ہے پر سے سرحدِ اراک سے اپنا مسجود
 قبلہ کو اہل نظر قبلہ نما کہتے ہیں

قبلہ : معنی سمتِ سجدہ یا مسجودِ برحق۔ قبلہ نما : سمتِ قبلہ بنانے والا آلہ۔
 یعنی اہل نظر کے نزدیک ذاتِ مسجودِ اراک سے باہر ہے چنانچہ اس کے لیے کوئی سمت
 خاص متعین نہیں ! جس کو ہم قبلہ کہتے ہیں چونکہ وہ عداواراک کے اندر ہے لہذا یہ قبلہ نہیں
 بلکہ قبلہ کا رنج تا ہے والا ہے۔ (محدث حق)

پائے افکار پر حجب سے تنھے رحم آیا ہے
 خارِ رد کو تر سے ہم ہر گیا کہتے ہیں

ہر گیا : نام ایک بوٹی کا جس کی تاثیر سے محبوب ہربان بن جاتا ہے۔ یعنی اسے
 محبوب تر سواتے کے کانٹوں نے میرے حق میں ہر گیا کا اثر کیا کہ اس سے پاؤں زخمی ہوئے
 اور تجھے مجھ پر رحم آیا اور ہربان ہو گیا۔ (رفیقِ آبدیانی)

اک شہرِ دل میں ہے اس سے کوئی گہرائے گایا
 آگِ مطلوب ہے ہم کو جو ہوا کہتے ہیں

یعنی ہم اگر کہیں ہوا تو اس کا مطلب یہ نہ سمجھنا کہ گرمی سے گہرا کہ ہوا کی طلب ہے۔
 کیونکہ دل میں جو عشق کی چکاری ہے اس میں کچھ ایسی حرارت نہیں ہے کہ دل اس سے گہرا
 جائے بلکہ اس کے برعکس ہم جو ہوا کے طالب ہیں اس کی غرض یہ ہے کہ شرارِ عشق کو ہوا

وہے کو اور بھی آگ کو بھڑکانیں۔ (ذوق تب و تاب عشق)
دیکھیے لاتی ہے اس شمع کی سخوت کیا رنگ

اس کی ہر بات پر ہم نام خدا کہتے ہیں

نام خدا حمد معترف ہے جو محل تحسین میں نظر سے محفوظ رکھنے کے لیے بولا جاتا
ہے معنی چشم بدورد۔ یعنی میں جو محبوب کی ہر بات پر نام خدا کہتا ہوں غرض تحسین یا
حرز چشم زخم ہوتی ہے۔ لیکن اندیشہ یہ ہے کہ مبادا وہ شمع جو خود خدائی کا دعوے دار
ہے۔ اس پر پریم بوجھائے۔ بھجوانے۔

ہے بسکرتہ میں بت کا خطاب میں منہ سے نکل نہ جائے خدا اضطرابیں (شارح)

(ملکہ سخوت حسن)

وحشت و شیفۃ اب مرثیہ کہوں شاید

مر گیا غائب آشفۃ تو اس کہتے ہیں

وحشت اور شیفۃ : غلام علی خاں وحشت اور ذاب مصطفیٰ خاں شیفۃ۔ یعنی مرجان

کے بعد احباب صرف مرثیہ کہہ دیتے ہیں اور وہ بھی شاید باقی ریح۔ (قائل کا رجحان)

(۸۷)

آبرو کیا خاک اس گل کی کر گلشن میں نہیں

ہے گریباں رنگ پیرا من جو دامن میں نہیں

گلشن میں نہیں : یعنی منظر عام پر نہیں لوگ دیکھ سکیں یعنی وہ گریباں جو جاک ہو اگر دامن

تک نہ پہنچ جائے اس پھول کی طرح بے کار ہے جو منظر عام پر نہیں آتا۔ مطلب یہ کہ جنوں

ظاہر نہ ہو تو جنوں کیسا ہے۔ (تدبر جنوں جیاک)

ضعف سے اے گریہ! کچھ باقی مرے تن میں نہیں
رنگ ہو کر اڑ گیا جو خوں کہ دامن میں نہیں

یعنی ضعف و ناتوانی سے اب میرے بدن میں کچھ باقی نہیں جو خون تھا وہ یا تو خشک
خون بن کر دامن میں ہے یا اس کا رنگ غائب ہو گیا کہ چہرہ پلید پڑ گیا۔ (مبالغہ ناتوانی)

ہو گئے ہیں جمع اجزاء نے نگاہ آفتاب
ذرے ساس کے گھر کی دیواروں کے وزن میں نہیں

یعنی محبوب کے وزن و بار میں جو ذرے چمک رہے ہیں وہ دراصل نگاہ آفتاب
کے ٹکڑے ہیں۔ گویا آفتاب نے وزن و بار سے محبوب کے دیکھنے کی جو کوشش کی
تو اس کی نگاہیں وہیں بکھر کر گئیں۔ نظر نہ ٹھاسکا۔ (مبالغہ مجازیت حسن)

کیا کہوں تاریکی زندانِ غم اندھیر ہے
پنہ تویر صبح سے کم جس کے روزن میں نہیں

یعنی زندانِ غم میں اس قدر سخت اندھیرا ہے کہ اس کے روزن میں روشنی کا پھیرا بھی
ایسا نظر آتا ہے کہ گویا سفیدی صبح نمودار ہو گئی۔ (تاریکی زندان)

روشنی سستی ہے عشق خانہ ویراں ساندے سے
انجمن بے شمع بے گر برق خرمین میں نہیں

”برق خرمین“ مترادف عشق خانہ ویراں ساندے یعنی دنیا کا ہنگامہ اور اس کی چل چل
عشق یا کسی کام کی دلگلی کی بدولت ہے۔ اگر یہ برق عشق اس خرمین عالم میں نہ ہوتی تو دنیا
کی عقل بے شمع یا بے روشی ہو کر رہ جاتی۔ بقول:

میریت اندلی وہ ہر اشیاء ساری بہت
ورنہ بڑی نہ دے میل بے دل قراوہ
(فرغیہ عشق)

زخم سلوانے سے مجھ پر چارہ جوئی کا ہے طعن
 غیر سمجھا ہے کہ لذت زخم سوزن میں نہیں
 یعنی اگر رقیب کو معلوم ہوتا کہ سوئی کے زخم میں کیا مزہ ہے تو وہ زخم سلوانے پر
 چارہ جوئی کا طعن نہ دیتا۔ مطلب یہ ہے کہ میرا زخم سلوانا چارہ جوئی کے بیٹے نہیں بلکہ خلیش
 سوزن کی لذت کے لیے ہے۔ (فدق جراحات)

بسکہ ہم ہیں اک بہادر ناز کے ماتے ہوئے
 جلوہ گل کے سوا گرد اپنے دامن میں نہیں
 بہادر ناز: کنایہ از محبوب نازین۔ یعنی میں ایک بہادر جن کا شیفہ ہوں اس لیے
 میرے دامن کی گرد جلوہ گل ہے گرد نہیں ہے۔ دامن کا گلزار ہونا اشک خونیں سے
 آلودہ ہونا ہے۔ (گوارائی جراحات عشق)

قطرہ قطرہ اک ہیوئی ہے سنٹے ناسور سے
 خوں بھی ذوقِ درد سے فارغ مرے تن میں نہیں
 ہیوئی: یعنی مادہ صورت، یعنی میرے خون کا ہر قطرہ جس کو نایہ حیات کہتے
 ہیں ایک نیا ناسور ہے۔ گویا میرا ہر قطرہ خونِ فدق آشنائے درد ہے۔ (درد مند گشت)

لے گئی ساقی کی نخوتِ قسزمِ آشامی ہری
 موجِ مے کی آج رگِ مینا کی گردن میں نہیں
 یعنی میں آتشِ پیئے والا ہوں کہ ساقی کا غرور دکھ اس کے پاس اتنی شراب ہے کہ
 کوئی پی نہ سکے گا، تڑا دیا۔ اب مراحمی کی گردن سے شراب کی موجِ تند ہو چکی ہے یا لہوں
 کیسے کہ شراب ختم ہو گئی ہے۔ مطلب یہ کہ سب کچھ پی گیا۔ (فخر نریشی) یا (کمال معرفت کوشی)

ہر وقتِ ضعف میں کیسا ناتوانی کی نمود
قد کے جھکنے کی بھی گنجائش کے تن میں نہیں

یعنی ضعف نے کچھ اس طرح دیوچ لیا ہے کہ قد بھی جھکایا نہیں جاسکتا کہ ناتوانی کا
اظہار ہو کر اتنا ضعف ہے کہ اس سے زیادہ تصور میں نہیں آسکتا۔ (بیانِ ضعفِ ناتوانی)

تھی وطن میں شان کیا غالب اکہ ہو غربت میں قد
بے تکلف ہوں وہ مشیتِ خس کہ گلشن میں نہیں

یعنی بے حقیقتی و بے قدری میں میری شان بالکل اس مشیتِ خس کی ہے جو بھاڑ میں
نہ ہو کہ اس کی قدر نہ باغ میں ہوتی ہے جو اس کا اصل ٹھکانا یا وطن ہے اور نہ باغ سے
باہر نکل کر غربت میں ہوتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر بھاڑ میں ہوتا تو قدر ہوتی۔ غرض اس
کی بے قدری کا کیا ٹھکانا جس کی قدر بھی بے قدری کے مترادف ہے۔ (مباحثہ صبحِ یزیدی حشر)

(۸۸)

عہدے سے مدحِ ناز کے باہر نہ آسکا
گراں گدا ہوا تو اسے اپنی قصص کہوں

یعنی محبوب کی ادائے ناز کو اپنی قصص سے تعبیر کرنا یا جان یوں قرار دینا اس کی
دورِ فرد ہے لیکن یہ پوری تعریف نہیں ہے کیونکہ اس کی ادائیں بے شمار ہیں اور ہر ادا
جانتا ہے۔ مگر قصاصت ایک ہے پس مدحِ نازِ محبوب سے کیونکہ عہدہ برا ہو سکتا
ہوں۔ (جاں ستانی ادایاں سے محبوب)

حلقے میں چشمِ ہائے کشادہ بسوئے دل
ہر تابِ زلف کو نگہِ سرمہ سا کہوں

یعنی محبوب کے گیسوئے خم دار کے حلقے بھی دل پر وہی اثر کرتے ہیں جو اس کی
چشمِ سرگشیں کرتی ہے۔ (دخترِ بی ادا ہانے محبوب)

میں اور صد ہزار نورائے حسگر خراش
تو اور ایک وہ نہ شنیدن کہ کیا کہوں
یعنی میں سراپا فریاد ہوں لیکن تو بے کایک نہیں سنتا۔ (شکوہ تنافل)
ظالم مرے گمان سے مجھے منفعل نہ چاہ
ہے بے خدا نہ کردہ تجھے بی وفا کہوں

گمان : معنی خیالِ باطل۔ یعنی مجھے یہ نہیں گمان سا تھا کہ تو بے وفا ہے۔ اب
اس پر شرمسا رہ کر۔ خدا نہ کرے کہ میں تجھے بے وفا کہوں۔ شاعر اس اندیشے سے غالی
نہیں کہ محبوب بے وفا ہے لیکن بے وفائی کا تصور اس درجہ گوارا خاطر ہے کہ ہر بہانے
اسے دل سے دور کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ (قریب خورشید)

(۸۹)

جہاں ہونے کے بلا لوب مجھے چاہو جس وقت
میں گیا وقت نہیں ہوں کہ پھر آ بھی نہ سکوں
یعنی عاشق ہر وقت اور ہر حال معشوق کے اقتفات کا آرزو مند ہے (حسرتِ انتفا)
ضعف میں طعنہ اغیار کا شکوہ کیا ہے
بات کچھ سہ تو نہیں ہے کہ اٹھا بھی نہ سکوں

یعنی ضعف و ناتوانی کے باعث گو سہ تو نہیں اٹھا سکتا لیکن بات تو اٹھا ہی سکتا ہے
لہذا طعنہ اغیار کا شکوہ کیا ہو کہ وہ تکلیف والا بیطاق نہیں ہے۔ (ممبرِ طعنہ اغیار)

زہر مٹا ہی نہیں مجھ کو ستمگر ورنہ
 کیا قسم ہے تیرے مٹنے کی کہ کھا بھی نہ سکوں
 یعنی زہر مل جائے تو کھاؤں لیکن تیرے مٹنے کی قسم نہیں کھا سکنا۔ (ریح مرگ برزخ)

(۹۰)

ہم سے کھل جاؤ بوقتِ مے پرستی ایک دن
 ورنہ ہم چھٹیں گے رکھ کر غدرِ مستی ایک دن
 یعنی خود بے تکلف ہو جاؤ ورنہ ہم مستی کا بیان کر کے چھٹیں گے۔ (اختلاط طبعی)

نقرۂ اوجِ نباتے عالمِ امکاں نہ ہو
 اس بلندی کے نصیبوں میں ہے پستی ایک دن

یعنی اس دنیا کے عروج پر مغرور نہ ہو کیونکہ اس عروج کو زوال لازم ہے ہر ممکن فانی
 ہے۔ (تعلیم ترک اعتمادِ دنیا)

قرض کی پیتے تھے مے لیکن سمجھتے تھے کہ ہاں
 رنگ لاتے گی ہماری قاعدہ مستی ایک دن

قرض: یعنی سازگارشی حالات۔ قاعدہ مستی: کنایہ ہے مغلسی سے۔ یعنی
 یہ جانتے ہوئے بھی کہ مغلسی میں مے نوشی کا انجام برا ہے۔ میں نے ترک مے نوشی نہ کی۔

(مذاقِ دھامیے خودی عشق)

نغمہ لائے غم کو بھی اے دل غنیت جانے
 بے صدا ہو جائے گا یہ سازِ ہستی ایک دن

یعنی نوائے غم ہر جہد کہ تلخ ہے پھر بھی بے نوائی سے بہتر ہے۔ (اقتحامِ حیات)

دھول دھپا اس سراپا ناز کا شیوہ نہیں
ہم ہی کر بیٹھے تھے غالب پیش دستی ایک دن

یعنی یہ خود غنا نہیں جو ازیتوں کو بھونڈی باتیں سکھاتے ہیں۔ (دوسری پار میں مرتب)

(۹۱)

ہم پر جفا سے ترکِ وفا کا گماں نہیں
اک چھپر ہے وگرنہ مرا امتحان نہیں

یعنی محبوب کی جفا میں صرف چھپر کے لیے ہیں۔ امتحان وفا کے طور پر نہیں ہیں کیونکہ
اے یقین ہے کہ ہم ترکِ وفا کر ہی نہیں سکتے۔ پس امتحان کیوں ہوا۔ (فریبِ خودِ عشق)

کس منہ سے شکر کیجئے اس لطفِ خاص کا
پرکشش ہے اور پاشے سخن و دریاں نہیں

یعنی محبوب کی ادائے لطف و مہربانی خاص پر کشش حال ہے گودہ منہ سے کچھ نہ کہے بوجہ
قرآنِ جمالِ رخ آں دوست کا حق پنہاں کرے وار و پید اگلہ وارد (الشارح)

(نارش التفاتِ پنہانِ محبوب)

ہم کو بستمِ عزیزِ ستمگر کو ہم عزیز
نا مہرباں نہیں ہے اگر مہرباں نہیں

یعنی محبوب کا مہربان نہ ہونا ہی مہربانی ہے کیونکہ میں ستم کا طلب گار ہوں اور وہ
ستم پسند ہے۔ (دوقد ستم کشی)

لو سہ نہیں نہ دیکھیے، دشنام ہی سہی
آخر نہ باں تو رکھتے ہو تم گردِ دباں نہیں

نفس وہیں، کنایہ ہے تنگی دہن سے جو درجاتِ حسن میں سے ہے۔ یعنی
 اسے محبوب تیرے دہن تو ہے نہیں کہ بوسہ لے لیکن زبان تو بے گالی ہی دے دے۔
 گویا قطعِ تعلق بالیکہ کسی صدمت بھی گوارا نہیں۔ (لذتِ دشنامِ مجرب)

ہر چند جانگدازِ شوقیہ ہر شبِ غما ہے
 ہر چند پشتِ گرمی تاب و توان نہیں
 جاں مطرب ترانہ محلِ من مزید ہے
 لب پر وہ سنج نہ مزملہ الاماں نہیں

پشت گرمی: بمعنی طاقت، سہارا۔ پردہ سنج، بمعنی فہرہ۔ دلِ من مزیدہ
 بمعنی طلبِ مزید۔ (یہ اشعار قطعِ بند ہیں) یعنی اگرچہ محبوب کے قہر و عقاب سے میری جان کھل
 گئی اور اگرچہ مجھے تحمل کی طاقت نہیں پھر بھی منہ سے کہیں الامان کا لفظ نہیں نکلا بلکہ یہی چاہتا
 ہوں کہ اور زیادہ سختیاں جمیلوں۔ (ذوقِ ایذا طلبی)

خنجر سے چیر سینہ، اگر دل نہ ہو ورنہ
 دل میں چھری چھو، خڑگہ گر خنجر کاں نہیں
 ہے ننگِ سینہ دل اگر آتش کدہ نہ ہو
 ہے عابدِ دل نفس اگر آذرِ فناں نہیں

(یہ اشعار بھی قطعِ بند ہیں) یعنی دل شکتہ عشق نہ ہوا اور پلکیں خونِ فناں غم نہ ہوں
 قودہ قابلِ تلف ہیں۔ اسی طرح دل اور نفس اگر آتشِ محبت سے خالی ہوں تو وہ بھی باقی نہیں
 ہیں۔ (تخمین عشق و دیگر سوزنی عشق)

نقصان نہیں جنوں میں بلا سے ہو گھر خراب،
 دو گز نہ میں کے بدلے بیاں گراں نہیں

دو گز زمین ۱ مراد تھوڑی سی زمین۔ یعنی عشق کے دیوانوں کو گھر دے کر صحر
 اختیار کرنے میں گھٹا نہیں کہ دو گز زمین کے بدلے اتنا وسیع علاقہ مل جاتا ہے۔ (ذوق جنوں)
 کہتے ہو کیا لکھا ہے تری سرزشت میں
 گویا جہیں پہ سجدہ بت کا نشان نہیں
 یعنی میری سرزشت کا حال میری پیشانی سے ظاہر ہے کہ اس پر سجدہ بت کا نشان ہے
 گویا میری قسمت میں بت پرستی لکھی ہے۔ (مناسبت ازل با عشق)
 پاتا ہوں داد اس سے کچھ اپنے کلام کی
 روح القدس اگرچہ میرا ہم زبان نہیں
 یعنی مدح القدس (جبریل) میری زبان نہ جانتے ہوئے بھی میرے کلام کا مدح
 ہے یا یہ کہ وہ مجھ سا زبان آور (شاعر) نہیں ہے۔ (تمثیل شاعرانہ)
 جاں ہے بہائے لور سے لے کیوں کہے ابھی
 غالب کو جانتا ہے کہ وہ نیم جاں نہیں
 یعنی بوشہ مشوق کی قیمت جان ہے لیکن وہ یہ بات اس وقت کہے گا جب دیکھے گا
 کہ میں نیم جان ہوں۔ تاکہ میں پوری قیمت (سالم جان) نہ دے سکوں اور محسوس نہ
 پاؤں۔ (بے رحمی مشوق)

(۹۲)

۱۰۔ الف دشت لور دی کوئی تدبیر نہیں
 ایک چکر ہے سرے پاؤں میں زنجیر نہیں
 پاؤں میں چکر ہونا، یعنی ہمیشہ کا سفر مقدس ہونا۔ یعنی میں پابند سلاسل ہو کر

بھی دشتِ توردی سے باز نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ تو میرے مقدمے میں آ چکی ہے۔ (محرورہ دنیٰ نظر)

شوقِ اس دشت میں دھڑلے سے مجھ کو کہہ جانا

جادو غیر از نگہِ دیدہ تصویر نہیں

نگاہِ دیدہ تصویر: کنایہ از مدام۔ یعنی شوق مجھے ایسے محرومی میں لے جاتا ہے

جہاں راستہ کا نام و نشان نہیں یا جہاں کوئی نہیں پہنچا۔ (بے پایاں شوق)

حسرتِ لذتِ آزار رہی جاتی ہے

جادوِ راہِ وفا مجبوزمِ شمشیر نہیں

یعنی راہِ وفا میں جان کا جانا ضروری ہے لیکن جان گئے پیچھے لذتِ آزار

کہاں۔ (حسرتِ لذتِ آزار)

سبچہ نو مبدی جادوِ یاد گوار رہو

خوش ہوں گر نالہ زبونی کشِ تاثیر نہیں

یعنی بیاتِ خوشی کی بے کمیرے نالے شرمندہ اثر نہیں ہیں کہ مراد برائی خدا کرے

کہ دائمی مایوسی ہی مجھے رغوب رہے۔ (لذتِ سبچہ ناکامی)

سر کھجاتا ہے جہاں زخمِ سل چھا ہو جائے

لذتِ سنگِ بانداۓ تقریر نہیں

سر کھجانا: محاورہ ہے معنی مستحقِ تعزیر ہو جانا۔ یعنی زخمِ اچھا ہونے پر سر

کھپاتے لگتا ہے امد پھر خواہشِ زخم پیدا ہوتی ہے۔ زخم کھانے میں ایسا زہر ہے کہ

بیان سے باہر ہے۔ (ذوقِ جراحت)

جب کرمِ رخصتِ بیا کی دگر تاختی دے

کوئی تقصیرِ بجز خجلتِ تقصیر نہیں

یعنی مجرب اگر از ماہ کرم گستاخی و میا کی کا موقع دے تو خطا کرنے سے شرنا بہت
 ہی بڑی غلطی ہوگی۔ کیونکہ تصور نہ کرنا کرم سے محروم ہونا ہے۔ (تلقین اعتقاد فرحت)
 غالب اپنا یہ عقیدہ ہے بقولِ ناسخ
 آپ بے بہرہ ہے جو متقدّم میر نہیں
 یعنی میر کے پائے سخن کو نہ تسلیم کرنا خود بے بہرہ و سخن ہونے کی دلیل ہے۔ (اقتراب
 کمالی سخنور میسر)

(۹۲)

مسترد مکب دیدہ میں سمجھو یہ نگاہیں
 ہیں جمع سویدائے دل چشم میں آہیں
 سویدائے دل چشم: یعنی آنکھ کی پتلی کی سیاہی۔ یعنی مرد مکب چشم میں نگاہیں نہیں
 ہیں بلکہ آہیں ہیں جو سویدائے دل چشم میں جمع ہیں (تشبیہ نگاہ دیدہ یا آہ سویدائے دل۔
 تشبیہ مرکب خیالی) مطلب یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو برائے نام بھی مردم ہے غم سے خالی
 نہیں ہے۔ (درد و شدی دلہا)

(۹۳)

برشکال گرئے عاشق ہے دیکھا چاہیے
 کھل گئی ماتند گل سو جا سنے دیوار چمن

یعنی عاشق کی کثرت اشکباری نے برسات کی شکل اختیار کر لی اور یہاں تک
 بارش کی زیادتی ہوئی کہ چمن کی دیوار جا بجا سے پھول کی طرح کھیل کھیل ہو گئی ہے۔
 (مبالغہ جو شکر یہ وہ فصل بار)

انفت گل سے غلط ہے دعوتے وارستگی
 سرو ہے باد صفت آزادی گرفتار چمن
 گل : استعارہ از معشوق۔ یعنی محبت ہوتے پیچھے چھٹکارا ممکن نہیں چنانچہ
 سرو کی صفت آزاد مشہور ہے پھر بھی جس (یا گلستان) کے پھندے سے باہر نہیں نکل سکتا
 کہ گرفتار انفت گل ہے۔ (بے درمائی درد عشق یا عالمگیر نئی حسن)

(۹۵)

عشق تشریب سے نوید نہیں
 جاں سپاری شجر بید نہیں
 یعنی جاں نثاری یا عشق کا ثمرہ ضرور ملتا ہے۔ یہ عمل شجر بید کی طرح بے ثمر نہیں ہے۔
 (ترغیب جاں نثاری)

سلطنت دست بدست آئی ہے
 جام مے خاتم جمشید نہیں
 یعنی جام شراب ایک سلطنت ہے جو ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں پہنچتی رہتی
 ہے۔ یہ نہیں کہ جمشید کی انگوٹھی کی طرح ایک ہی ہاتھ میں رہے۔ (فیض بام عاشقی)
 ہے تجبلی تری سامان وجود
 ذرہ بے پر تو خود کشید نہیں
 یعنی جس طرح ذرہ میں سورج کی روشنی عکس پذیر ہوتی ہے کہ اس کے بغیر ذرہ کا وجود
 ہیچ ہے اسی طرح ہر موجود میں جلوہ حق محض ہے کہ اس کے بغیر کوئی شے وجود پذیر
 نہیں ہو سکتی۔ (فلسفہ مجدد آزاد ست)

رازِ معشوق نہ رسوا ہو جائے
ورنہ مر جانے میں کچھ بھید نہیں

بھید نہیں: یعنی رکاوٹ نہیں۔ یعنی یہ صرف افشائے راز کا اندیشہ ہے جو
عاشق کو جان دینے سے باز رکھتا ہے۔ (پاسداری صرشت)

گردشِ رنگِ طرب سے ڈر ہے
غمِ محرومی جاوید نہیں

یعنی اس بات کا ڈر نہیں کہ جدائی کے بعد ہمیشہ کے لیے محروم ہو جاؤں گا بلکہ یہ
اندیشہ ہے کہ وہ عیش جو میرے وہ ہم سے منتقل ہو کر رقیبوں کا حصہ نہ ہو جائے۔
(اندیشہ زوالِ عیش و رشک رقیب)

کہتے ہیں جیتے ہیں امید پہ لوگ
ہم کو جینے کی بھی امید نہیں

یعنی انسان جب تک زندہ ہے کوئی نہ کوئی امید رکھتا ہے لیکن ہمیں جینے کی ہی
امید نہیں تو امید کسی؟ اشارہ یہ ہے کہ اس تو وہ لگائے جسے جینے کی امید ہو۔ (بیان
انتہائے یلوسی)

(۹۶)

جہاں تیرا نقش قدم دیکھتے ہیں
خیاباں خیاباں ارم دیکھتے ہیں

خیاباں خیاباں کلز کثرت یعنی جہاں مجرب قدم رنجہ فرمائے وہاں بہت ہی بہت
ہے۔ (نشاط قدم مجرب)

دل آشفگان خصال کنج دہن کے
سوئدا میں سیر عدم دیکھتے ہیں

دیکھتے ہیں: محاورہ ہے معنی تصور کرتے یا یقین کرتے ہیں۔ چونکہ دہن معدوم ہے
اور کنج دہن بدرجہ اولیٰ معدوم و مہوہوم ہے۔ اس لیے وہ لوگ جو کنج دہن کے قی پر شیدائی نہیں
یقین ہے کہ اس سے دل گناہ عدم کی سیر کرنا یا موت سے دوچار ہونا ہے۔ (جنانکا ہی گفت محبوب)

ترے سرو قیامت سے اکب تقد آدم
قیامت کے فتنے کو کم دیکھتے ہیں

یعنی قیامت کا فتنہ شراغیزی میں ترے تقد کے مقابلہ میں کم ہے بقدر یک تقد آدم کم
ہونے میں یہ اشارہ ہے کہ گویا یہ فتنہ عشر ہی کا ایک جدا شدہ حصہ ہے (شراغیزی قیامت بخوشی)

تماشا کر اے محو آئینہ داری
تجھے کس تماشا سے ہم دیکھتے ہیں

یعنی اے محبوب کو آئینہ دیکھ کر تو اپنے ہی حسن و جمال پر محو ہے۔ ذرا یہ بھی خیال کر کہ جب
تیرا یہ حال ہے تو باری تعالیٰ اور محبت جہاں کا کیا حال ہو گا۔ (داخل رکنا شوق)

سراغ لقب نالہ سے داغ دل سے
کہ شب رو کا نقش قدم دیکھتے ہیں

یعنی داغماں شے کو دیکھ کر سوزش نالہ سے شب کا پتہ چل سکتا ہے جس طرح شب رو
(یا نذر) کا سراغ اس کے نقش قدم سے مل جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میرا دل سوز نالہ سے
داغ داغ ہے۔ (ذم نہیں)

بنا کر فقیروں کا ہم ہمیں غالب
تماشا سے اہل کرم دیکھتے ہیں

یعنی گوہم مستغنی ہیں لیکن فقیر بن کر اہل کرم کا تاشادیکھا جاسکتا ہے یا ان کا استمان لیا جاسکتا ہے کہ آیا وہ جو کریم مشہور ہیں کس کس طرح اہل احتیاج سے چھپا چھڑانے کی کوشش کرتے ہیں یا یہ کہ ہم جیسے اہل احتیاج کی حاجت برآری سے کہاں تک عہدہ برآہو سکتے ہیں۔
دریا کاری و بے پروائی ارباب کرم

(۹۶)

ملتی ہے خوشی یار سے نارالتہاب میں
کافر ہوں گرنہ ملتی ہو راحت عذاب میں

کافر ہوں بطور قسم یا تاکید کلام کے لیے بولا جاتا ہے۔ یعنی مجھے عذاب میں آرام کیوں نہ آنے۔ عذاب کی آگ تو محبوب کی عادت سے ملتی ہے کہ دوزخ میں بھڑک اٹھنے کی خاصیت ہے۔ و ذوق ستم کشی

کب سے ہوں کیا بتاؤں جہاں خراب میں
شب بٹائے ہجر کو بھی رکھوں گرجساب میں

یعنی اگر دوران حیات میں جدائی کی بے پایاں طویل راتوں کو شامل کر لیا جائے تو عمر قیام دنیا کی درازی ناقابل بیان ہو جائے گی۔ بقول:

زہے عمر دراز عاشقاں گر شب ہجر از حساب عمر گزند

(طویل شب ہجر)

تا پھر نہ انتظار میں نسیں آئے عمر بھر
آنے کا عہد کر گئے آئے جو خواب میں

یعنی محبوب خواب میں آیا اور آنے کا وعدہ کر گیا۔ اب یہ ہو گا کہ انتظار میں کبھی نیند

نہ آئے گی۔ کیونکہ خواب کا وعدہ بیداری کے وعدہ سے زیادہ ناقابل اعتبار ہے۔ توقع ہو جو ہم،

قاصد کے آتے آتے خط ایک اور لکھ رکھوں

میں جانتا ہوں جو وہ لکھیں گے جواب میں

یعنی محبوب جیسا کچھ جواب میرے خط کا دے گا وہ تو معلوم ہی ہے کہ کوئی جواب نہ

آئے گا۔ یا پھر انکار ہی ہو گا۔ لہذا جواب کا انتظار نہ تو فصول سے علاوہ ایک اور خط

قاصد کے آتے آتے نگہ رکھوں۔ (حسرت جواب نامہ و شکوہ ہے اتفاق)

مجھ تک کب ان کی بزم میں آتا تھا دورِ بزم

ساقی نے کچھ بلا نہ دیا ہو شراب میں

نام معمول کے خلاف آج جو مجھے بھی بزمِ شراب دیا جا رہا ہے اس سے ٹور ہے کہ

پیالے میں کہیں کچھ (زہر وغیرہ) نہ ملا دیا گیا ہو کیونکہ اس سے کہم کی تڑپ نہیں۔ یہ بھی کہیں

عقاب بشکل التفاسد نہ ہو۔ (اندیشہ تادمادی یا بدگانی)

جو منکر و نافرمان ہو فریب اس پر کیا چلے؟

کیوں بدگماں ہوں دوست کے دشمن کے باب میں

یعنی رقیب کتنا ہی فریب دے محبوب اس کا ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ وہ تو فنا کا دشمن

ہے۔ کسی کا دوست جتنا ہی نہیں ایسی حالت میں بدگماں ہونے کا کیا موقع ہے (وقار شرمی بخیر)

میں مضطرب ہوں وصل میں خوفِ رقیب کے

قالا ہے تم کو وہم نے کس پیچ و تاب میں

یعنی اسے محبوب مجھے تو وصل میں اطمینان کی بجائے یہ جیسے اطمینانی ہے کہ مبارک رقیب

میرے عیش وصال میں خلل انداز ہو تم کو میری اس بے اطمینانی سے کیا وہم ہوا کہ پیچ و تاب میں

ہو تمہیں کسی درخشاں فہمی میں نہ پڑنا چاہیے۔ میں صرف تمہارا ہوں۔ (ترتیب دنا)

میں اور خط و وصل خدا ساز بات ہے

جان نذر دینی بھول گیا اضطراب میں

یعنی محبوب کا وصال میسر ہونا تو ایک ایسی خدا کی مہربانی تھی کہ اس پر جان قربان کر دینی

چاہیے تھی۔ لیکن وہ فوراً صدمہ میں یہ فریضہ رہ گیا۔ (صدمہ جان نثار رہا)

ہے تیو دی چڑھتی ہوئی اندر نقاب کے

ہے اک شکن پڑی ہوئی طرف نقاب میں

یعنی گوشہ نقاب میں جو شکن ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مشرق کے ماتھے پر بل ہیں

(دشمن است و نہ از بدگمانی)

لاکھوں لگاؤ ایک خیر انالگاہ کا

لاکھوں بناؤ ایک بگڑنا اعتبار میں

نگاہ پراتنا: نظر بچا لینا۔ دیکھ کر بے خبر بن جانا۔ یعنی محبوب کا دیکھ کر نگاہ بچا لینا

چھپنا اور خفا ہو کر گھڑتا لگاؤ اور بناؤ سنگھار سے کہیں زیادہ دلغریب معلوم ہوتا ہے۔

(دل تو جی کچھ ادائی گئے مجھ سے)

وہ نالہ دل میں خس کے برابر جگہ نہ پاسے

جس نالہ سے تنگاف پڑے آفتاب میں

یعنی مقام حیرت ہے کہ میرا نالہ جس کا اثر آسمان تک پہنچتا ہے محبوب کے دل میں سُلطوت

اثر نہیں کرتا (سنگ دلی مشرق)

وہ بھر عدا طلبی میں نہ کام آئے

جس بھر سے منہ نہ رواں ہو سراپ میں

یعنی ایسا کوئی جادو جو جو ریت میں کشتی چلاوے تب بھی اس جادو سے مراد دل
عاشق کا برآنا ممکن نہیں۔ (بے اثری تدبیر)
غالب چھٹی شراب پر اب بھی کبھی کبھی
پیتا ہوں روز اور شب مہتاب میں
یعنی ہر چند کہ خیال سے نوشی چھوڑ دیا ہے پھر بھی ابر کے دن یا چاندنی راتوں میں
کبھی کبھی پی لیتا ہوں۔ (ذوق سے نوشی)

(۹۸)

کل کے لیے کراںج نہ خست شراب میں
یہ سوئے ظن ہے ساقی کوثر کے باب میں

یعنی شراب سے اس لیے محروم رکھنا کہ کل نہات کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ ساقی کوثر
اصل، تہذیب و علم کے حق میں سوئے ظن ہے گویا یقین ہے کہ آنحضرت سب کی خطا میں
بخشنا میں گئے۔ (یکہ بر شفاعت و رحمت)

وہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند
گستاخی فرشتہ ہماری جناب میں

تیسرے برقعہ آدم و ابلیس کہ فرشتوں کو ازل میں حکم ہوا تھا کہ آدم کی تعظیم سجالائیں۔ یعنی
بر لحاظ مبداء انسان فرشتوں سے برتر ہے لیکن بر لحاظ اعمال مذلت میں پڑا ہوا ہے۔
(شرف قدرت و شک معیت)

کیوں جان نکلنے لگتی ہے تن سے دم سماع
گر وہ صدا سمانی ہے چنگ رباب میں

وہ صدا: کنا یہ از حدائے محبوب۔ یعنی ساز سے محبوب کی صدائے جان بخشی نکلتی ہے پھر کیا وجہ ہے کہ سماع کے وقت بدن سے جان سی نکلتی معلوم ہوتی ہے۔ استقام استعجابیہ اشارہ ہے جانسوزی اثر نغمہ کی طرف۔ (سوز و ساز نغمہ)
 رُو میں سے رخشِ عمر کہاں دیکھے تھے
 نئے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں
 یعنی عمر ایک ایسا مرکب ہے جس پر سوار کا کوئی بس نہیں۔ ٹھہر جائے تو پھر چلائے نہ بنے۔ (ناگزیرٹی اجل)

اتنا ہی مجھ کو اپنی حقیقت سے بُعد ہے
 جتنا کہ وہمِ غیر سے ہوں پیچ و تاب میں
 یعنی غیر کے تصور نے جو ایک وہم سے زیادہ نہیں مجھے پیچ و تاب میں ڈال رکھا ہے اور پیچ و تاب تصورِ غیر جس قدر زیادہ ہے اسی قدر میں اپنی حقیقت (وحدت مطلق) سے دور ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ کثرت کا وہم تصورِ وحدت کے سخت مخالف ہے۔ (نظرِ وحدت) یا پھر یہ کہ جس قدر اسوی اللہ کے چکر میں ہوں اسی قدر اپنی حقیقت (یا مبداء حقیقی) سے دور ہوں۔ (عوائق امور دنیا براہِ حق)

اصل شہود و شاہد و شہود ایک ہے
 حیراں ہوں پھر شاہد ہے کس حساب میں؟

یہ شعر، شعرِ بلا کی مزید تشریح ہے۔ واضح ہو کہ شاہد کے معنی ہیں ایک دوسرے کے روبرو ہونا۔ یہ مفہوم تعدد و اشیا کو مستلزم ہے۔ اب استعجاب اسی پر ہے کہ ہر شے کی حقیقت خواہ وہ شہود ہو یا شاہد یا شہود یعنی تاثر، موثر یا متاثر جب کہ ایک ہے تو پھر

شباب کو کہتے ہیں۔ شاہدہ کا تصور ہی وجہ حیرت و اضطراب و بیچ و تاب ہے۔ جس کو پہلے شعر میں وہیم غیہ سے تعبیر کیا ہے۔ (مسئلہ وحدت الوجود)

بے مشتمل نمودِ صورتِ پر و وجودِ کج

یاں کیا دھرا ہے قطرہ و موج و حباب میں

یعنی قطرہ و موج و حباب و دراصل کچھ بھی نہیں۔ سب سمنہ ہی کی مختلف صورتیں

جلوہ گر ہیں۔ (تثبیت مسئلہ وحدت الوجود)

شرم اک ادا سنے ناز ہے اپنے ہی سے ہی

ہیں کتنے بے حجاب کہ ہیں یوں حجاب میں

یعنی محبوب کا شرم سار ہوتا خواہ وہ اپنے ہی سے ہو گویا ایک اداس نئے ناز کا دکھ

ہے۔ پس یہ حجاب شرم بھی ایک کھلی بے حجابی ہو گئی کیونکہ حجاب کا منظر ہر بھی تو

بے حجابی ہی ہے۔ بقول :

کہتے ہر ہم کو دیکھ لے کوئی تو جانیں ہم کیا خود نمایاں ہیں تمہاری حجاب میں (شعر)

(و نفرتی اداسے حجاب)

آرائشِ جمال سے غافل نہیں ہنوز

پیشِ نظر ہے آئینہ دائمِ نقاب میں

یعنی محبوب حقیقی کے چہرے پر ایک نقاب ہے کہ وہ کسی کو نظر نہیں آتا لیکن آئینہ مظاہر

میں (کہ اسی کا نام حجاب ہے) اس کا جلوہ منعکس ہے۔ گویا وہ نقاب میں خود اپنی صورت

کو دیکھتا ہے اور مجرا آرائش ہے جس سے ہر لمحہ اس کا حق ایک نئی شان سے جلوہ افروز

ہوتا ہے۔ تعبیر: کئی روزہ حقیقی شان۔ (جلوہ فراہم ذات حق)

ہے غیبِ غیب جس کو سمجھتے ہیں ہم شہود

ہیں خواب میں ہنوز جو جاگے ہیں خواب میں

شہود: یعنی ظہور۔ یعنی جسے ہم ظہور کہتے ہیں وہ دراصل ظہور نہیں بلکہ اور بھی غیب ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص خواب میں دیکھے کہ وہ تندرست ہے بیدار ہو کر دیکھے۔ ظاہر ہے کہ خواب میں یا گئے والا جو کچھ مشاہدہ کرتا ہے وہ حقیقت کا دیکھنا نہیں۔ بلکہ اور بھی گہری نیند کی بات ہے جس کو غیبِ غیب کہنا چاہیے۔ مطلب یہ ہے کہ انسان کے مشاہدات صرف لاشیٰ ہی نہیں۔ بلکہ جس قدر وہ سمجھے کہ دیکھا اسی قدر جانو کہ نہیں دیکھا کیونکہ غلط دیکھنا نہ دیکھنے سے بھی بدتر ہے۔ بقول:

زمن گیراں کہ مردے کو چشمے زینا مٹے غلط بینے نکوتر (اقبال)

(ظہور و بطون ذاتِ حق)

غائب ندیم دوست سے آتی ہے بوئے دوست

مشغولِ حق ہوں بندگی بو تراب میں

بو تراب: کیفیتِ حضرت علیؑ کہ مہاشد و جہ۔ یعنی گو بظاہر غلامی و فرمانبرداری حضرت کی ہے۔ لیکن مقصود طاعتِ حق ہے۔ کیونکہ حضرت معربِ حق ہیں اور ان کے وجود باجود سے خوشبو مٹے حق آتی ہے۔ (دخترِ غلامی حضرت علیؑ کہ مہاشد و جہ)

(۹۹)

حیراں ہوں دل کو ردوں کہ پیٹوں جگر کو میں

مقدور ہو تو رسا تھو رکھوں نوحہ گر کو میں

دل کا رد نامرغوب سے دوری ہے احد جگر کا رد نامرغوب کی موجودگی۔ شاعر ان دونوں

میں مبتلا ہے۔ یعنی اسباب گریہ اس قدر فراہم ہیں کہ ایسا نوحہ وہ کرتے سے قاصر ہوں۔

ممکن ہوتا تو نوحہ کر کے اس خدمت کے لیے ساتھ رکھتا۔ وذا وانی غم:

چھوڑا نہ رشک نے کہ ترے گھر کا نام لوں

ہر اک سے پوچھتا ہوں کہ جاؤں کہ گھر کو ہیں۔

یعنی غیروں سے محبوب کا گھر پوچھنا باعث رشک تھا کہ گویا غیر جانتے ہیں اور

میں نہیں جانتا۔ اس لیے نام نہیں لیتا صرف یہ پوچھتا ہوں کہ گھر کو جاؤں۔ بقول:

نامت نہ رشک پیش کسے چوں نے برم آیا سراغ از کہ کنم منزل ترا

(حضرت آستانہ محبوب وغیرت بے خبری) (غیاثی، شہزادہ)

جانا پڑا رقیب کے در پر ہزار بار

اسے کاش جانتا نہ تیری رنگد کو میں

یعنی اے محبوب! افسوس ہے کہ تیرے لیے رقیب کے در پر جانا پڑا۔ کیونکہ اس کا

گھر ہی تیری گزرگاہ ہے۔ کاش مجھے معلوم ہی نہ ہوتا کہ تو کدھر کو جاتا ہے۔ (رشک و طنز)

بے کیا جو کس کے پاندھیے میری بلا ڈسے

کیا جانتا نہیں ہوں تمھاری کسر کو میں

یعنی مجھے یہ ڈرتیں ہے کہ تم جفا کے لیے کمر کس لو گے۔ کیونکہ کمر ہی نہیں ہے تو کوئی

کسے گا کیا؟ (بیان نازک کر)

لودہ بھی کہہ رہے ہیں کہ بے شک و نام ہے

یہ جانتا اگر تو لٹا تا نہ گھر کو میں

یعنی کیسا غضب ہے کہ جس کے لیے رسوا اور بدنام ہوا وہی بریادی و رسوائی کا

طعن دے۔ (پستیانی عہد وفا) یا (بے جہشی محبوب)

چلتا ہوں تھوڑی دیر ہر اک تیز رو کے ساتھ
پہچاتا نہیں ہوں ابھی راہبہ کو میں

یعنی اکثر یہ ہوتا ہے کہ ذرا جوش و خروش کا مظاہرہ کسی نے کیا اور ہم اس کے پیچھے
ہو بیٹھے۔ حالانکہ یہ پہچان چاہیے تھی کہ تیز چلتا اور بات ہے اور رہبر فنا اور بات۔
(خواہشِ تقلید بے تحقیق)

خواہش کو احمقوں نے پرستش دیا تو
کیا پوچھتا ہوں اس بت بیدا و گہ کو میں

یعنی معشوق کی طلب گاری کو پرستاری قرار دینا غلطی ہے۔ کہیں میں ایسے ظالم کو پرچ
سکتا ہوں۔ طرزِ کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاعر کی طلب گاری پرستاری کے درجہ پر پہنچ
گئی ہے لیکن پرستاری معشوق سے انکار اس کی بدسلوکی کی غیرت کے باعث ہے۔ گویا
بیدا و گہ نہ ہوتا تو پرستار کہلاتے میں بھی تامل نہ ہوتا۔ (ستم گری معشوق و احساس غیرت)

پھر بے خودی میں بھول گیا راہ کو کھٹے بار
جاتا و گہ نہ ایک دن اپنی خبر کو میں

یعنی اتنا تو جانتا ہوں کہ میں خود کو کھٹے بار میں بھول آیا ہوں لیکن بے خود اس
قدر تھا کہ اب اس کے گھر کا راستہ یا دہنیں در نہ اپنی خبر اس کو چہ میں جا کر لاتا مطلب یہ
ہے کہ محبوب کے کوچہ میں جا کر اس قدر بے خودی ہوتی ہے کہ اپنی کچھ خبر نہیں رہتی۔ (ریان
محویت جمال محبوب)

اپنے پہ کر رہا ہوں قیاس اہل دہر کا
سمجھا ہوں دلپندیر متارع ہنس کو میں

یعنی تمام ہنر (ہنرمندی) کو عزیز سمجھنا عدوت بقیا میں خود ہے۔ میں بیان سے
یہ ہمیشہ متہ شیخ ہوتا ہے کہ فی الواقع ہنر کی عا سبب قدری ہے۔ (تسکونہ تا قدری ہنر)

غالب خدا کرے کہ سواہر سمنہ نامہ
دیکھوں علی بہادر عالی گس کو میں

علی باور: دل باندہ نواب ذوالفقار علی ہ فرزند۔ متوفی سنہ ۱۲۸۰ غائب یہ شعر
علی بیار کے ایام نظم بندی ہے۔ یعنی خدا کرے ایک دن وہ آئے کہ علی بہادر شہنشاہ
کے ساتھ گھوڑے پر سوار ہوں۔ (دعا ہے اس پر جاتی و اقبال ہندی مسدود)

(۱۰۰)

ذکر میں را بہ بدی بھی اسے منظور نہیں
غیر کی بات بگڑ جائے تو کچھ دور نہیں

یعنی رقیب میری برائیاں محبوب کے سامنے کرتا ہے لیکن وہ میرا ذکر ہی سننا نہیں
چاہتا خواہ بدی سے ہو اس لیے کچھ بعید نہیں کہ رقیب کے تعلقات اس سے خراب نہ ہو
جائیں۔ (تنگ مزاجی دہلے مہرشی محبوب)

وعدہ سیر گلستاں ہے زہے طالع شوق
مژدہ قتل مقدر ہے جو مذکور نہیں

یعنی محبوب نے جو سیر گل کا وعدہ کیا ہے میں اسے خوش قسمتی سمجھتا ہوں کلاں وعدہ
میں میرے قتل کی خوشخبری پوشیدہ ہے اس لیے کہ پھولوں کے دیکھنے کا شوق دیر پردہ
بمخون آلودہ بسمل کے دیکھنے کا شوق ہے اگرچہ لفظوں میں مذکور نہیں۔ (میر معنی قاتل، بغیر
ہوائے سیر گل آئندہ بے مہرشی قاتل کہ اندازہ بمخون غلطی بدین بسمل پیدا یا

شاہد ہستی مطلق کی کس سے عالم
لوگ کہتے ہیں کہ ہے پر ہمیں منظور نہیں

یعنی جس طرح شاہد ان مجازی کی کمر کو معدوم تصور کیا جاتا ہے اسی طرح میں عالم کو
شاہد حقیقی کی کمر تصور کرتا ہوں کہ یہ بود بھی نابود ہے۔ (ہستی ہے بود عالم)

قطرہ اپنا بھی حقیقت میں ہے وریا لیکن
ہم کو تقلید شک طرفی منظور نہیں

یعنی اگرچہ میں بھی تصور کی طرح ایک قطرہ ہوں اور میری حقیقت بھی وریا ہے لیکن
اس کی طرح ادھیچا بن کر نعرہ انا الحق بلند کرنا پسند نہیں کرتا۔ (تصور وحدت الوجود)

حسرت اے ذوق خرابی کہ وہ طاقت نہ رہی
عشق پڑے عریضہ کی گوں تن رہن جو رہیں

گوں ہوتا: یعنی صلاحیت کا رکھنا۔ یعنی افسوس ہے کہ برباد ہونے کا شوق ہے
لیکن بربادی جھیلنے کی صلاحیت نہیں۔ اب یہ جسم ضعیف معائب عشق کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔
(دشواری تحمل معائب عشق)

میں جو کہتا ہوں کہ ہم لیں گے قیامت میں تمہیں
کس رعوت سے وہ کہتے ہیں کہ ہم تمہیں نہیں

یعنی محبوب کی رعوت دیکھیے کہ وہ خود کو خود سے فائق سمجھتا ہے کہ میں کوئی حور
مختوڑا ہی ہوں کہ تمہارے ہاتھ لگ جاؤں۔ (غزوہ حسن)

ظلم کر ظلم اگر لطف دینا آتا ہے
تو قنائل میں کسی رنگ سے معذور نہیں

تفاعل: بمعنی بے نیازی۔ یا بے پروائی۔ تفاعل کا مظاہرہ خواہ کسی رنگ میں ہو
 ظلم ہے اور لطف و مہر تسلیم ہے عدم تفاعل کو۔ یعنی اگر لطف سے پیش آنے میں دریغ
 ہے تو ظلم ہی کہہ کر تفاعل کے نتیجے سب ڈھٹتے آتے ہیں۔ (شکوہ تفاعل) دوسرے معنی
 یہ ہیں کہ ظلم کر یا لطف تفاعل کیوں کرتا ہے۔ آخر تفاعل یعنی جان بوجھ کر فاعل ہونے کا
 مظاہرہ کیوں ہو؟

صاف دردی کش پیمانہ جہم میں ہم لوگ
 واسطے وہ بارہ کہ افشردہ انگور نہیں

کیا جاتا ہے کہ شراب انگوری جمید کی ایجاد ہے۔ کہتا ہے کہ جو شراب انگور سے
 بنی ہوئی نہیں اس پر افسوس ہے کیونکہ ہم لوگ جو پیمانہ جمید سے پینے والے ہیں ایسی
 شراب کو تو منہ نہیں لگانے کے۔ (فخر صلاحت)

ہوں ظہوری کے مقابل میں خفائی غالب
 میرے دعوے پر یہ محبت ہے کہ مشہور نہیں

یعنی میں مخدومی میں ظہوری کا مد مقابل ہوں۔ چنانچہ میرا نام اس کے مقابلہ میں
 خفائی موزوں ہے اور صحت نام کی دلیل یہ ہے کہ میں مشہور نہیں ہوں۔ (دعوائے ہمدانی ظہوری)

(۱۰۱)

نالہ جز حسن طلب اسے تتم ایجاد نہیں
 ہے تقاضائے جفا شکوہ بیداد نہیں

حسن طلب: بمعنی اس طرح مانگنا کہ مانگا نہ معلوم ہو۔ یعنی میرے نالہ و فریاد
 کی غرض شکایت نہیں بلکہ جفا طلبی ہے کہ تو نالہ و فریاد سے خفا ہو کر اور بھی ظلم کرے۔
 (ذوق جفا طلبی)

عشق و مزدوری عشرت گز خسرو کیا خوب
ہم کو تسلیم نہ کرنا مٹی فساد نہیں

یعنی میرے نزدیک فریاد نیک نام عاشق نہیں تھا۔ بھلا رقیب خسرو کی عشرت گاہ
کو بنانے کے لیے مزدوری کرنا کوئی نیک نامی کی بات ہے (غیرت خدمت رقیب)

کم نہیں وہ بھی خرابی میں یہ وسعت معلوم
دشت میں ہے مجھے وہ عیش کہ گھر یا د نہیں

وسعت معلوم: یعنی وسعت معدوم۔ یعنی گھر بھی ویران ہے اور دشت بھی۔
لیکن گھر میں دشت کی سی وسعت کہاں۔ مجھے تو جو مزہ دشت میں آیا ہے اس نے گھر کو بھی
بھلا دیا۔ (ذوق صحرا زردی)

اہل بنیش کو ہے طوفان حوادث مکتب
لطمہ موج کم از سیلی استاد نہیں

یعنی اہل دانش حوادث عالم سے سبق حاصل کرتا ہے۔ گویا موج کے تھپڑے استاد
کے طلبہ بنے ہیں۔ بقول:

صدر مائے عشق را کہ بوالہوش ارد قبول کے شامد طفل قدر سیلی اسافرا

(درس اعتبار از حوادث) (ظہیر ناری)

ہائے محرومی تسلیم و بدا حال وفا
جاننا ہے کہ ہمیں طاقت فریا د نہیں

یعنی افسوس ہے کہ شیوہ تسلیم میں ناکامی اور اختیار وفا میں خرابی ہے چنانچہ میں جو
عہد وفا پر قائم اور معتضد تسلیم کچھ شکوہ شکایت یا نالہ و فریاد نہیں کرتا۔ اس خاموشی

کو محبوب میرے مشفق حال پر محمول کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ مجھ میں بولنے کی طاقت نہیں ہے۔
اسے یہ احساس نہیں ہے کہ میں نے یہ پاس تسلیم و فنا خاموشی اختیار کی ہے۔ مہوشا اہل تسلیم و فنا

رنگِ تمکینِ گل و لالہ پریشاں کیوں ہے

گر چراغانِ سحر نہ بگزیہ یاد نہیں

تمکین : بمعنی شان و وقار۔ یعنی گل و لالہ کی بھی وہی حیثیت ہے جو ہوا کے

سامنے چراغ کی ہے کہ ہر لحظہ معرضِ خطر و ہلاکت میں ہے۔ اگر ایسا نہیں تو اس کی شان

و وقار و تمکین کیوں ختم ہوتی جا رہی ہے اور افسردگی کیوں طاری ہوتی جاتی ہے۔ بقول

یہاں سرخوش صد آب و رنگ کیا جانے کہ قیاسِ گل و لالہ ہے خزاں کے لیے

(خفا آمدگی محسن) (نشارح)

سبدِ گل کے تلے بند کرے ہے گلچیں

مترودہ اے مرغ کہ گلزار میں عتیاد نہیں

یعنی باغ میں عیاد نہیں البتہ گل چیں ہے سو مقامِ مسرت ہے کہ وہ بلبل کو پھول کی

ٹوکری کے نیچے بند کرتا ہے۔ عیاد ہوتا تو تجربے میں بند کر کے جانے کہاں لے جاتا۔ مطلب

یہ ہے کہ محبوب سے لگاؤ باقی رہے تو سب کچھ گوارا ہے۔ (گوارائی معاصیب بشر و قربِ محراب)

نقی سے کرتی ہے اثبات تراوش گویا

دی ہے جاسے دہن اس کو دم ایجا و نہیں

یعنی دہن محبوب اس قدر رنگ ہے کہ اگر وہ نہیں (کلہ نقی) نہ کہے تو دہن کا اثبات

ہی نہ ہو۔ گویا قدرت نے دہن کی بجائے اسے نہیں کا لفظ دیا ہے جس سے اس کے دہن کا

کچھ ثبوت ملتا ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی کہ اس کے منہ سے کبھی ہاں نہیں نکلتی۔ رنگی زبان و

نخوتِ محبوب

کم نہیں جلوہ گری میں تیرے کو چہرے بہشت
یہی نقشہ ہے مے اس قدر آباد نہیں

یعنی کوثر محبوب اور بہشت و دوزخ، ایک ہی جیسے ہیں لیکن بہشت آنا آباد نہیں جتنا کوثر
محبوب، ظاہر ہے کہ بہشت کے خواہشمند ملک کی تعداد بہت کم ہے۔ بغیر اسے :
جنت بھی ہے کوشے یاد بھی ہے ہر چیز میں دلکشی نہیں ہے (مشارح)
(نشا کوثر محبوب)

کرتے کس منہ سے ہو غربت کی شکایت غالب
تم کو بے مہرشی یا ران وطن یاد نہیں
یعنی غریب الوطنی کا معنا تو وہ روئے جس نے اہل وطن سے مہر و کرم شادہ کیا جو مطلب
یہ ہے کہ غالب کے ساتھ اہل وطن نے بھی وہی سلوک کیا جو اجنبیوں نے کیا۔ (مشکوٰۃ
بے مہرشی اہل وطن)

(۱۰۲)

دونوں جہان مے کے مے سمجھے کہ خوش رہا
یاں آپڑی یہ شرم کہ تکرار کیس کر میں

یعنی شرف انسانیت متقاضی ہے کہ وہ دونوں جہان پر قانع نہ ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ
کا طالب ہے۔ اشارہ ہے خود مالک دو جہاں کے طلب کرنے کی طرف۔ لیکن انسان نے
باطہارِ شانِ عبودیت جو کچھ ملا اس پر اکتفا کیا۔ وہ مقام شرفِ انسانیت
تھک تھک کے ہر مقام پہ دوچار رہ گئے
تیرا پتہ نہ پائیں تو نہ چار کیس کر میں

یعنی : دوسروں پر چہنے و لوں میں سے کوئی بھی تمام حقیقت تک نہ پہنچ سکے۔ بنوئے
ارشاد ہوتی۔ ماعد خضائے حق معرفت و دشواری حق آگاہی

کی شمع کے نہیں ہیں ہوا خواہ اہل بزم
ہو غم ہی جاگدازہ تو غمخوار کیسا کریں

یعنی : اہل بزم شمع کا یوں گھل کر ختم ہونا تب چاہتے ہیں۔ لیکن اس کا کیا علاج جبکہ
غم ہی جاگدازہ ہے۔ (بے دردانی درد عشق)

(۱۰۲)

ہو گئی ہے غیز کی شیریں بیانی کا رگو
عشق کا اس کو گماں ہم بے زیبا توں پر نہیں

یعنی : محبوب رقیب کی میٹھی میٹھی باتوں میں آکر انھیں اپنا دوست سمجھنے لگا اور ہم جو بے بات
میں کچھ کہتے سنتے نہیں تو وہ سمجھتا ہے کہ ہم کو محبت ہی نہیں ہے۔ حالانکہ عشق وہی ہے جس
کا شمار نہ کیا جلتے۔ (ذریعہ خوردگی محبوب)

(۱۰۳)

قیامت ہے کہ سن لیل کا دشتِ قیس میں آنا
تعجب سے وہ یو لایوں بھی ہوتا ہے نہ مانے میں

سن : معنی سن کر۔ یعنی جب محبوب نے سنا کہ لیل دشتِ قیس میں گئی تو اسے حیرت
ہوئی۔ گویا اس کے خیال میں معشوق کا عاشق کی خبر گیری پاس حیا کے خلاف اور ایک ازکھی سی
بات ہے۔ محبوب کا اس طرح کہنا یہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ اس کے نزدیک بھی عاشق کی خبر گیری
شیوہ معشوق کے خلاف ہے۔ (خمنے بے اتفاقی جہواں)

دلِ نازک پر اس کے رحم آتا ہے مجھے غالب
نہ کر سرگرم اس کا فرکہ الفت آزمائے میں

الفت آزمائے عاشق کو ناقابلِ برداشت تھب میں ڈال یا قتل کرنا ہے۔ پس
کہتا ہے کہ محبوب کو آزمائشِ الفت پر آمادہ نہ کرنا چاہیے کہ مبادا اس کا دلِ نازک عاشق کے
مہلک و تمسبِ استخیر اور خستگی کو دیکھ کر برداشت نہ کر سکے۔ (پاسداری طبع نازک)

(۱۰۵)

دل لگا کر لگ گیا اس کو بھی تنہا بیٹھنا
بارے اپنی بے کسی کی ہم نے پائی دادیاں

تنہا بیٹھنا لگ گیا۔ ہمیں تنہا بیٹھنے کے سوا اور کوئی کام نہ رہا۔ یعنی جو حال محبت میں
ہمارا تھا وہی حال اب محبوب کا کسی اور کی محبت میں رہے۔ گریا ہاری بے کسی کی داد مل گئی
کتاب اسے بھی ہماری تقد ہوگی۔ (وطنِ محبت غیر)

ہیں زوالِ آمادہ اجزا آفرینش کے تمام
غیر گردوں ہے چراغِ رہ گزرا دیاں

یعنی ہر چیز زوال پذیر ہے حتیٰ کہ آفتاب بھی ایسا ہے جیسے ہر اس چراغِ بے گواہ
آیہ شریفہ۔ کل شئ حالک الاجمعہ فنا آمادگی عالم

(۱۰۶)

یہ ہم جدِ حیر میں دیوارِ و در کو دیکھتے ہیں
کبھی صبا کو کبھی نامِ سر کو دیکھتے ہیں

یعنی عاشق منتظر، صبا یا نامِ بر کی امید میں دمِ دیوار اور در کو دیکھتا رہتا ہے (حسرتِ پیام)

وہ آئیں گھر میں بھائے خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

یعنی میرے گھر محبوب کا آنا مقام حیرت ہے کہ اس گھر کو اس عالی مرتبہ کی نسبت۔

(افتخار و استہاج قدوم محبوب)

نظر لگے نہ کہیں اس کے دست و بازو کو
یہ لوگ کیوں مرے زخم جگر کو دیکھتے ہیں

یعنی زخم جگر ایسے گہرے ہیں کہ اس سے شمشیر زخم کی قوت باند کا اظہار ہوتا ہے۔ اثر

ہے کہ اس کو دیکھنے والے محبوب کی قوت باند پر نظر نہ لگا دیں۔ بقول:

ہر کس کو زخم کا رخی مارا نظارہ کرد تا حشر وشت و باندے اعداؤ کا کند

(پاسداری خاطر محبوب یا کار فرمائی میں)

ترے چو اہر طرف کلاہ کو کیسا دیکھیں

ہم اور چ طالع لعل ز گیسبر کو دیکھتے ہیں

یعنی جواہرات کا کیا دیکھنا۔ جواہرات کی قیمت کو دیکھ کر منہ زار تلخ شاہی بنے۔ (شہزادیت)

(۱۰۷)

نہیں کہ محب کو قیامت کا اعتقاد نہیں

شب فراق سے روز جزا زیاد نہیں

یعنی قیامت کی تمام سختیوں کو مانتا ہوں تاہم وہ شب فراق سے زیادہ نہیں۔ و بالآخر

(مصابہ ہجران)

کوئی کہے کہ شب مر میں کیا برائی ہے

جلا سے آج اگر دن کو ابرو باد نہیں

یعنی مجلس نشاط و انبساط کے لیے ابر و باد و بار و بار ہو یا شب و تاب و روز ہی موزوں
ہیں۔ (اعتماد فرصت عیش)

جو آؤں سامنے ان کے تو مر حب سنا کہیں

جو جاؤں واں سے کہیں کو تو خیر باد نہیں

یعنی نہ مٹنے پر خوش آمدید ہے اور نہ رخصت پر خدا حافظ۔ (بے مروت محبوب)

کبھی جو یاد بھی آتا ہوں میں تو کہتے ہیں

کہ آج بزم میں کچھ فتنہ و فساد نہیں

یعنی محبوب میرے وجود کو اپنے لیے غلّ عیش اور دہر فتنہ و فساد سمجھتا ہے۔ کیونکہ عشق بیکہ

خود ایک فتنہ ہے۔ میں نہیں توروہ فتنہ بھی نہیں۔ (شکوہ حق شناسی)

علامہ عید کے ملتی ہے اودون بھی شراب

گدائے کو چہ مے خانہ نامراد نہیں

یعنی فیض مے خانہ عشق کبھی بند نہیں۔ (دوام فیض عشق)

جہاں میں ہو غم و شادی بہم ہیں کیا کام

دیا ہے ہم کو خدا نے وہ دل کہ شاد نہیں

یعنی دنیا میں سب کے لیے جہاں غم ہے خوشی بھی ہے لیکن ہیں تو غم کے سوا خوشی میسر

نہیں۔ (شکوہ دوام غم)

تم ان کے وعدے کا ذکر ان سے کیوں کرو عجب

یہ کھیا کہ تم کہو اور وہ کہیں کہ یاد نہیں

یعنی وعدہ کا ذکر کرنے سے کیا فائدہ۔ میرب تو یہی کہوے گا کہ یاد نہیں (فراہوش کاری محبوب)

(۱۰۸)

تیرے تو سن کو صیبا باندھتے ہیں
ہم بھی مضمون کی ہوا باندھتے ہیں

باندھنا: اصطلاح شعرا میں معنی مائل قرار دینا۔ ہوا باندھنا: معنی تیرے گزرا، مگر
بٹھا، یعنی ہم نے تیرے گزرا کو مباحثے تشبیہ دے کر اپنے مضمون کی عزت بڑھا دی
ہے۔ (فخر حیات)

آہ کا کس نے اثر دیکھا ہے
ہم بھی اک اپنی ہوا باندھتے ہیں

اپنی ہوا باندھنا: معنی خود ستائی بے جا کرنا۔ یعنی آہ کی تاثیر کا دعوے کرنا ایک
شیخی ہے۔ فی الواقع اس میں کوئی اثر نہیں۔ دے اثری نالہ

تیری سرعت کے مقابل اے عمر
برق کو پا بہ حسنا باندھتے ہیں

پا بہ حسنا باندھنا: یعنی چلنے سے مستعد قرار دینا۔ یعنی تیری رفتار عمر کے مقابلہ میں
برق کی رفتار ایسی سست ہے کہ گویا اس کے پاؤں میں پتہ بندھی رہے۔ بعض نسخوں میں سرعت
کی بجائے فرصت ہے اور فرصت عمر یعنی مدت عمر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ (گزیرا پانی عمر)

قید بستی سے رہا فی معلوم
اشک کو بے سرو پا باندھتے ہیں

باندھنا: معنی بندش مضمون میں لانا۔ یعنی بستی کی پائیدیوں سے چھکارا ممکن نہیں خواہ
کوئی حال میں ہو چنانچہ اشک ہر چند کہ بے سرو پا ہوتا ہے (اس لیے اس کے باندھنے کا

امکان نہیں۔ پھر بھی اسے شعراء باندھ لیتے ہیں خواہ وہ بندش مضمون میں ہی کیوں نہ ہو۔
(استعارہ و تشکاری از بند حیات)

نشد رنگ سے ہے واسطہ گل

مست کب بند قبا باندھتے ہیں

یعنی مست کا بند قبا کھلا ہی رہتا ہے چنانچہ پھول کو دیکھ کر نشہ و رنگ سے مست

ہو کر وہ بھی اپنی قبا کو لے رکھتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ گفتمہ ہوتا ہے۔ (نشاط بہار)

غلطی ہائے مضمنا میں مست پوچھ

لوگ تالے کو رسا باندھتے ہیں

یعنی تالے کی مفتہ رسا قرار دیتا ہیں کیسی غلطی ہے اسے تو کبھی رسا نہیں کہا جاسکتا

کیونکہ رسا کے معنی آنے والے ہیں اور تالہ منہ سے خارج ہونے والی چیز ہے۔ بقول،

عمر فریاد میں برباد گشتی تالہ شور غلط ہے کہ اثر رکھتا ہے۔

(بے اثری تالہ) (یقین)

اہل تدبیر کی دامانگیاں

آبلوں پر بھی حست باندھتے ہیں

اہل تدبیر یعنی ساجی۔ دامانگی: بمعنی عاجزی یعنی آبلہ تو تھا ہی مانع

حرکت اس پر حست باندھنے سے کیا حاصل۔ گویا علاج توفیر مرض ہے کہ اسی سے حرکت

امید بھی دشوار ہو گشتی۔ (درد و انزوائی ص ۱۱)

سادہ چرخ کار ہیں خوباں غفلت

ہم سے پیماں دنا باندھ سکتے ہیں

سادہ، کلہ سبالتد یعنی بہت۔ یعنی یہ نازنین بڑے چالاک بنتے ہیں لیکن ہیں
 سادہ لوح۔ چالاک قویہ کہ وعدہ وفا کر لیا۔ نیت یہ کہ وفانہ کریں گے اور سادہ لوحی یہ کہ
 ایسا وعدہ اور کسی سے نہیں ہم سے کرتے ہیں جو ان کے ہمنگندوں سے خوب افسوس، اعیار کی سیٹا
 (۱۰۹)

زمانہ سخت کم آزار ہے بجاں آسہ
 وگر نہ ہم تو زیادہ توقع رکھتے تھے
 یعنی اپنی جان کی قسم اتنا تھائے جانے پر بھی ہم یہی سمجھتے ہیں کہ زمانے نے کچھ نہیں
 ستایا۔ گویا زمانہ کتنا ہی تلے اسے کم جا کر کاس کا آزار لا محدود ہے۔ (بے نہایتی مسابغیہ)

(۱۱۰)

دام بڑا ہوا تیرے در پر نہیں ہوں میں
 خاک ایسی زندگی پہ کہ پتھر نہیں ہوں میں
 یعنی کاش آتا نہ مجرب کا پتھر تھا کہ ہر دم اس کے در پر پڑا رہتا۔ اس بات کا انوس
 ہمارا۔ (حسرت التزام آتا نہ مجرب)

کیوں گردش مدام سے گھبرانہ جائے دل
 انسان ہوں پیالہ و غصہ نہیں ہوں میں
 یعنی جس میں احساس نہ ہو مثلاً پیالہ یا ساغروہ تو گردش سے نہ گھبراتے۔ یہی کہ انسان
 ہوں اپنی گردش مدام سے کس طرح نہ گھبراؤں۔ (بیان کلفت آوازی)
 یاد ب زمانہ مجھ کو مٹاتا ہے کس لینے
 لوح جہاں پہ حرف مکر رہ نہیں ہوں میں

حرف مکرر: وہ لفظ جو غلطی سے دوبارہ لکھا جائے۔ ایسے لفظ کو بے فائدہ سمجھ کر شادیا جاتا ہے۔ استعجاب اس پہ ہے کہ کوئی شخص لہجہ جہاں کا حرف مکرر نہیں ہے یعنی ایک بار ہی پیدا ہوتا ہے پھر کیوں شادیا جاتا ہے۔ دنا دنائی فکر دراصل رواج جو
 مدد چاہیئے سزا میں عقوبت کے واسطے
 آخر گناہگار ہوں کافر نہیں ہوں میں
 یعنی دائمی عذاب کا مستوجب تو کافر ہی ہو سکتا ہے۔ میں کافر نہیں پھر دائمی عذاب
 میں کیوں مبتلا ہوں؟ میں ایک گناہگار ہوں اور یہاں دلائل گناہ سزائے محدود کا مستوجب
 ہوں نہ کہ سزائے دائمی کا۔ (البتجائے کرم)

کس واسطے عزیز نہیں جانتے مجھے
 لعل و زمر و زرد و گدگد ہر نہیں ہوں میں
 یعنی ارباب کرم کے نزدیک فدا و جواہر کی قدر نہیں ہوتی۔ لیکن میں تو زرد و جواہر
 نہیں پھر میری قدر کیوں نہیں؟ ایک اشارہ یہ بھی ہے کہ میں زرد و جواہر سے بالاتر ہوں۔
 (استحقاق منزلت و التباہات)

دکھتے ہو تم قدم مری آنکھوں سے کیوں دلیغ
 دیتے ہیں مہر و ماہ سے کمتر نہیں ہوں میں
 شاعر خود کو مہر و ماہ کا ہر تہ قرار دے کر پھر مرتبہ ہے کہ محبوب کے قدم اس کی
 آنکھوں پر رکھے جائیں۔ گویا یہ متیقن ہے کہ محبوب کے قدم مہر و ماہ سے کم دیتے چیز پر نہیں
 پڑتے۔ (خمر و قدیم محبوب)

کرتے ہو مجھ کو منہ قس۔ مہر و ماہ کس لیے
 کیا آسمان کے بھی برابر نہیں ہوں میں؟

از بسکہ شاعر خود کو آسمان کا ہم تپہ سمجھتا ہے اور محبوب کے قدم آسمان سے کم رتبہ
 شے پر نہیں پڑتے اس لیے مترقب ہے کہ اس کو قدم بوس کی اجازت ہو۔ (شرفِ قدمِ محبوب)

غالب و طیفہ خوار ہو دو شاہ کو دعا

وہ دن گئے کہ کہتے تھے نو کو نہیں ہوں میں

یعنی مایوسی اور شکوہ کا وقت ختم ہوا۔ اب تو طیفہ خوار سلطان ہو۔ اس کے دعا گو

بن جاؤ۔ (مخدومیتِ سلطان و اطہارِ قیادتِ شکر)

بظاہر چار اشعار قطعہ بند ہیں اور مدحِ سلطان میں ہیں۔

(۱۱۱)

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں

خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ نہاں ہو گئیں

یعنی خدا جانے کتنی حسین و جمیل صورتیں خاک میں مل گئیں کہ ان کی نظیر نہیں۔ البتہ ان

میں سے کچھ کا اندازہ لگانا چاہو تو لالہ و گل میں دیکھو۔ سب کا اندازہ نامکن ہے۔ مطلب

ہے کہ خاک میں ملنے والوں کی تعداد لالہ و گل کے شمار سے کہیں زیادہ ہے۔ (عبثت

انجامِ حیات)

یاد عقیدت ہم کو بھی رنگا رنگ بزمِ آرمیاں

لیکن اب نقش و نگارِ طاقِ نیاں ہو گئیں

یعنی ایامِ عشق و بزمِ آرائی سے اس قدر بعد ہے کہ اب اس کی رنگینوں اور پھپھو

کی یاد بھی محو ہو گئی۔ (حسرتِ ایامِ خاقی)

تھیں بیاتِ نقشِ گردوں دن کے پورے میں نہاں

شب کو ان کے جی میں کیا آئی کہ غریاں ہو گئیں

بنات النشۃ سات ستاروں کے ایک جبرمٹ کا نام ہے۔ یعنی سات ستاروں کا یہ جبرمٹ دن بھر آنکھوں سے اوجھل رہتا ہے اور رات کو نظر عام پر آ جاتا ہے۔ یہ کیسے ہوتا ہے۔ سوال سن تدرست کی اوجھل کاری کی طرف بذریعہ توجہ کے کیسے کیا گیا ہے۔ لڑکیوں کا عریاں ہو کر سامنے آنا اشارہ ہے دل کشی شب تیار گاہ کی طرف۔ (منظر کشی)

قید میں یعقوب نے گولی نہ بوسف کی خبر
لیکن آنکھیں روزین دیوار زندان ہو گئیں

یعنی گو حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے پسر حضرت یوسف علیہ السلام کی خبر زندان میں نہ سنے کے لیکن ان کی آنکھیں معذرت زندان کی طرح بے بصارت ہو کر رہ گئیں۔ اشارہ یہ ہے کہ حضرت یعقوب کی آنکھوں نے معذرت زندان کی صورت اس لیے اختیار کی کہ ان کا محبوب فرزند زندان میں تھا۔ (تعلق خاطر محب یا محبوب)

سب رقیبوں سے ہوں ناخوش پرزنانِ مصر سے
ہے زلیخا خوش کہ عرواہ کنعاناں ہو گئیں

یعنی میں تو اپنے رقیبوں سے ناخوش ہی رہتا ہوں۔ ایک زلیخا ایسی تھی جو زندانِ مصر سے خوش ہوئی کہ وہ بھی یوسف علیہ السلام پر فریقت ہو گئیں اور بے خودی میں یوں کی بجائے اپنے ہاتھ کاٹ لیے۔ ظاہر ہے کہ زلیخا کی خوشی و تابوت کی بنا پر نہ تھی بلکہ اپنی محبت کے بجا ہونے اور وطنِ محبت سے نجات پانے کی بنا پر تھی۔ شاعر سی ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ عاشقِ منیع محبت سے ناخوش اور محبت کے باب میں حوصلہ افزائی اجاب سے خوش ہوتا ہے۔ سب رقیبوں سے ہوں ناخوش میں اشارہ اس امر کی طرف ہے کہ میں زلیخا کے علی الرغم کسی حال میں بھی قریب کو پسند نہیں کرتا۔ (گوارائی عشق)

جھوٹے خوں آنکھوں سے بہنے دو کہ شامِ فراق
میں یہ سمجھوں گا کہ دو شمعیں فروزاں ہو گئیں

یعنی عالمِ فراق میں اشکِ ریزی باعثِ دوری غبارِ باطن و غبارِ خاطر ہوتا ہے۔
گویا اشکِ ریز آنکھیں تاریکی میں دو شمعیں روشن ہو جانے کی مانند ہیں۔ (انسابِ گریہ)

ان پریزادوں سے لیں گے غلہ میں ہم انتقام
قدرتِ حق سے یہی تمہیں اگر واں ہو گئیں

یعنی بے نیازوں کا بدلہ لیں گے امداد نہیں اپنا ناز بردار بنائیں گے (حسرتِ انفاتِ حیات)

نیند اس کی ہے ماغ اس کا ہے راتیں اس کی ہیں
تیری زلفیں جس کے بازو پر پریشاں ہو گئیں

یعنی محبوب جس کے بازو پر سر رکھ کر ہم خواب ہو اس کی نیند راحت بخش دماغ معطر
اور راتیں عیش آگین ہو جاتی ہیں۔ گویا دہلِ محبوب میرے ہوتے دنیا بھر کا عیش میرے ہے
(نشاطِ دہال)

میں چین میں کیا گیا گویا دبستانِ کھل گیا
بلبلِ سن کر مرے نالے غزلِ نواں ہو گئیں

نالے سے مراد سخن۔ یعنی میرے اشعار ایسے درد بھرے ہیں کہ میرے جانے سے
تمامِ باغِ میرا سبق پڑھنے لگا گویا مکتب بن گیا اور بلبلِ میرے اشعار پڑھنے لگیں یا ان
کو سلیقہ غزلِ نواں آ گیا۔ بقول،

آبِ درنگِ گستاخِ عشقِ اکبر از من است
غذیباں ہر چہ ہے گویند مضمون ہی است
(تعلیقاتِ شاعر خود)

(کمال)

وہ لگا ہیں کیوں ہوئی جاتی ہیں یارب دل کے پاؤں
جو مری کوتاہی قسمت سے مڑگاں ہو گئیں

یعنی مشوق کی نظریں تو جگر دوز تھیں ہی۔ لیکن جب وہ میری بد قسمتی سے اپنی نظر
شرم کے مارے جھپکا لیتا ہے اور اس کی نگاہیں سٹ کر پلکیں بن جاتی ہیں تو یہ ادا مئے شرم حیا
اور بھی دل کے پار ہو جاتی ہے۔ (جگر دوزی ادا مئے حیا)

بسکہ روکا میں جگے اور سینے میں بھرے پے پے
میری آہیں سنجیہ چاک گریباں ہو گئیں

چاک گریباں کا سنجیہ ہو جانا؛ گریبان کے چاک کا غائب ہو جانا۔ یعنی اگر ضبط سے
کام نہ لیتا تو گریبان چاک کر ڈالتا۔ وہ تو سینے میں آہیں سنجیہ کے ٹانگوں کی طرح یوں بار بار
ابھریں اور دہریں اور ہزاع و فرزع نہ کر سکا کہ گویا چاک گریباں کو انھوں نے سی دیا اور علامت
جنون ظاہر نہ ہوئیں۔ (ضبط جنون عشق)

واں گیا بھی میں تو ان کی گالیوں کا کیا جواب
یاد تھیں جتنی دعائیں صرف دریاں ہو گئیں

یعنی پرناٹے نیاز زندگی و فروتنی سختیوں اور گالیوں کا جواب میں دعاؤں سے
دیتا ہوں۔ سو چتا یہ ہوں کہ دریاں کی سختیوں پر تو ساری دعائیں ختم کر چکا ہوں۔ اب اگر
محبوب کے پاس پہنچا اور اس نے گالیاں دیں تو اور دعا کے الفاظ کہاں سے لائیں گا۔
رنا زبرداری محبوب و گوارائی شرم

جانفزا ہے بادہ جس کے ہاتھ میں جام آگیا
سب اکیریں ہاتھ کی گویا رگ جاب ہو گئیں

یعنی اگر بادہ ہاتھ میں آجائے تو کمال جانفرائی یا تھک نائی میں جان کی رگیں میں جاتی ہیں۔ کو یا رگ رگ میں زندگی آجاتی ہے۔ (جانفرائی بادہ)

ہم خود میں ہمارا کیش ہے ترکس رسوم
ملتیں جیب مٹ گئیں اجڑائے ایماں ہو گئیں

ظاہر ہے کہ اختلافِ عمل کا منشا یا بندشی رسوم مختلف ہے۔ ولّا هذه ملتکم
ملتہ واحدۃ کے مصداق حقیقت سب کی ایک ہے (مراد وحدانیت حق) لہذا کہتا ہے
کہ جس قدر ملتوں یا استزافا رسوم کی پابندی ترک کرتے جاؤ اسی قدر ایمان میں افساد ہوتا
جائے گا۔ (تعلیم ترک رسوم)

سچ سے خود گم ہوا انسان تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلیں جھجھ پڑیں اتنی کہ آساں ہو گئیں

یعنی شکلات بستے بستے ان کا عادی ہو گیا ہوں اور ظاہر ہے کہ جس بات کی عادت
ہو جائے وہ کتنی ہی مشکل ہو آسان ہو جاتی ہے۔ (خوشے تھوڑے مصائب)

یو نہی گرد و تار ہا غالب تو اسے اہل جہاں

دیکھنا ان بستیوں کو تم کہ دیہاں ہو گئیں

یعنی غالب اشکباری کے طوفان سے بستیوں کے دیہاں ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ (دیہاں تو دیہاں)

(۱۱۲)

دیوانگی سے دوش پہ زنا رہ بھی نہیں

یعنی ہماری جیب میں اک تار بھی نہیں

یعنی دیوانگی کا یہ عالم ہے کہ پیرا بن جو دیدہ ہو کر تار تار ہو گیا تھا وہ دوش پر زنا رہ

بن کو تک گیا تھا۔ زنا کا مدش پر ہونا گویا صنم پرستی و کافرئی عشق کی تکمیل تھی لیکن اب یہ لڑکی
نے اسے بھی ختم کر دیا ہے۔ (مبالغہ جنون)

دل کو نسیانہ حسرت دیدار کر چکے

دیکھا تو ہم میں طاقت دیدار بھی نہیں

نیاز: یعنی جفا۔ یعنی دل وقفِ حسرت دیدار ہو کر رہ گیا ہے کہ یہ حسرت کبھی
نہ نکلے، کیونکہ اب مال ناتوان سے دیکھنے کی طاقت نے بھی جواب دے دیا ہے۔ (عروسی ٹیڈ)

ملنا تو اگر نہیں آساں تو سہل ہے

دشوار تو یہی ہے کہ دشوار بھی نہیں

دشوار ہی نہیں۔ - یعنی مال ہے۔ یعنی تیرا ملنا آسان نہ ہوتا بلکہ دشوار ہوتا تو

ہم سہل جانتے لیکن وہ تو دشوار سے بھی بڑھ کر یعنی محال ہے۔ (استحسان دیدار محبوب حقیقی)

بے عشق عمر کٹ نہیں سکتی ہے اور یاں

طاقت بقدر لذت آزار بھی نہیں

ظاہر ہے کہ آزار میں کوئی لذت نہیں اور طاقت کا بقدر لذت آزار نہ ہونا کہ یہ ہے

بالکل نہ ہونے سے۔ غلبہ ہے کہ عشق میرے خواص طبیعت میں سے ہے کہ اس کے

بے زندگی محال ہے، لیکن شغل ہے کہ عشق کے لیے بڑا چاہیے اور وہ نام کو بھی نہیں۔

(دشوائی تحملِ شداہ عشق)

شوریدگی کے حال سے سر ہے وبالِ دوش

محر میں اسے خدا کوئی دیوار بھی نہیں

یعنی ایسا شوریدہ حال محرابوں کہ زندگی وبال ہو گئی ہے۔ لیکن کیا کرے کہ محراب

میں کوئی دیا رہی نہیں کہ سر پہ چڑ کر جان دے دوں۔ (کلفتِ شہیدہ سری)

گنجائشِ عداوتِ اغیار یک طرف

یاں دل میں ضعف سے ہو میں یار بھی نہیں

یعنی میری ضعف و ناتوانی کا یہ عالم ہے کہ دل شوق دیدارِ محبوب کا بار بھی نہیں برداشت کر سکتا جس کے بغیر زندگی ہی نہیں رہ سکتی۔ بھلا عداوتِ اغیار کا لوجہ کیسے جیل سگتا ہوں۔
(ریانِ ضعف و ناتوانی)

ڈر نالہ ہائے زار کے میرے خدا کو مان

آخر نواسے مرغِ گرفتار بھی نہیں

میرے نالہ و فریاد سے ڈر۔ یعنی ترکِ ستم کر۔ اور خدا سے ڈو کہ اس کے سامنے برابر ہونا ہے۔ وہی باقی ہے باقی ہر چیز فانی ہے۔ بیان تک کہ ایک دن مرغِ گرفتار کی آواز بھی ختم ہو جاتی ہے لہذا میرا نالہ بھی ختم ہو جائے گا اس وقت افسوس سے کیا مائل (تجائے کرم)

دل میں ہے یار کی صفتِ مرثاں سے رُوکشی

حالِ نکلہ طاقتِ غلشِ خار بھی نہیں

رُوکشی، سامنا، مقابلہ۔ یعنی کمالِ ناتوانی سے حالِ تریہ ہے کہ کاٹنا چہننے کا تاب نہیں اور ارادہ یہ ہے کہ صبتِ مرثاں سے مقابلہ کروں۔ (حرمِ قہرِ شہادۂ ختم)

اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اسے خدا

لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

یعنی مشرقِ کیموئے پن پر جان جاتی ہے کہ بغیر تلوار کے آادۂ قتال ہے اور اپنی سادگی ہی سے اسے ڈالتا ہے۔ (جاں نثانی سخنِ سادۂ محبوب)

دیکھیں آسود کو خلوت و جلوت میں بار بار
دیوانہ گر نہیں ہے تو ہشیار بھی نہیں

یعنی عاشق نہ دیوانہ ہوتا ہے نہ ہرشیار۔ دیوانہ یوں نہیں کہ عشق نام ہے کمال
معرفت کا اور ہوشیار یوں نہیں کہ کمال معرفت ہی بے خودی ہے۔ بقول: خراب بادہ لعل
تو ہوشیار نادر (حافظ) تخمین سودا شے عشق

(۱۱۳)

نہیں ہے زخم کوئی بخیمہ کے درخورد کے تن میں
ہوا ہے تارِ اشک یا اس رشتہ چشم سوزن میں
یعنی میرے زخم ایسے گہرے ہیں کہ اس میں ٹانگا نہیں لگ سکتا۔ اس حال سے
سوئی بھی یار اس ہو کر اشک ریز ہے گویا اس کے نالے کا تاگا، آنسو کا تار ہے۔
(بے درگاہ و درویش عشق)

ہوئی۔ ہے ماریع ذوق تماشا خانہ ویرانی
کعبہ سیلاب باقی ہے بزرگِ غلبہ وزن میں

خانہ، مراد خانہ دل۔ وزن، مراد آنکھ۔ یعنی میری آنکھوں سے سیلاب
اشک کچھ اس طرح جاری ہوا کہ خانہ دل ویران ہو گیا۔ لیکن ویرانی کا تماشا دکھائی نہیں
دیتا کیونکہ وزن چشم میں کعبہ سیلاب کے باعث روئی سی ٹھسی ہوئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ
میری آنکھوں کے دیکھنے سے ویرانی دل کا حال نہیں کہتا کیونکہ اشک تنگ ہو چکا ہے۔
آنکھ میں آنسو نہ ہیں تو دل کی کیفیت کس طرح معلوم ہو۔ (بیان کثرت گریہ)

و دلایت خانہ بیدار کاوش بائے مژگاں ہوا
نگین نام شاہد ہے مرے ہر قطرہ خوں تن میں

یعنی میرا ہر قطرہ منہوں ایک نگینہ ہے جس پر محبوب کا نام کندہ ہے۔ گویا یہ تمام وجود
 شرکان یا رک ستم کاریوں کا سپرد کردہ ایک امانت خانہ ہے۔ و وجہ چاہے میرے خون
 کے ہر قطرہ کو اپنی سختیوں کے لیے کام میں لاسکتا ہے۔ بقوانے مع خان بگرو: عیت شرکان
 یارتھا۔ (غائب) (فداکاری عاشق)

بیاں کس سے ہو ظلمت گستری میرے شبستاں کی
 شب ماہ ہو جو رکھ دیں پیہ پلاروں کے وزن میں

یعنی میری خواہش گاہ اس قدر تاریک ہے کہ اگر روزن دلیار میں روئی رکھ دی جائے
 تو اس کی سفیدی بھی اس تاریکی کے مقابلے میں چاند کی روشنی معلوم ہو۔ (مبائنہ ظلمت کا شانہ شتم)

نکوہش مانع بے ربطی شور جنوں آتی
 ہوا ہے خندہ احباب بخیمہ حبیب وامن میں

خندہ : یعنی خندہ علامت۔ بے ربطی : یعنی بے عنوانی۔ یعنی احباب کی
 سرزنش و علامت کے باعث دیوانہ پن کی بدعنوانیاں مجھ سے ظاہر نہ ہوئیں۔ گویا احباب کے
 ہنس اڑانے سے میرے حبیب وامن کا چاکل گیا اور میرے جنوں کا اظہار نہ ہوا۔ (پاس
 نکوہش احباب)

ہوئے اس ہروش کے جلوہ تمثال کے آگے
 پرافشاں جو ہر آئینہ مثل فزہ و وزن میں

تمثال : یعنی عکس و رخ۔ پرافشاں : عبارت ہے اضطراب شوق سے۔ یعنی اس
 رشید نقاک شکل جب آئینہ میں شکس ہوئی تو جو ہر آئینہ اس طرح اضطراب شوق میں اڑنے لگا
 جیسے سورج کی روشنی میں وزن کے ذرات۔ (مبائنہ بالی ریخ محبوب)

نہ باتوں نیک ہوں یا بد ہوں پر صحبت مخالف ہے
 جو گل ہوں تو ہوں گلشن میں جس ہوں تو ہوں گلشن میں
 یعنی قطع نظر اس کے کہ میں اچھا ہوں یا برا مجھے جن سے سابقہ ہے ان کی طبیعت بعد
 کے ایسی ہی تضاد ہے جیسے پھول کو بھاڑ میں رکھا جائے یا غم و غنا شک کو باغ میں۔
 (کلفتِ صحبت ناخوش)

ہزاروں دل دیے جوشِ جنونِ عشق نے مجھ کو
 یہ ہو کر سویدا ہو گیا ہر قطرہ خونِ تن میں
 دل مل عشق ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جوشِ عشق کا اتنا جوش ہے کہ ایک دل میں نہ سہا یا
 اس لیے ہزاروں دل پیدا ہو گئے اور میرے خون کا ہر قطرہ سویدا کے دل بن گیا۔ (جائزہ خوشنما)
 اسدِ زندانی تاثیر الفت ہائے خواباں ہوں
 خیمِ دستِ نوازش ہو گیا ہے طوقِ گردن میں
 یعنی جینوں کی محبت کا اثر ہے ہوا کہ میں ان کا قیدی ہو گیا۔ گریبان کی الفت کی بار میں
 میری گردن کا طوقِ غلامی بن گئیں۔ (ایسرِ الفتِ مجنوناں)

(۱۱۴)

مڑے جہاں کے اپنی نظر میں خاک نہیں
 سوائے خونِ جگر جو جگر میں خاک نہیں
 یعنی دنیا میں اگرچہ کچھ مرہ ہے تو خونِ جگر کے پینے میں ہے۔ لیکن جگر میں جب خون؟
 نہ ہو تو گریبا دنیا میں کچھ مرہ ہی نہ رہا۔ (تلخ کاٹی حیات)
 مگر غبار ہوئے پر ہوا اڑا لے جائے
 دگر زتاب و توالِ بالِ و پر میں خاک نہیں

مگر: یعنی شاید۔ یعنی اڑ کر اور محبوب تک پہنچنے کے تمام وسائل ناکارہ ہو چکے ہیں۔
 البتہ سنے کے بعد شاید غبار کو ہوا اڑا لے جانے۔ (حسرت کو تھکے یا رہا)

یہ کس بہشت شمسائل کی آمد آمد ہے
 کہ غیر جلوة گل رنگندہ میں خاک نہیں

یعنی یہ کون آنے والا ہے کہ تمام راستے پر پھول ہی پھول ہیں خاک نہیں ہے (نشانی جلوة محبوب)

بھلا آسے نہ سہی کچھ مجھی کو رخصم آتا
 اثر مرے نفس بے اثر میں خاک نہیں

یعنی میری آہ بالکل بے اثر ہوئی کہ نہ محبوب کو ترس آیا کہ مجھ پر کرم فرماتا اور نہ مجھے اپنے
 اور پر رحم آیا کہ اپنا کام تمام کر لیتا۔ یہ کیا کہ آہ و ناله جاری ہے اور اثر خاک نہیں سہیے (نشانی جلوة)

خیال جلوة گل سے خراب ہیں مے کش
 شراب، خانہ کی دیواروں میں خاک نہیں

یعنی یہ جلوة گل (خوار محبوب) کا تصور ہے جس نے میزبانوں کو مست و بے خود بنا رکھا
 ہے وہ نہ مے خانہ میں کیا رکھا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اپنی معرفت کائنات پر نہیں خالق کائنات
 پر فریفتہ ہو رہے ہیں۔ (نشانی جلوة حُسنِ حقیقی)

ہوا ہوں عشق کی غارتگری سے شرمندہ
 سولٹے حسرت تعمیر گھر میں خاک نہیں

یعنی عشق سے شرمندہ ہوں کہ اس کی غارتگری کے لیے میرے گھر میں اب کچھ نہیں ہے۔
 صرف حسرت تعمیر باقی ہے۔ گویا جو چیز باقی ہے وہ غارتگری عشق کے لائق نہیں۔ (رباعی)
 ویرانی دیر باد می، یاد ذوق کمال ندرت می

ہمارے شعر میں اب صرف دل لگی کے آئندہ
 کھلا کہ فائدہ عرض ہنر میں خاکس نہیں
 یہی جب کہ ہنر مند کو صرف دل لگی کا سامان سمجھا جانے لگا تو اظہار ہنر سے کیا فائدہ۔
 (شکوہ ناقدی ہنر)

(۱۱۵)

دل ہی تو ہے نہ سنگ و نشت در سے بھر نہ آئے کیوں؟
 رو میں گئے ہم ہزار بار کوئی ہمیں تسانے کیوں؟
 یعنی منع کرنے سے روٹنا نہیں تھا۔ البتہ کوئی نہ تسانے تو روٹنا کیوں ہو؟ اور التجائے ترکہ ستم
 دیر نہیں حرم نہیں در نہیں آستان نہیں
 بیٹھے ہیں رہ گذر یہ ہم کوئی ہمیں اٹھائے کیوں؟
 یعنی ہمارا مقام ایک رہ گذر ہے جو کسی کے لیے مخصوص نہیں۔ نہ وہ مسلم کا ہے نہ غیر مسلم۔
 یہ جگہ کسی کا گھر یا در میں نہیں گویا مقام یا ملک عشق میں نہ کسی مذہب کو دخل ہے نہ کسی کے
 ذاتی حقوق میں مداخلت ہے پھر کوئی ہم سے مزاحم یا طریق عشق سے مانع کیوں ہو۔ مقام عشق
 ذاتا و غشی

جب وہ جمال و لغز و صورت بہر نمب و نر
 آپ ہی ہو نظارہ سوز پر وہ میں منہ چھپائے کیوں؟
 یعنی محبوب خود رشید لقا کے جمال جہاں تاب کو دیکھنے کی تاب ہی کسی میں نہیں تو اسے
 منہ چھپانے کی کیا ضرورت ہے۔ (تابش جمال) یا (بیان خیر و خیس اہل نظارہ)
 دشنہ غمزہ بانستاں تاوک ناز بے پناہ
 تیرا ہی عکس رخ سہی سامنے تیرے آنے کیوں

یعنی تیرا تازہ دم و فخرہ بلا کت آفرین ہے کوئی بھی اس کے سامنے نہیں تھیرتا خواہ وہ
تیرا عکس رنج ہی کیوں نہ ہو تیرا قدم مقابل وہ بھی نہیں ہو سکتا۔ مطلب یہ ہے کہ مغایرت حق کی
ذات حق کے مقابل میں کوئی حقیقت نہیں۔ رہے مثالی حسن محبوب۔

قید حیات و بند غم اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں
یعنی زندگی احمد غم یا ہم ایسے متلازم ہیں کہ گر یا ایک ہی ہیں۔ لہذا انسان جیت تک
زندہ ہے۔ غم سے نجات نہیں پاسکتا۔ بغیر غم سے:

مرے بن مرگ کیا حسبِ بوللک جان کے ساتھ ہے دلِ ناشاد (میر)
(تلازم غم و حیات)

حسن اور اس پر حسن ظن رہ گئی بواہوس کی شرم
اپنے پر اعتماد ہے غیر کو آزمائے کیوں؟

یعنی محبوب اول قوفی الواقع حسین ہے احمد پھر اسے اپنے متعلق یہ گمان ہے کہ جو کوئی
اسے دیکھے گا شیفتہ ہوئے بغیر نہ رہے گا اس لیے اس نے رقیب کو آزمائے کا خیال ہی نہ
کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس بواہوس کی شرم رہ گئی۔ اگر کہیں آزمائے آتا تو اس کے دونوں متعلق
کی تلخی کھل جاتی۔ (حسن برتعلق رقیب)

واں وہ غرور و عز و دان، یاں یہ حجابِ پاس وضع

راہ میں ہم ملیں کہاں بزم میں وہ بلائے کیوں؟

یعنی راہ میں ملنا ان کی شان کے خلاف ہے اور محل میں بن بلائے جانا اپنی وضع کے
خلاف تو ملنا معلوم۔ (عوائقِ مرض و ناموس در بابِ عشق)

ہاں وہ نہیں خدا پرست جاؤ وہ بے دنا سہی
جس کو ہو دین و دل عزیز اس کی گلی میں جانے کیوں؟

موتے سخن نامح کی طرف ہے یعنی تم جو محبت سے مانع آتے ہو کہ مجرب خدا پرست
نہیں اور بے دنا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ہاں ہے۔ آپ کو دین و دل عزیز ہیں تو نہ جائیے
اس کو گلی میں۔ ہم تو جائیں گے کہ ہیں اس کی خاطر نہ دین کی پردا ہے نہ دل کی (درہم عاشق)

غائب خستہ کے بغیر کون سے کام بند ہیں
روشنے زار زار کیا؟ کیجئے ہائے ہائے کیوں

مطلب یہ کہ رونا کسی کی موت کا نہیں بلکہ ناروائی کا رکھتا ہے۔ وطن پرستوں کی دنیا

(۱۱۶)

غنیچہ ناگفتہ کو دور سے مت دکھا کہ یوں
بورسہ کو پوچھتا ہوں میں منہ سے مجھے بتا کہ یوں

یعنی منہ سے بورسے کو بتا کہ یوں لب بند کر کے لیا جاتا ہے۔ غنیچہ کو دکھا کر اشارہ سے
مبتلا دالتجائے اختلاط)

پرستش طرز دلبری کیجئے کیب کہ بن کہے
اس کے ہر اک اشارہ سے نکلے ہے یہ ادا کہ یوں

یعنی دل بجاتے کا طریقہ کیا پرچہ۔ یہ تو اس کی برادار خود ہی بتا رہی ہے کہ یوں دل

لیتے ہیں۔ بقول:

نزدق تا بقدم ہر گجا کہ مے نگر م کرشمہ دامن دل سے کشد کہ جاییں جا است
(شیرہ طراز محرب)

رات کے وقت مے پیئے ساتھ رقیب کو بیٹھے
آئے وہ دیاں خدا کرے پر نہ کرے خدا کہ یوں

یعنی خدا کرے محبوب آئے لیکن رقیب کو ساتھ بیسے عالم سرخوشی میں نہ آئے۔ (ناگوری محبت)

غیر سے رات کیا بنی یہ جو کہہا تو دیکھئے
سامنے آن بیٹھنا اور یہ دیکھنا کہ یوں

یعنی میں نے پوچھا کہ رقیب کے ساتھ کس طرح گزری تو محبوب میرے سامنے آن بیٹھا
گویا دکھایا کہ یوں ہم آئے سامنے بیٹھے رہے۔ اب دیکھئے کہ کس طرح اس کا یہ دکھانا
مجھے دیکھنا پڑا۔ (درشکب رقیب)

بزم میں اس کے روبرو کیوں نہ خاموش بیٹھے
اس کی تو خاموشی میں بھی بے یہی مدعا کہ یوں

یعنی محبوب کی خاموشی میں یہ ایسا ہے کہ یوں خاموش رہوں۔ لہذا خاموش ہوں۔ مطلب
یہ ہے کہ جو بولنا ہی نہ چاہے اس سے کیونکر بولا جائے۔ (پاس خاطر محبوب)

میں نے کہا کہ بزم ناز چاہیئے غیر سے تہی
سن کے ستم ظریف نے مجھ کو اٹھا دیا کہ یوں

”اٹھا دیا“ کے آگے اور کہا ”مخدوف“ ہے۔ یعنی میں نے کہا کہ تمہاری محفل میں میری
موجودگی نہ ہونی چاہیے۔ یہ سن کر اس نے مجھے محفل سے اٹھا دیا کہ گویا میں ہی غیر تھا اور
کہنے لگا کہ یہی مطلب تھا نہ تمہارا؟ (ستم ظریفی محبوب)

مجھ سے کہا جو یار نے باتے میں ہوش کس طرح
دیکھ کے میری بنجوردی چلنے لگی ہوا کہ یوں!

یعنی میرا کہ بے خود تھا محبوب کو نہ بتا سکا کہ ہوش کس طرح جاتا ہے لیکن ہوانے چل کر
تیا یا کیوں ہوش آ کر جانے میں مطلب یہ کہ اس حال ہی بعض نوبات ترجانی حال کر دیتا ہے سو بخوشی

کب مجھے کوٹے یار میں رہنے کی وضع یاد تھی

آئندہ دام بن گئی حبستِ نقشِ پاکہ یوں

یعنی عاشق حیران کو مے یار میں کس طرح جا پڑتا ہے کہ پھر نہیں اٹھتا۔ یہ کیفیت نقشِ پا

سے ظاہر ہوئی۔ (الترجم کرچہ محبوب)

گزرے دل میں ہو خیال وصل میں شوق کا زوال

موج محیط آب میں اسے بنے سمتِ پاکہ یوں

یعنی یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ وصل حاصل ہو تو شوق زائل ہو جاتا ہے۔ دیکھو موجِ مایل کج

ہے لیکن لخصہ شوق میں پھر بھی پاتھ پاؤں مارتی رہتی ہے۔ گویا باقی ہے کہ شوق اس طرح متواتر

رکھتا ہے۔ بقولِ غالب: ع شوق است کہ در وصل ہم آرام نہ دارد۔ صوفیا کہتے ہیں۔ المحب

لا شبع۔ (مظاہر اب دوام عاشق)

جو یہ کہے کہ ریختہ کیونکہ ہو رشکِ فارسی

گفتہ غالب ایک بار پڑھ کے اسے سنا کیوں

کیونکہ: معنی کیونکہ مطلب یہ ہے کہ غالب کے اردو اشعار زبانِ فارسی کے لیے

قابلِ رشک ہیں۔ (محل شاعرانہ)

و

(۱۱۷)

حس سے دل اگر افسردہ ہے گرم تماشا ہو

کہ چشمِ تنگ شاید کثرتِ نظارہ سے وا ہو

گرم تماشا ہونا : شاہد میں وسعت پیدا کرنا۔ حسد روزِ چشمِ تنگ باہم سبب اور
 سبب میں یعنی حسد تنگ چشمی کے پیدا ہونے کے۔ اگر وہ حسد کے شر وہ ہے تو اس کا علاج
 ہے کہ وسعتِ نظر پیدا کر تب غرات سے گناہ کہ بہت سے اشخاص میں خود تیری ہیں حالت نے تشر
 کیا۔ بقول سعدی:

زحایکین گفت غم خود بسیار۔ بسا کہ بہ خیر تر از زو مند است
 نیز یہ بھی واضح ہوگا کہ محسوس کی برتری اور حسد کی پستی یہ دو کچھ حیرت نواقی کی روش
 ہے نیز افسر گوئے جا ہے۔ (علی حیدر)

بقدرِ حسرتِ دل چاہیے زرقِ معامی بھی
 بھریں یک گوشہ ز من گراں ہفت ریا ہو

یعنی جتنی زیادہ آرزو میں ہوں گی۔ اتنا ہی زیادہ گناہ کا شوق بھی ہوگا۔ چنانچہ
 میرے کثرتِ اعمال کی یہ حالت ہے کہ اگر ہفت دینا نے مصیبت ہو تو میری صرف ایک گوشہ زامن
 تیرہ کا نو رکھوں تو من نہ ہو سکے گی۔ کیونکہ حسرتیں بے شمار ہیں جو گناہ کرتی ہیں۔ بقول:
 دریائے معاصی تک تلی سے بیا خشک میرا میرا من بھی اچھی تو نہ ہوا تھا
 (مصیبت کثرتِ اعمال)

اگر وہ سرورِ گرم خرامِ آرا جائے
 کفِ ہر خاکِ گلشنِ قمری نالہ فرسا ہو

یعنی اگر محبوب خراماں خراماں باغ میں آجائے تو گلشن کی ہر کفِ خاک قمری کی طرح
 اس کی محبت کا رنگ اتنے پھٹے گئے۔ (دلِ ربانی قاضی محبوب)

(۱۱۸)

کعبہ میں جا رہا تو نہ دو طعنہ کیا کہیں
بھولا ہوں حقِ محبت اہل کشت کو؟

کیا کہیں بھولا ہوں، استفہام انکاری: مطلب یہ ہے کہ کعبہ میں آنے کے بعد بھی
بت خانہ سے تعلق خاطر باقی ہے۔ اس شعر کے دو مفہوم ہیں ایک تو یہ کہ مذہبِ نقلِ عاشقی
ہیں۔ دوسرے یہ کہ ہمارا اسلام شائبہ کفر ہے غالی نہیں ہے۔ (گیرانی عشق) یا (خامی طاعت)۔

طاعت میں تار سے نہ مئے انگبیس کی لاگ
دوزخ میں ڈال دو کوئی لے کر بہشت کو

دوزخ میں ڈال دو: یعنی اس کا خیال چھوڑ دو۔ یعنی طاعتِ الہی میں اگر پیش نظر
صرف نعمائے بہشت مثلاً شراب و شہد ہیں تو یہ طاعت خالص اور بے لاگ نہیں ہے ایسی
بہشت کا خواہش کہ ہی ختم کر دیتا چاہیے۔ (تعلیمِ اخلاص)

ہوں منحرف نہ کیوں رہ دو حکمِ ثواب سے
شیرِ مہا لگا ہے قلمِ کس نوشت کو

یعنی راہِ ثواب سے منحرف ہونا ہی میرے مقدر میں تھا۔ (اعتراضِ معیت)

آئی اگر بلا تو جب گم سے نہیں ملے
ایرا ہی دے کے ہم نے بچایا ہے کشت کو

ایرا دینا: شطرنج کی اصطلاح میں حریت کے فہرہ کی زد سے بچانے کے لیے بادشاہ
کو اپنی جگہ سے ہٹانے کی بجائے کسی اور جہرے کو درمیان میں لانا۔ کشت: یعنی شاہ
(بادشاہ پر زد پڑا) یعنی بلا کے سامنے سے ہٹ جانا میرا شیوہ نہیں بجائے بچنے کے اپنے

وجود پر ہی اس بلا کو انگیز کر لیتا ہوں۔ (عزم و ثبات)
 غالب کچھ اپنی سعی سے لہنا نہیں چھے
 تو من جلے اگر نہ تلخ کھائے کشت کو
 لہنا، یعنی فائدہ۔ حاصل۔ یعنی مجھے اپنی محنت کا پھل نہیں ملتا۔ اگر کہتی کہ
 ٹڈی سے پکاؤں تو خرمن پر پھل گر پڑتی ہے۔ (ناکامی تدبیر)

(۱۱۹)

دوستہ اس سے ہیں کہ محبت ہی کیوں نہ ہو
 کیجئے بہائے جاتہ عداوت ہی کیوں نہ ہو
 دانتہ ہیں، سمجھنی ہم بے پدا ہیں۔ ظاہر ہے کہ محبوب ہر حال میں عداوت ہی کرے گا
 اس لیے عاشق چاہتا ہے کہ قلعہ یا قی مہے۔ اس سے غرض نہیں کہ محبت ہی ہو۔ (حسرت
 رابطہ با محبوب)

چھوڑا نہ نجد میں صوف نے رنگ اختلاط کا
 بے دل پر بار نقش محبت ہی کیوں نہ ہو
 نقش محبت: یعنی تعریف محبت۔ یعنی میل جول رکھنے کا تاب نہیں اب تو محبت کا خیال
 بھی گراں خاطر ہے۔ (خسگی یاں)

ہے عجب کو تجھ سے تذکرہ غیسر کا گلہ
 ہر چند بر بیل شکایت ہی کیوں نہ ہو
 یعنی میں تو قریب کا ذکر ہی سننا نہیں چاہتا خواہ بر بیل شکایت ہی کیوں نہ ہو۔ (دشمن)
 پیدا ہوئی ہے کہتے ہیں ہر درد کی دوا
 یوں ہو تو چارہ غم الفت ہی کیوں نہ ہو

یعنی جبراً بنا رہا ہے۔ کہ ہر دور کی دوا ہے یہ صحیح نہیں ہے۔ اگر یہ درست ہو تو
درد الفت کا کسی علاج نہ تھا۔ (سبے دہانی و رید عشق)

ڈالانا بے کسی نے کسی سے معاملہ

اپنے سے کھینچتا ہوں خجالت ہی کیوں نہ ہو

یعنی ایسا بے کس ہوں کہ کسی سے واسطہ ہی نہیں کہ اس کا شرمندہ احسان ہوتا۔ اگر
خجالت بھی کھینچی تو اپنے آپ سے کھینچی۔ غیر سے نہیں کھینچی۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کبھی کوئی
کام بنا تو اپنے ہی سے بنا غیر سے کبھی نہیں۔ ایک مفہوم بعید یہ بھی ہے کہ جیسی کے باعث
کسی سے معاملہ نہ ہونا خود میرے لیے باعث شرم ہے۔ (بے نیازی و بے تعلقی)

ہے آدمی بجائے خود اک محشر خیال

ہم انجن سمجھتے ہیں خلوت ہی کیوں نہ ہو

یعنی خلوت میں بھی ایک محشر خیال برپا ہے۔ گویا تنہائی میں ایک انجن ہے۔ (ذوق قصور)

ہنگامہ زبونی ہمت سے انفعال

حاصل نہ کیجے دھڑکے عبرت ہی کیوں نہ ہو

ہنگامہ: یعنی زیادہ۔ انفعال: یعنی اثر پذیری۔ اسی کو عبرت بھی کہتے ہیں۔

یعنی دھڑکے کا اثر مٹنے سے کم ہمتی بڑھتی ہے۔ لہذا دنیا سے کچھ لینا خواہ وہ عبرت ہی

کیوں نہ ہو ہمت ہمتی ہے۔ (درس خود اعتمادی)

دار ستنگی بہانہ مہیے گانگی نہیں

اپنے سے کر نہ غیر سے وحشت ہی کیوں نہ ہو

دار ستنگی: یعنی آزادگی۔ دیوانگی۔ یعنی آزاد منش ہونے کے لیے یہ ضروری نہیں ہے

ز سب سے بے گانہ ہو جاؤ۔ اگر بے گانہ ہونا ہے تو اپنے سے خود تیار ہے کہ ۔
 سے تو خوش کسی سے تعلق پر دل ہے ۔ (تعلق و استغلا با محبوب)

مشتابے فرت بہ فرمت۔ بستی کا غم کوئی
 عمر عزیز صرف عبادت ہی کیوں نہ ہو

یعنی ہر چند کہ عمر کو عبادت میں صرف کیا جائے زندگی کے گھٹنے پر غم ہی ۔ تسمے کو نہ
 غام خواہ عبادت کا موقع پھر بھی نہیں ملتا۔ مطلب یہ ہے کہ محلات حیات سے زیادہ قابل تہ
 کرتی شے نہیں۔ (قدیر صفت حیات)

اس قلندر خوش کے در سے اب اٹھتے نہیں آس

اس میں بہا سے سر پہ قیامت ہی کیوں نہ ہو

یعنی خواہ قیامت آجائے اب در محبوب سے نہ اٹھیں گے۔ و عزم الہیہ کو خیر محبوب۔

(۱۲۰)

قفص میں ہوں گرا چھا بھی نہ جانیں میرے شیون کو

مرا ہونا بڑا کیا ہے لڑا سنجان گلشن کو

یعنی جو آزاد ہیں انہیں مجھ گرفتار کی فریاد سے اگر کچھ غام نہیں تو نقصان ہی کیا ہے

جب کہ میں قفس میں ہوں اور وہ چمن میں ۔ پھر میرا ہونا انہیں کیوں ناگوار ہے ۔ (شکوہ
 آزدو گئی ہے سب)

نہیں گرا ہمدی آساں نہ ہو یہ رشک کیا کم ہے

نہ دی ہوئی خدا یا آندو شے دوست دشمن کو

یعنی انا کہ قیاس محبوب کا ہوم نہیں بن سکتا لیکن میرے لیے تو یہی رشک بہت ہے

کہ اس کے دل میں میرے محبوب کا خیال رہے۔ بقول اسے:
 شرکتِ غم بھی نہیں چاہتی غیرتِ میری غمِ کہ ہو کے وہ ہے یا شبِ وقتِ میری

(شکستِ قیاس)

نہ نکلا آنکھ سے تیری اک آنسو اس جِ راحت پر
 کیا سینے میں جس نے نوچکاں مڑگاں سوزن کو
 یعنی زخمِ سنے کے وقت سوزن کی آنکھ سے بھی بوجہ رقتِ خون کے آنسو نکل پڑے لیکن
 افسوس کہ تجھے رحم نہ آیا۔ (شکوہ بے رحمی) یا (اتجاہے کم)
 خدا تر سائے ہاتھوں کو کہ رکھتے ہیں کشاکش میں
 کبھی میرے گریباں کو کبھی جاناں کے دامن کو
 یعنی میرے ہاتھ کے وہی کام ہیں یا تو دشت میں گریبان چاک کرنا اور یا اضطراب
 میں جاتے ہوئے محبوب کا دامن کھینچنا گویا دشت یا اضطراب سے کبھی خالی نہیں۔
 (میانِ دوامِ اضطراب)

ابھی ہم قتل گہ کا دیکھنا آسانی سمجھتے ہیں
 نہیں دیکھنا ثنا و درجوں میں تیرے تو سن کو
 یعنی قتل کا دیکھنا (یا عشق کی آزمائش میں پڑنا) جیسی تک آسان معلوم ہوتا ہے کہ ہم
 نے اے محبوب تیرے گھوڑے کو دریائے خون میں تیرے نہیں دیکھا۔ گویا تیری سفاکی ابھی
 آزمائش میں نہیں آئی۔ (مشکلاتِ عشق)

ہوا چرچا جو میرے پاؤں کی زنجیر بننے کا
 کیا بیابانِ کال میں جنبشِ جوہر نے آہن کو

یعنی میری بے قراری کہہ پیش نظر جب میرے پاؤں کی زنجیر ہٹنے کا چہچہا ہوا تو کان کے
 رومے میں بھی اضطراب پیدا ہو گیا کہ کسی بے قرار کی زنجیر یا ہٹنے والا ہوں یا، اور کی بتوں پر برہان
 کی جیش (دھمک) سے عیاں ہے۔ (مبالغہ اضطراب)

خوشی کیا کیفیت پر میرے اگر سوا بارہا ہو آئے
 سمجھتا ہے کہ ڈھونڈے ہے ابھی سے برق خرمین

یعنی میری بالورسی کا یہ عالم ہے کہ اگر کیفیت پر بادل آتے ہیں تو کوئی امید نہ سننے کو ہی ملے
 مجھے یہ خیال ہوتا ہے کہ سب اچھی سے میرا خرمین ڈھونڈنے آگئی ہے۔ ایسے ڈھونڈنے میں بادل
 سے کیا خاک خوشی ہو۔ (بالورسی و نامادگی)

وفا و اداری بشرط استواری عین ایساں ہے
 مرے بتھلنے میں تو کعبہ میں گمار ڈو برٹھسہ کی

یعنی اصل ایمان و فاداستقامت ہے۔ خواہ کسی سے بھی ظاہر ہو۔ چنانچہ اگر جو ہمیں
 بھی بت خدا کا وفادار ہو کہ وہیں پر جان دے تو میرے نزدیک وہ بھی ایسا مومن ہے
 جس کو کعبہ میں دفن کیا جائے۔ (دوسرا وفادار استقامت)

شہادت تھی ہری قسمت میں جو دی تھی یہ خو مجھ کو
 جہاں تلوار کو دیکھا جھکا دیتا ہوں گردن کو

یعنی تلوار کو دیکھ کر گردن جھکا دینے کی عادت اس امر کا ثبوت ہے کہ قسمت
 میں شبہ نہ ہونا لکھا ہے۔ (ذوق سرزدشتی) یا (عشق نامادگی نظری)

نہ لٹا دن کو تو کب رات کو یوں بے خبر سوتا
 رہا کھٹکا چوری کا ر عادتیا ہوں رہ ہرن کو

یعنی: نثرن اشعار یہ کہ سب کچھ لوٹ کر لے گیا اب بچہ کسی چیز کا فکر نہیں کرتا
 وہ آرام سے سوتا ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ جاہ و مال کے ہٹاؤ میں کبھی سکون حاصل
 نہیں ہو سکتا۔ (دورن ترزا) یا دند مستہ (مبارخ دنیا)

سخن کیا کہ نہیں سکتے کہ جو یا ہوں جوابہر کے
 جگر کیا ہم نہیں۔ کہتے کہ کھو دیں جا کے معدن کو
 یعنی: بیمار اسخن خبر ہے اور ہمارا جگر معدن (خون سخوری و جگرہ دی)
 مرے شاہ سلیمان جاہ سے نسبت نہیں غالب
 فریدوں و جم و کینہ و دوار اسب و بہمن کو
 یعنی: یہ صوفی کی شان، شایان عجم سے فائق تر ہے کہ وہ رتبہ میں شہرت سلیمان
 عیسا ہے۔ (مدیح سلطان)

(۱۲۱)

دھوتا ہوں میں جو پینے کو اس سیمرن کے پانو
 رکھتا ہے ضد سے کھینچ کئے باہر لگن کے پانو
 یعنی: محبوب، یہ ضدی ہے کہ اس کا پاؤں دھو کر پینا چاہتا ہوں تو لگن سے پاؤں
 کھینچ لیتا ہے۔ (عربیہ جوئی محبوب)
 دی سادگی پہ جان، پڑوں کوہ کن کے پانو
 مہیہات کیوں نہ ٹوٹ، گئے پیر زن کے پانو
 سادگی، یعنی خلوص اور مکر و دہی۔ سے خالی ہوتا پانو پڑنا: توقیر بجا لانا۔
 یعنی: فریاد کی جان یوں گئی کہ وہ پر خلوص تھا اور فریب ناک شہنا تھا لہذا اس کی توقیر واجب

سے یکن پر سیا پڑی سب تھی۔ ہاشم و شہباز کے منہ کی چھوٹی چمکناک اور زوردار
پاؤں، وہی خود کی غشی جیتے میں کو ایک ہر شہباز کے منہ کی چھوٹی چمکناک اور زوردار

بھانگے تھے ہم بہت، سو اسی کی مڑا ہے

ہو کر اسیر دابھے میں راہزن کے پاؤں

پاؤں دانا کنہ یہ سب طبع و قیام و قہار ہوا ہونے سے۔ راہزن۔ ان پر ز

نہت۔ یعنی ہم جس قدر بہت سے جاگے اتنا ہی دھمکیت میں شرف میں رہنا ایک
تشبیہ کے شہباز و شہباز کی۔ راہزن کے ناگزیر و شوق

مرہم کی جستجو، پھر ہوں جو دور دور

تن سے سوز نگار ہیں اس تختہ تن کے پاؤں

مطلب یہ ہے کہ نظم سے زیادہ ذہن و علاقہ کی جستجو میں ہے تعلیم و تہذیب

القدر سے ذوق دشت، نور دی کہ بعد مرگ

بہتے ہیں خود بخود مرے اندر کفن کے پاؤں

یعنی میرے ذوق مہر نور کی دایہ عالم سے کہ مرنے کے بعد بھی میرے پاؤں خود بخود
سہتے ہیں۔ درمیانہ ذوق دشت نور دی

سے جوش گل بہانہ میں یاں تک کہ ہر طرف

اڑتے ہوئے الجھتے میں مرغ چمن کے پاؤں

یعنی چمن میں پھولوں کی اتنی کثرت ہے کہ اڑتے وقت مرغ چمن کے پاؤں پھولوں

میں الجھ جاتے ہیں۔ درجے پناہی و ذوق دشت (جلوہ حسن)

شب کو کسی کے خواب میں آیا نہ ہو کہ ہیں

دکھتے ہیں آج اس بُت نازک بدن کے پاؤں

یعنی محبوب اتنا نازک ہے کہ پیروں سے چل کر آنے کا تو ذرا کیا اگر کسی کے خواب میں
 بھی آئے تو اسی کے پاؤں میں چھالے پڑ جائیں۔ (ببالغہ نزاکت محبوب)
 نمائندہ مرے کلام میں کیونکر مزہ نہ ہو
 پیتا ہوں دھوکے خسرو شیریں سخن کے پانو
 خسرو شیریں سخن: مراد بادشاہ۔ یعنی میرے کلام کی غزلیت نتیجہ ہے خسرو شیریں سخن
 کے پاؤں دھوکہ کر پینے کا۔ (روح سلطنت)

(۱۲۲)

واں اس کو ہولِ دل ہے لڑیاں میں ہوں ٹٹرا
 یعنی یہ میسر ہی آہ کی تاثیر سے نہ ہو

یعنی مجھے یہ شرمندگی ہے کہ بابا میری آہ کے اثر سے مشق کو اختلاجِ قلب لاحق
 نہ ہو۔ (پاسلہ مثنوی خاطرِ محراب)

اپنے کو دیکھتا نہیں ذوقِ ستم تو دیکھ
 آئینہ تاکہ دیدہ پنجہ سے نہ ہو

تاکہ: بمعنی جب تک۔ یعنی کشتہ نازِ مشق کی پیمرائی ہوئی آنکھ کا آئینہ جب تک
 نہ ہو وہ اپنی صورت نہیں دیکھتا۔ مطلب یہ ہے کہ اس کی صورت صرف کشتگانِ مشق کی
 آنکھوں ہی میں دیکھی جاسکتی ہے۔ (ببالغہ جانستائی حسن)

(۱۲۳)

واں پہنچ کر خوش آتا ہے ہم ہے ہم کو
 صدرہ آہنگِ زمیں بوسِ قدم ہے ہم کو

یعنی کوچہ محبوب میں پہنچ کر حجاب بارغش آ رہا ہے یہ غش نہیں بلکہ سینکڑوں بار زمین
تہیم کو چومنے کے لئے جھکتا ہوں کہ اس نے مجھے یہاں تک پہنچایا۔ (مقام کوچہ محبوب)
یا (خیز زاریت کو مٹے محبوب)

دل کو میں اور مجھے دل محروم رکھتا ہے
کس قدر ذوق گرفتار تھا ہم ہے ہسم کو

”دل“ اور میں غالباً استعارہ ہے جذبات و خیالات۔ ہے۔ یعنی عشق کے باب میں میرے
جذبات اور خیالات ایک دوسرے کے وفادار (مؤید) ہیں۔ یا ہم معنی غم اور مراد غم عشق
و غلوں۔

ضغ سے، نقش پے مور ہے، طوق گردن
تیرے کو چہ سے کہاں طاقت ہم ہے ہم کو

طوق گردن ہونا یا گٹھے کا پھندا ہونا۔ یعنی ملنے سے باز رکھنا۔ یعنی میری ناتواقی کا
یہ عالم ہے کہ چوٹی کا نقش قدم بھی طوق گردن کی طرح مائع حرکت یا گراں معلوم ہوتا ہے
کہ اس سے باہر نہیں نکل سکتا۔ پس جب کہ یہ حال ہے تو تیرے کو چہ سے بھاگ کر کہاں
جاسکتا ہوں۔ (ببالغہ ضغ و التزام کوچہ محبوب)

جان کر کیجئے تنافل کہ کچھ اتسید بھی ہو
یہ نگاہ غلط انداز تو ہسم ہے ہم کو

نگاہ غلط انداز، دو نظر جو غلطی سے پڑ جائے۔ تنافل، یعنی اظہار بے نیازی۔
یعنی اگر یہ معلوم ہو کہ جان کر بے اتفاقی کا اظہار کیا گیا ہے تو پھر بھی اتفاقات کی امید رہتی
ہے۔ کیونکہ دانستہ بے اتفاقی بھی ایک طرح کا اتفاقات ہے۔ لیکن اگر یہ معلوم ہو کہ جو

نظر پڑی تھی وہ غلطی سے تھی تو یہ ہم یا سامان موت ہے۔ (تلخی احساس بے انتہائی محبوب)

رنگِ ہم طرحی و دردِ اثرِ بانگِ حزیں

نالہ مرغِ سخنِ تیغِ دودم ہے ہم کو

یعنی مرغِ سخن کی آوازِ عجب پر دودھاری تلوار کا اثر رکھتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ دو

طرح سے جان لیا ہے۔ ایک تو اس سے کہ عجب رنگ آتا ہے کہ اس کی آواز میری آواز

کی طرح درد بھری ہے۔ دوسرے یہ کہ اس میں فی الواقع درد ہے جس سے میں متاثر ہوتا ہوں۔

(دید مندی دلِ حزیں)

سراڑانے کے جو وعدہ کو مکرر چاہا

ہنس کے بولے کہ تو ہے سر کی قسم ہے ہم کو

یعنی جب میں نے کہا کہ اچھا پھر وعدہ کر دو کہ میرا سر ضرور اڑا دو گے تو محبوب نے مسکرا

کر کہا کہ مجھ کو تیرے سر کی قسم ہے۔ یعنی ضرور اڑا دوں گا۔ اب یہ کیسی ستم ظریفی ہے کہ جس

سر کو کاٹنے کا ارادہ ہے اس سر کی قسم کھاتی جا رہی ہے۔ اسی سے اعتبارِ قسم بھی معلوم ہوا۔

لیکن ظاہر ہے کہ سر کاٹنے کے مطالبہ پر عجب کا سکراما اُدا اسی سر کی قسم کھانا کیسی ضرورتاً کمینہ

شونی ہے۔ (بیانِ ستم ظریفیِ محبوب)

دل کے خوں کرنے کی کیا وجہ و سبب ناپاوار

پاسِ بے رونقی ویدہ افسوس ہے ہم کو

یعنی ہم دل کا خوں کرنے پر اس لیے آمادہ ہوئے کہ ہمیں اپنی آنکھوں کی بے رونقی

کا اندیشہ تھا۔ مگر یا آنکھ کی رونقِ اشکِ خونیں سے ہے۔ (زوقِ خوں قسانی)

تم وہ نازک کہ خموشی کو قفسِ دل کہتے ہو

ہم وہ عاجز کہ قفسِ دل بھی تم ہے ہم کو

یعنی تم میری خاموشی کو شکایت سمجھتے ہو اور میں تمہاری غفلت شہاری کو ستم سمجھتا ہوں
 اگرچہ بظاہر نہ وہ فغاں ہے نہ یہ ستم لیکن تمہاری نازک مزاجی اور میری عاجزی کے پیش نظر
 فی الواقع ایسا ہی ہے۔ (مسئلہ ناز و نیاز)

لکھنؤ آنے کا باعث نہیں گھٹتا یعنی
 ہوس میری دتا شاموہ کہہ دے مسم کو
 یعنی سیر دتا شاموہ کا شوق تو ہیں تھا نہیں پھر یہ ہم لکھنؤ کیوں آئے۔ یہ اشارہ ہے کسی
 شخص کے جذبہ پنہاں کی طرف۔ (کششِ اجاب)

مقطع سلسلہ شوق نہیں ہے یہ شہر
 عزم سیرِ نجف و طوفِ حرم ہے ہم کو
 یہ شعر تفریح ہے شرابا لکی یعنی درحقیقت محض لکھنؤ اگر ہمارا مسئلہ شوق مقطع نہیں
 ہو گا کیونکہ نجفِ اشرف کی زیارت اور طوافِ حرم کا بھی ارادہ ہے۔ (حسرتِ زیارات)
 یئے جاتی ہے کہیں ایک توقع غائب
 جادہ رہ کششِ کاتبِ کرم ہے مسم کو
 یہ شعر بھی شرابا لکی پر تنفر ہے۔ یعنی میں جو خیر شعوری طور پر مسافر ہوں تو یقیناً کوئی
 توقع پنہاں لیے جا رہی ہے اور میں کسی کے کرم کا امیدوار ہوں۔ گویا کششِ کاتبِ کرم میرا
 راستہ بن گئی ہے۔ (جذبہ یا ملین مطلوب)

(۱۲۴)

تم جا تو تم کو غیسرے جورِ رسم و راہ ہو
 مجھ کو بھی پرچھتے رہو تو کیسا گناہ ہو

ہر چند کہ عاشق اپنے محبوب کا تعلق غیر سے گزارا نہیں کرتا تاہم وہ جو یوں کہتا ہے
کہ غیروں کے ساتھ مجھے بھی پوچھ لیا کرو تو یہ ایک طعن کے طور پر ہے اور درپردہ یہ بھی
التجائے ترک تعلق رقیب ہے۔ یعنی اسے :

کون کہتا ہے نہ غیروں پر تم ادا کرو ہم خراوش بڑوں کو بھی کبھی یاد کرو (یہ)
(طعن تعلق باریب والتجائے اتفات)

بچتے نہیں موافقہ روزِ حشر سے

قاتل اگر رقیب ہے تم تو گواہ ہو

گواہ : یعنی موجود الوقت۔ یعنی تم سے یہ پوچھا جائے گا کہ اگر رقیب نے قتل

کیا تو تم جو وہاں موجود تھے کیوں نہ مانع آئے۔ (شکوہ رقیب نوازی)

کیا وہ بھی بے گنسہ گش و حق ناشناس ہیں

مانا کہ تم بشر نہیں خورِ شید و ماہ ہو

یعنی چاند سورج تو ایسے تم شمار نہیں پھر تم کیسے چاند یا سورج ہو۔ مشکئے استفہام

شکوہ مشوقی ہے۔ (شکوہ جبر و تم مشوق)

اُبھرا ہوا نقاب میں ہے ان کے ایک تار

مرتا ہوں میں کہ یہ نہ کسی کی نگاہ ہو

یعنی نقاب کا ایک تار جو ابھرا ہوا ہے اس میں کوئی شے ضرور الجھی ہوگی۔ اندیشہ

ہے کہ الجھنے والی چیز کسی کی نگاہ نہ ہو۔ (شاعر کو نگاہ تو کیا نگاہ کے شاربیس کوئی چیز گوارا نہیں آتی)

جب میکہ چھٹا تو پھر اب کیا جگہ کی قید

مسجد ہو مدد سب کوئی خانقاہ ہو

یعنی میکدہ کی کیا بات ہے کہ یہ جگہ بنی ہی سے نوشی کے لیے تھی۔ اگر وہ تھوٹ گیا تو اب خواہ کیسی ہی نامزدوں جگہ ہو مثلاً مسجد وغیرہ سب برابر ہے کہیں بھی پیوں گاجے کہ کچھ خلوت مسجدوں مکانی نیست۔ (سودی) (ذوق سے نوشی)

سننے میں جو بہشت کی تعریف سب رست

لیکن خدا کرے وہ تری جملہ گاہ ہو

شاعر یہ نہیں کہتا چاہتا کہ بہشت کی نعمتیں بے حقیقت ہیں لیکن اس کے بلو جو در دعا کہ خدا کرے وہ محبوب کی جملہ گاہ ہو۔ اشارت یہ جتنا ہے کہ اگر یہ نہ ہو تو وہ سب سچ ہے۔ (مقام جملہ محبوب)

غالب بھی گرنے ہو تو کچھ ایسا ضرر نہیں

دنیا ہو یا رب اور مرا بادشاہ ہوا

یعنی دعا ہے کہ بادشاہ غالب کے بعد بھی اسی طرح دنیا کا حکمران رہے کہ غالب کے نہ ہونے سے شانِ تجلی شاہ میں کوئی عرج نہ ہوگا۔ پہلا مصرعہ وجودِ شاعر کی اہمیت پر دال ہے۔ یعنی ہر چیز کہ غالب کی اہمیت اپنی جگہ پر ہے پھر بھی وہ نہ ہو تو مضائقہ نہیں۔ (دعا کے مقام دولت و اقبالِ سلطان)

(۱۲۵)

گئی وہ بات کہ ہو گفت گو تو کیونکر ہو

کے سے کچھ نہ ہوا پھر کہو تو کیونکر ہو

یعنی قطع نظر اس سے کہ محبوب سے عرضِ حال کا موقع کس طرح ملے۔ سوال یہ ہے کہ اگر وہ موقع ملا اور عرضِ حال کیا اور پھر اس کا کچھ اثر نہ ہوا تو کیا ہوگا؟ مطلب یہ ہوتے

کہ اس کا ہریان ہونا کسی طور ممکن نہیں۔ (درماندگی التجا)
 ہمارے ذہن میں اس فکر کا سے نام دھال
 کہ گرنے ہو تو کہاں جائیں ہو تو کیونکر ہو
 یعنی دھال کا تو امکان ہی نہیں۔ ہمارے نزدیک بس یہی دھال ہے کہ اس کے
 استعمال و امکان کے متعلق غور و فکر کرتے رہیں۔ (استعمال و دھال محبوب)

ادب ہے اور یہی کشمکش کو کیا کیجے
 حیا ہے اور یہی گو گو تو کیونکر ہو
 یعنی ہم پاس ادب سے عریضی تو نہیں کرتے اور وہ شرم سے پچکپاتے ہیں۔ ایسی
 صورت میں حصول مقصد معلوم۔ (عرائی جبریل تنہا)

تھیں کہو کہ گزارہ حسنم پرستوں کا
 بتوں کی ہوا اگر ایسی ہی ہو تو کیونکر ہو
 یعنی دوسرے مشرق میں اگر تھکے ہو جیسے ہو جائیں تو عاشقوں کا کیا حال ہو؟
 (شکوہ بے نیازی محبوب)

آجھتے ہو تم اگر دیکھتے ہو آئینہ
 جو تم سے شہر میں ہوں ایک تو کیونکر ہو
 یعنی تم کہ آئینہ میں بھی اپنا تہ مقابل نہیں دیکھ سکتے۔ اگر شہر میں فی الواقع تم حیا کوئی دھار
 ہو تو نہ معلوم کیا قیامت برپا ہو۔ دعا یہ جانا ہے کہ کوئی دوسرا سب سے ہی نہیں۔ (دیکھائی محبوب)
 جسے نصیب ہو رہی سیاح میرا سا
 وہ شخص دن نہ کہے رات کو تو کیونکر ہو

یعنی یہ سبختی کے باعث میرا دق بھی اس قدر تار یک ہو گئے کہ اس کے مقابلہ میں رات
باد جو داس قدر سیاہ ہونے کے دق معلوم ہوتی ہے یا اپنی سیاہ روزی کے باعث رات
کو دن ہی تصور کرتا ہوں۔ (بیانۂ سبختی)

ہمیں پھر ان سے اُمید اور انہیں ہماری قدر
ہماری بات ہی پوچھیں نہ وہ تو کیونکر ہو
یعنی جو بات تک نہ پرچھے اس سے اُمید انتہات یا اسے ہماری قدر کیا ہو سکتی ہے
(شکوۂ ناقدری خواستنی)

غلط نہ تھا ہمیں خط پرگساں تسلی کا
نہ مانے دیدہ دیدار جو تو کیوں کر ہو
یعنی ناثر محبوب سے تسلی پانا کوئی غلاب توقع امر نہ تھا لیکن آنکھیں جو شوق دیدہ ہیں
وہ مطمئن نہ ہوں تو کیا کیا جائے۔ (حسرت دیدار)

بتاؤ اس مژہ کو دیکھ کر کہ مجھ کو قرار
یہ نیش ہو رگ جاں میں فرو تو کیونکر ہو
یعنی ایسی مژگان جگر منڈک محبت میں قرار کس طرح آ سکتا ہے۔ (جگر وندنی مژگان)
مجھے جنون نہیں غالب دے بقول حضور
فراق یار میں تسکین ہو تو کیوں کر ہو

حضور: مراد بہادر شاہ معمر عثمانی غالباً انہیں کا ہے۔ یعنی یہ حالت جو نظر ہر
جنون ہے وراسل فراق محبوب میں اضطرابی کیفیت ہے جس کا کچھ علاج نہیں۔ (بیان
اضطراب حال)

بیان دینے سے بے کہیں دے دو۔ بظاہر عشق و فدا سے یزادی کا اظہار ہے یہ لیکن یہ پراثر
سوال معنی خیز ہے کہ آخر کیا بات ہے کہ تیرے دے کے سوا اور کوئی جگہ سر پھوٹنے کی نہیں۔

(یزادی از زیست و ناگزیری غم لغت)

قفص میں تجھ سے رُوحِ داد چہن کہتے نہ ڈر ہمدم
گری ہے جس پہ کل بجلی وہ میرا آشیاں کیوں ہو

شاعر نربان طاہر متعبد تلخی حقائق کو شبہات کے پردے میں پھپھایا دیتا چاہتا ہے چنانچہ
وہ اپنے ہمدوم طاہر آنا دے سے خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے کہ تو چہن میں بجلی گرنے کے اقد
کریاں کرنے میں جھپکا ہٹ محسوس نہ کر۔ کیا ضروری ہے کہ وہ بجلی میرے ہی آشیاں پر گری ہو۔
گویا طاہر متعبد کے تحت اشعار میں یہ اندیشہ موجود ہے لیکن اس کے لیے یہ علامہ اس قدر
اندوہناک ہے کہ اس کا تصور بھی دل سے دور رکھنا چاہتا ہے۔ (دُفرب خورشید)

یہ کہہ سکتے ہو ہم دل میں نہیں ہیں؟ پر یہ مسئلہ
کہ جب دل میں تمہیں تم ہو تو آنکھوں سے نہاں کیوں ہو
پہلا مصرعہ استفہام اقراری ہے۔ یعنی ایسے کا جو ہر وقت دل میں موجود ہے آنکھوں
سے اور جمل ہونا کیا ناٹھو۔ (التجاسس دیدار)

فلطیفے جذبِ دل کا شکوہ دیکھو جرم کس کا ہے
نہ کیچنچو گر تم اپنے کو کشاکش درمیاں کیوں ہو

یعنی میرے جذبِ دل کے اثر سے تم جو ایک کشمکش میں مبتلا ہو اس میں تصور خود
تمہارا ہے کہ خود کو کیچنچتے ہو اگر خود کو نہ کیچنچو اور میرے جذبِ دل کے تحت کیچنچ کر چلے آؤ
تو یہ کہنا کافی ہی کیوں پیدا ہو۔ (التجاسس عدم)

یہ فتنہ آدمی کی خانہ دیرانی کو کیسا کم ہے
 ہونے تم دوست جس کے اس کا دشمن آسمان کیوں ہو
 یعنی تھکے عشق میں قتل ہونا ہی ایک بڑی مصیبت ہے۔ گو یا تمھاری دوستی کے
 بعد آسمان کی دشمنی کا ضرورت نہیں۔ بقول:

آن را کہ توئی یار چه بے یار کس است
 دایم انجامی عشق
 و از آن کہ توئی دوست چه دشمن کام است
 (جہاں لہریاں صغیلا)

یہی ہے آزمائش توستانا کس کو کہتے ہیں
 عدد کے ہو لیے جب تم تو میرا امتحان کیوں ہو
 یعنی امتحان تو اس لیے تھا کہ اگر امتحان میں پورا اترا تو تم میرے ہو جاؤ گے۔ لیکن تم
 پہلے ہی غیر کے ہو گئے تو اب میرا امتحان کیوں؟ مطلب یہ ہے کہ غیروں سے تعلق میرے
 تانے کے لیے ہے امتحان دنا کے لیے نہیں۔ (طعن تعلق یار قیاس)

کہا تم نے کہ کیوں ہو غیر کے طے میں رسوائی
 بجا کہتے ہو پوچھ کہتے ہو پھر کہو کہ ہاں کیوں ہو
 مشوق کا یہ کہنا کہ غیر سے طے میں رسوائی کیا ہے ایک ایسی بات ہے کہ وہ خود
 اس کا قائل نہیں۔ یعنی غیر سے طے میں اگر رسوائی نہیں تو خود شاعر سے نہ طے کے لیے
 یہی بہانہ کیوں کیا جاتا ہے۔ تکرار تو ان کا مطالبہ مشوق کی اسی مزدوری کی نشان دہی کرتا
 ہے۔ (طعن تعلق اغیار و بہانہ جوئی مشوق)

نکالا چاہتا ہے کام کیا طعنوں سے تو غالب
 تر سے بے مہر کہنے سے وہ تجھ پر مہرباں کیوں ہو

یعنی طعنہ بے ہری سے معشوق کا ہیرا بن جانا تو ممکن ہے لیکن تجھ پر ہیرا بن جانا
کیا ضرور ہے۔ علاوہ اس کے طعنہ بری بات کے ارتکاب پر ہوتا ہے اور معشوق بے ہری
کو بری بات ہی نہیں سمجھتا تو اس طعنہ کا کیا اثر ہوگا۔ (شکوہ بے ہری)

(۱۲۷)

بہرے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو
ہم سخن کوئی نہ ہو اور ہم نہ ہاں کوئی نہ ہو
بے درد دیوار سا اک گھر بنایا چاہیے
کوئی ہمسایہ نہ ہو اور پاس ہاں کوئی نہ ہو
پڑھیے گر سیار تو کوئی نہ ہو تیسرا دروازہ
اور اگر مر جائیے تو نوحہ خواں کوئی نہ ہو

یہ غزل ایک مسلسل فہم ہے جس میں ابنائے زمانہ سے الگ تھلک رہنے اور ہنگامہ
دنیا سے کنارہ کشی کی آند و غماہر کی گشتا ہے۔ (بیزاد می ابنائے زمانہ)

۴

(۱۲۸)

از ہر تابیہ ذرہ دل و دل ہے آئینہ
طوطی کو کشش جہت سے مقابل ہے آئینہ

دل کنایہ از جلوہ گاہ جس کو آئینہ سے تعبیر کیا ہے۔ طوطی استعارہ از شاعر یا مخنور
یعنی دنیا کی ہر چیز جلوہ گاہ حقیقت ہے اور مخنور کی مثال اس دنیا میں ایسی ہے جیسے

طوطی کے سامنے ہر طرف آئینہ ہو کہ جدھر دیکھتا ہے سامانِ کشش موجود ہے۔ اسی حیرت کثر
میں وہ حیران ہے کہ کیا سمجھے اور کیا کہے۔ (دکترت جلوہ)

(۱۲۹)

ہے میسرہ نثار ہر در و دیوار غم کدہ
جس کی بہاریہ ہو پھر اس کی خزاں نہ پوچھ
یعنی ہماری بہاریہ ہے کہ گھر کے در و دیوار پر گھاس لگ رہی ہے گویا وہ کیفیت ہے
جو خانہ ویرانی کے تناٹے میں سے ہے۔ اب اندازہ لگاؤ کہ جس کو ہم بد کہتے ہیں وہ مؤید
ویرانی ہے تو خزاں کا کیا عالم ہوگا۔ (سبالت خانہ ویرانی)

ناچار بے کسی کی بھی حسرت اٹھائیے
دشوار ہی رہ و ستم بھریاں نہ پوچھ
یعنی دشواری راہ کے ساتھ ہمارا ہونے جو ناقابلِ بیان ستم ڈھالی ہے اس کے
پیش نظر تو مجھے اب یہی حسرت ہے کہ بے کسی ہی رہے۔ (آٹمی مسیحت جو رات شکوہ ابتداء نے لکھا)

ی

(۱۳۰)

صد جلوہ زور و جبر ہے جو مڑگاں اٹھائیے
طاقت کہاں کہ دید کا سامان اٹھائیے
دیکھا سامان: کن یا ز خرگان چشم۔ یعنی چمک اٹھاتے ہی جلوہ محبوب سامنے ہے
لیکن شکل یہ ہے کہ چمک اٹھانے کی بھی تاب نہیں۔ (دشوار ہی قاپ جلوہ)

بے سنگ پر براتِ معاش جس جنوں کا عشق
یعنی ہمنوزِ منستِ طفلِ لال اٹھائیے

براتِ معاش : بمعنی گزارا۔ یعنی اہل جنوں کا گزارا ان پتھروں پر ہے جو دیوانوں
پر رڑکے پھینکتے ہیں۔ لہذا اس کے لیے لڑکوں کا ہی زیرِ بارِ احسان ہونا چاہیے گا۔
دگدگیِ معاشِ عشق

دیوارِ بارِ منستِ مزدور سے بے خم
اسے خانماںِ خراب نہ احسان اٹھائیے

یعنی خرابہ زندگی کی تعمیر کے لیے کسی کا احسان نہ اٹھانا چاہیئے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ
دیوارِ مزدور کے بارِ احسان سے بھکی جاتی ہے۔ گریا تعمیر کے ساتھ تخریب کے آثار
حیاں میں۔ پس ایسی تعمیر کیا جس کا انجام تخریب ہے۔ (منہجِ اہمکِ عیشِ دنیا)

یا میرے زخمِ رشک کو دسوانہ کیونے
یا پردہِ تبسم پہناں اٹھائیے

پردہ اٹھانا : بمعنی سبب کا ظاہر کرنا۔ یعنی یا تو سبب معلوم ہو کہ یہ جیسی سکرہٹ
جو یا عدمِ حقارتِ آمیز ہوئی ہے کیوں ہے؟ اگر یہ راز نہیں بتایا جاتا تو میرے زخمِ
رشک کو کیوں بنام کیا جاتا ہے کہ یہ رشک بے سبب ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ مشوق کے
درِ پردہ سکرانے سے مجھے رشک ہوتا ہے اور زخمِ رشک پاشی کی جاتی ہے مگر تعلقِ بائیں

(۱۴۱)

مسجد کے زیرِ سایہ خراباست چاہیئے
بھوں پاس آنکر قبلہ حاجات چاہیئے

یہ ایک شوخی آمیز و ندانہ طنز ہے کہ محراب ابرو کے نیچے چشم مست کا ہونا جو اپنی
 جنبش سے سبب کی مراد پوری کرے یا سب کو مست کر دے ایسا ہی ہے جیسے مسجد کے
 زیر سایہ مینا نہ۔ (بیان مستی انگیزی ٹٹا)

عاشق ہوئے ہیں آپ بھی ایک شخص پر
 آخر تم کی کچھ تو مکافات چاہیئے

یعنی اب کسی سے عشق ہو گیا ہے آپ کو بھی اسی طرح تم بہنے پڑیں گے جیسا کہ عاشق
 بہتے ہیں۔ (مکافات مل) یا (طبع تعلق رقیب)

دے داد اسے فلکِ حسرت پرست کی
 ہاں کچھ نہ کچھ تلافیٰ مکافات چاہیئے

یعنی اسے آسمان اگر کوئی حسرت نہیں نکلتی تو کم از کم اس کی داد تو ملنی چاہیے کہ میرے
 دل میں کتنی حسرتیں ہیں جن کی پرستش کرتا ہوں یا دل سے قدر کرتا ہوں۔ (بیان کثرتِ آمل)

سیکھے ہیں مہ زخوں کے لیے ہم مصدق
 تقریب کچھ تو بہر ملاقات چاہیئے

یعنی ہم نے مصدق اس لیے سیکھے ہیں کہ عینوں سے ملاقات کی راہ نکلے۔ (ذوقِ نظر)

مے سے غرض نشا ط ہے کس دوسیاہ کو
 اک گونہ بخود ہی تجھے دن رات چاہیئے

یعنی شراب اس لیے پیتا ہوں کہ بخود ہوں اس لیے نہیں کہ نشا ط حاصل ہو۔ بقول،

مے خود دین من نہ از برائے طرب است نے بہر فساد و ترکِ دین و ادب است

خواہم کہ بے خود سے برآرم نفے سے خودان دست و پا نہیں سبب است

(خاتون بے خودی)

سے رنگ لالہ و گل و نسریں جدا جدا
ہر رنگ میں بہار کا اثبات چاہیے

یعنی پھل کے رنگ مختلف اس لیے ہیں کہ ہر رنگ میں (ہر طرح سے) بہار ثابت ہو۔
نت غلطی ہوگی اگر مختلف رنگوں کو دیکھ کر ان کے مختلف اسباب کا تصور کیا جائے۔ (ظہور
وعدت و درکثرت)

مہر پائے ختم پہ چاہیے ہنگام بخودی
زود شوئے قبلہ وقت مناجات چاہیے
یعنی یہ حسب گردش پیمائے صفات
عارف ہمیشہ مست مٹے ذات چاہیے

یہ دو اشعار قطع بند ہیں۔ پہلے شعر میں مصرعہ ثانی تخیل ہے مصرعہ اولیٰ کی۔ یعنی مست و
سے خود کو اپنا سرخ شراب کہے قدموں میں جھکانا چاہیے کہ یہ مستی وہی بخشا ہے۔ چنانچہ ثلث
حاجت مانگنے کے وقت حاجت دعا کی جانب منکرنا ضروری ہوتا ہے۔ دوسرا شعر اس
تخیل کا مدعا ہے کہ اصل معرفت جو پیمائے صفات میں بار بار معرفت ذات حق کی شراب پیتا
ہے وہ ہمیشہ پیمائے صفات سے قطع نظر مٹے ذات سے ہی مست و بخود رہتا ہے مگر پیمائے

صفات اسے ذات حق سے فاعل نہیں کرتا۔ (مشاہدہ و مدت و درکثرت)

نشو و نما ہے اصل سے غالب فردع کو

خاموشی ہی سے نکلتے ہیں جویات چاہیے

مصرعہ ثانی تخیل ہے مصرعہ اولیٰ کی۔ یعنی اصل "مبداء ہے" فردع "کا۔ جس طرح خاموشی

مبداء ہے سنہی "کلیکاس کی ابتدا خاموشی ہے۔ تمام مٹے تخیل یہ ہے کہ تمام کائنات کی

اصل عزت واحد ہے اور یہ ایک ایسی بات ہے جس کو بیان نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ اس باب میں غاروش رہنا ہی بیان کر دیتا ہے۔ (مہر و مدت الوجود)

(۱۲۲)

بساطِ عجز میں تھا ایک دل یک قطرہ خون وہ بھی

سور ہتا ہے باندا ز چکیدن سرنگوں وہ بھی۔

بساط: یعنی اثاثہ۔ یعنی مجھ عاجز کا کل اثاثہ بجز ایک دل کے کہ صرف یک قطرہ

خون پر مر اور کیا تھا۔ سو یہ قطرہ خون بھی میں ایسا بے کرا یا اب گرا اگر۔ بقول:

دریاب کرماندہ است ز دل قطرہ خونے ان قطرہ ہم ز دست تو برینہ چکیدن

(تباہ عانی عاشق) رنعت خاں مالی

رہے اس شوخ سے آزرده ہم چندے تکلف کے

تکلف بر طرف تھا ایک انداز جنوں وہ بھی

تکلف بر طرف: یعنی درحقیقت۔ یعنی درحقیقت یہ بھی ایک دیوانہ پن ہی تھا

کہ ہم یہ تکلف محبوب سے روٹھے رہے کہ شاید بالیہ التفات ہو۔ لیکن اس طرح التفات کا توقع

پاگل پن ثابت ہوئی۔ (شکوہ بے التفاتی)

خیالِ مرگ کب تسکین دل آزرده کو بخشے

مرے دامِ تمنا میں ہر ساک صید زبوں وہ بھی

صید زبوں: یعنی ناکارہ شکار جو شکاری کے کام کا نہ ہو۔ یعنی خیال تھا کہ کاش

موت آجائے تو دل آزرده کو تسکین ہو۔ لیکن یہ تمنا بے موت بھی خیر اور تمناؤں کے ایک

بے کاری تمنا ہے کہ وہ پوری ہوتی معلوم نہیں ہوتی۔ (دامِ اضطراب)

نہ کرتا کاش نالہ مجھ کو کیا معلوم تھا ہمد
کہ ہو گا باعث افزائش درد و دواں وہ بھی

یعنی تامل و زاری سے سکون کی بجائے درد بھی دردِ دل میں اضافہ ہو گیا۔ (دواں اضطراب)

نہ آتا ترشش تیغ جفا پر نازِ فداؤ
مرے دریائے بے تابی میں ہے اک موجِ خوئے بھی

یعنی میری بے تابی تمہاری جفا کی مرہونِ منت نہیں ہے۔ تیغِ جفا کی تیزی و تندگی بھی
میرے بیانی و اضطراب کے دریا کی مرث ایک موج ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میرا اضطراب جفا
پر قوت نہیں۔ یہ نہ ہوتے بھی اضطراب رہے گا۔ اس سے تو مرث آنا اضافہ ہی جیسے کر دیا
میں ایک موج۔ (بیانِ اضطراب)

مٹے عشرت کی خواہش ساقی گردوں سے کیا کیجے
لیے بیٹا ہے اک دو چار حکمِ دازگوں وہ بھی

یعنی آسمان کسی کو شراب پیش کیا دے سکتا ہے اس کے پاس خود چند پیالے نہیں وہ
بھی ہنڈے (خالی) پیالوں سے مراد آسمان خود یا اس کے چاند، سورج اور سیارے۔ بقول
آسمان جامِ نگوں داں کوٹھے عشرت تھی است جتن سے اندھنی سا غرناں ایلھی است

(بیانی عشق)

مرے دل میں ہے غالب شوقِ وصل و شکوہِ بھراں
خدا وہ دن کرے جاس سے میں یہ بھی کہوں وہ بھی

یعنی یہ دل چاہتا ہے کہ ایک دن مجھ کے سامنے اشتیاقِ وصل بھی بیان کر دوں اور

جدائی کی شکایت بھی۔ (حسرتِ مرضی حال)

(۱۲۲)

یہ بزمِ تباہی میں سخن آزرده لبوں سے
تنگ آئے ہیں ہم ایسے خوشامدِ طلبوں سے

سخن لبوں سے آزرده ہے: یعنی لب کچھ بول نہیں پاتے۔ یعنی خوشامد پسندوں نے
اظہارِ حق سے روک دیا اور اس قدر تنگ کیا ہے کہ اب میں عشرتوں کی بزم میں بھی کھانا نہیں
ادا نہیں کرتا چاہتا۔ (خدمتِ خوشنما)

بے دردِ قدح و حبِ پریشانی صبا
اک بار لگا دو خمِ محبتِ لبوں سے

یعنی شراب کو یہ زحمت کیوں دو کہ پیالہ میں تھوڑی تھوڑی ٹکڑی اوردیاری باری سے منجرا دیا
کوٹھے کیوں نہ شکا ہی یہ سے منہ سے نکال دیا جائے۔ (ذائقِ مہرِ نوشی)

دندانِ درمیکردہ ستاخ ہیں زاهد
زہارِ قہر ہوتا طرفِ ان بے ادبوں سے

طرفِ ہونا: یعنی آمادہٗ مخالفت ہونا۔ یعنی اسے زہارِ زندگستخ ہیں ان سے مقابلہ
نہ کرنا۔ ان کی پاسداری کا اظہار اور پردہ زندوں کی برتری کا اظہار۔ ہمے اور معاہدہ ہے کہ
زندوں کے مقابلہ میں زیادہ آقا اس کی بے حرستی ناگزیر ہے۔ (آئنا دہشتی دندان)

بیدار دونا دیکھ کہ جاتی رہی آخر
ہر چند میری جان کو تھارِ بطل لبوں سے

یعنی تیری وفاداری سے یہ غضب کیا کہ میری جان کو آخر لبوں سے بھی جہاں پردہ اٹکی
ہوئی تھی جہاں کر دیا۔ پایہ کہ جان بلب کو تھا ہی اب جان جاتی ہی رہی۔ (جان گداڑی دنا شاکر)

۱۳۴

تا ہم کو شکایت کی بھی باقی نہ رہے جا
سُن لیتے ہیں گویا ذکر ہمارا نہیں کرتے

یعنی محبوب کی خوشنودی دیکھو کہ ہمارا ذکر کرتا نہیں میں کوئی اور کرے تو سن لیتا ہے۔

تاکہ یہ کہنے کو جو نہ رہے کہ وہ میرا ذکر مستاپسند نہیں کرتا۔ (عیارنی مشوق)

غالب ترا احوال سنا دیں گے غمِ مِسمِ ان کو
وہ سن کے بلا لیں یہ اجارا نہیں کرتے

یعنی یقین نہیں کہ خستہ حالی عاشق کو سن کر محبوب اسے اپنے پاس بلا لے۔ ویسے راجی و

بے انتہا محبوب

(۱۴۵)

گھر میں تنہا کیا کہ ترا غمِ مِسمِ اے نارت کرتا
وہ جو کہتے تھے ہم اک حسرتِ تعمیرِ سو ہے

یعنی گھر میں پہلے ہی کچھ نہیں تھا جسے غمِ عشق برباد کرتا۔ ایک تعمیرِ حسرت تھی سو اب

بھی بے معنی ازل سے خانہ دیدار ہیں۔ خانہ دیدارنی ازل

۱۳۶

غمِ دنیا سے گربانی بھی فرست، سراٹھانے کی
فلک کا دیکھنا تقریبِ تیرے یاد آنے کی

تقریب: معنی واسطہ۔ ذیلید۔ یعنی اول تو غمِ دنیا سے سراٹھانے کی فرست نہیں

مگر کچھ فرست مل اور سراٹھایا آسمان پر نظر پڑی جسے دیکھتے ہی تیری یاد آ جاتی ہے کہ تو

بھی ایسا ہی حتمی ہے۔ اور تیری یاد بچائے خود ایک غم ہے گویا غم دنیا سے سراسر اٹایا تو
تیرا غم موجود ہے۔ (جادو انی غم)

گھلے گا کس طرح مضمون مرے مکتوب کا یا رب
قسم کھائی ہے اس کا فرنے کا غز کے جلائے کی

قسم کھانا دو مفہوم رکھتا ہے: کسی کام کے کرنے کا عہد کرنا یا کسی کام کے نہ کرنے کا عہد
کرنا۔ بصورتِ اقل یہ معنی ہوں گا اس کر میرے مکتوبِ محبت سے اتنی نفرت ہے کہ اس
نے ہر کاغذ کو جلا دیئے کہ قسم کھالی ہے۔ اب میرے خط کا مضمون کیونکر گھلے گا۔ بصورتِ
ثانی یہ مطلب ہو گا کہ مکتوب میں میری سوزنا مانی کی جو کیفیت مذکور ہے اس کا نقشہ کاغذ
کو جلا کر ہی پیش کیا جاسکتا تھا لیکن مجرب نے قسم کھائی ہے کہ کاغذ نہ جلائے گا تو عرضِ مدعا
کیوں کر ہو۔ (دشوازی عرض حال)

پشنا پر نیاں میں شعلہ آتش کا آساں ہے
وے شکل ہے حکمتِ دل میں سوزِ غم چھپانے کی

یعنی آگ کے شعلوں کا پر نیاں میں پیٹ لینا متابعتِ آساں ہے لیکن سوزِ غم کو دل
میں چھپانے کی تدبیر شکل ہے۔ بقولِ امیہ:
وے کہ عاشق و محرابِ بود مگر سنگ است ز عشق تا بوردی ہزار فرنگ است ونگ
(استاذِ اخلائے عشق)

انہیں منظور اپنے زنجیروں کا دیکھ آتا تھا
اٹھے تھے میرنگل کو دیکھے شوخی بہانے کی

یعنی اپنے زنجیروں (عشاق) کو دیکھنے کا امداد تھا لیکن اٹھے یہ کہہ کر کہ میرنگل کو جاتا ہے

یہ شوخی قابلِ دید ہے کہ گویا زخمی دلوں کو دیکھنا اور پھوٹوں کی سیران کے نزدیک
ایک ہی بات ہے۔ یعنی اسے :

بولے یسٹل آئینہ بے ہسرتی تاملی کہ اندازِ بخوں غلطیوں پہل پسند آیا
(بے رمی مشوق)

ہماری سادگی تھی اتناستِ ناز پر مرنا
تو آتا نہ تھا ظالم مگر تمہیں جاننے کی

یعنی تیرے آنے کو ہم نے تیری میراثی سمجھا اور اس اتناستِ ناز پر مرے حالِ نکلے مرے
اس لیے آیا تھا کہ اگر چلا جائے اور ہم کو ستارے رنجور ہی وقت کر جائے۔ (اتناستِ ناز آفریں)

لگدگرب حوادث کا تحمل کر نہیں سکتی
مری طاقت کہ ضامن تھی توں نے ناز اٹھانے کی

یعنی میرے ضعف کا یہ ظلم ہے کہ حوادثِ عالم کی ٹھکر بھی نہیں جھیل سکتا حالانکہ میں
مشقوں کے ناز اٹھانے کی طاقت رکھتا تھا گو ناز برداری میرا تو اتنا مشکل ہے کہ حوادثِ
عالم اس کے مقابلے میں کچھ نہیں۔ (سنجی تحمل ناز مجھوں)

کہوں کیا خوبی اوضاعِ ابتائے زباں غالب
بدی کی اس نے جس سے ہم نے کی تھی بارِ ہائیک

خوبی طرزاً یعنی برائی۔ یعنی اہل دنیا کے ڈھنگ کیسے برے ہیں کہ جس سے نیکیاں
کیں اس نے ہم سے برائی کی۔ (ناحق شنائی ابتائے زبان)

حاصل سے ہاتھ دھو بیٹھا اسے آندو خرامی
دل جوشِ گرہ میں ہے ڈوبی ہوئی اسامی

آئندہ خواہی : یعنی آئندہ سے لڑنا ۔ ڈوبی ہوئی اسامی و بجی ایسا صاحب معاملہ
جس سے کچھ وصول ہونے کی امید نہ ہو ۔ یعنی دل میں کتنی ہی آئندہ میں آئیں اس سے کچھ حاصل
نہ ہوگا کہ وہ جوش گریں ، ڈوبا ہوا ہے اور ظاہر ہے کہ خالی روئے سے کیا حاصل ہوتا ہے ۔
گویا دل ایک ایسی ڈوبی ہوئی اسامی ہے جس سے کچھ حاصل ہونے کی امید نہیں ۔ (دیوان اس)

اس شمع کی طرح سے جس کو کوئی بجھ جائے

میں بھی جلے ہوؤں میں ہوں داغ ناتامی

داغ ہونا : یعنی قاتل ہونا ۔ یعنی بجھی ہوئی شمع جس کو شمع کشتہ کہتے ہیں ۔ کشتہ
ہو کر بھی ختم یا تمام نہیں ہو جاتی ، یہی حال میرا ہے کہ کشتہ ہوں اور خستہ لیکن مجھے اپنی ناتامی
پر افسوس ہے کہ ختم نہیں ہوا جس کی حسرت ہے ۔ بقول شاعر :

اے ناتامی نقب شدہ یا ر حیف ! (حسرت مرگ)

(۱۲۸)

کیا تنگ جسم تنگ زدگاں کا جہان ہے

جس میں کہ ایک بیضہ مود آسمان ہے

یعنی ہم مخلوقوں پر دنیا ایسی تنگ معلوم ہوتی ہے کہ میری گنجائش تو کیا ہوتی وہاں تو
ایک چیرنی کا انڈا بھی آسمان کے برابر معلوم ہوتا ہے ۔ (تنگی و غم حیات)

ہے کائنات کو حرکت تیرے ذوق سے

پر تو سے آفتاب کے رے میں جان ہے

جان : مراد چمک اور حرکت : یعنی جس طرح ذرہ میں آفتاب سے چمک اور حرکت

پیدا ہوتی ہے اسی طرح تمام جان کو حرکت میں لانے والی چیز تیرا شوق ہے ۔ بقول :

مرتب انما در ہمیشہ ساری است (مقام عشق)

حالانکہ ہے یہ سیلی خارا سے لالہ رنگ
غافل کو میرے شیشے پر مے کا گمان ہے

شیشہ : ترا از درجہ ذہنیہ سیلی خارا : روزہ صوبتہ و اکیم زندگی۔

یعنی تیرا وجود تر معائب سے خستہ ہے لوگ سمجھتے ہیں کہ سیتی زندگی سے مالا مال ہوں

بقولہ باری تعالیٰ : یَحْسِبُهُمُ الْيَاحِلُ اَغْنِيَاءَ مِنَ الْعَقْفَةِ علم نہیں

کی اس نے گرم سینہ اہل ہوس میں جا
آدے نہ کیوں پسند کہ ٹھنڈا مکان ہے

یعنی محبوب نے اہل ہوس کے دل میں اس لیے گھر کیا ہے کہ وہ ٹھنڈی جگہ ہے اس

اعتبار سے کہ سوز عشق سے خالی ہے۔ (رہن عشق : اہل ہوس)

کیا خوب تم نے غیر کو بوسہ نہیں دیا
بس چپ رہو ہمارے بھی منہ میں زبان ہے

مطلب یہ ہے کہ ایسا نہ ہو کہ میں کچھ کہنے یا ماننا اٹھا کرتے پر مجبور ہو جاؤں۔ (طعن و تشنگ)

بیٹھا ہے جو کہ سایہ دیوارِ یار میں

فرمانروائے کشورِ ہندوستان ہے

یعنی محبوب کے سایہ دیوار میں بیٹھا پیشہ سلطانی کے کم نہیں۔ واضح ہو کہ ہندو کے معنی

بعید عشق کے بھی ہیں۔ ہندوستان اس لحاظ سے شہرِ تباہ ہوا اور اس میں رہنا کشورِ ہندوستان کی

فرمانروائی ہے۔ (نشاۃ کوثرِ محبوب)

ہستی کا اعتبار بھی غم نے مٹا دیا
کس سے کہوں کہ داغ جگر کا نشان ہے

یعنی قراماؤں غم کے باعث، جگر گداختہ ہو گیا اور مرثیہ داغِ جگر کا نشان رہ گیا ہے۔
 لیکن اس بات کو قیم کوں کرے؟ گویا ہستی اس قدر مٹی کہ اب نشانِ وہی سے بھی اس
 کا سراغ مشکل ہے۔ مرثیہ غم ہی غم باقی ہے۔ (بالاتہ قیم شوق)
 ہے ایسے اعتماد و ناداری اس قصہ
 غالب ہم اس میں خوش ہیں کہ ناہربان ہے
 یعنی خوشی کی بات یہ ہے کہ محبوب کی ناہربانی اس اعتماد و ناپا پر ہے کہ خواہ کتنا ہی جفا
 کرے میں ترک و فغانہ کوں۔ (پیشانی عزیز و فغان و فریبِ خویشی)

(۱۲۹)

ورد سے میرے ہے تجھ کو سقاری ہائے ہائے
 کیا ہوئی ظالم تری غفلت، شکاری ہائے ہائے
 تیرے دل میں گرنے تھا آشوبِ غم کا جو صدمہ
 تو نے پھر کیوں کی تھی میری غمگساری ہائے ہائے
 کیوں مری غمخوارگی کا تجھ کو آیا تھا خیال
 دشمنی اپنی تھی میری دوستداری ہائے ہائے
 عمر بھر کا تونے پیمانِ وفا باندھا تو کیا
 غم کو بھی تو نہیں ہے پائیداری ہائے ہائے
 زہرِ ننگی ہے مجھے اب دھولے زندگی
 یعنی تجھ سے تھی اسے ناساز گاہی ہائے ہائے
 گلشنِ فانی ہائے نازِ جلوہ کو کیا ہو گیا
 خاک پر ہوتی ہے تیری لالہ کاری ہائے ہائے

شوم رسوائی سے جا چھپنا نقاب خاک میں
 ختم ہے الفت، کیا تجھ پر پردہ داری ٹائے ٹائے
 خاک میں ناخوسں پہاں محبت مل گئی
 آٹھ گئی دنیا سے راہ درہم باری ٹائے ٹائے
 ہاتھ ہی تیغ آزما کا کام سے حساب تار ہا
 دل پہ اک لگنے نہ پایا زخم کاری ہاتے ٹائے
 کس طرح کٹے کوئی شب ہاتے تار برشکال
 ہے نظر غور کردہ آہستہ شر شاری ٹائے ٹائے
 گوش مجبور پیام چشم محسوس جمال
 ایک دل تیں یہ یہ نا امید داری ہاتے ٹائے
 غصہ نے پکڑا نہ تھا غائب ابھو الفت کارنگ
 رہ گیا تھا دل میں جو کچھ ذوق خواری ٹائے ٹائے

یہ غزا، ایک سسل نظم اور بظاہر کسی محبوب شغیق کا ریشہ ہے شاعر اپنے محبوب مجبور
 سے عالم خیالی میں خطاب کرتا ہے۔ ہر شعر کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ:

”مے محبوب، عالم بالا میں تجھے میرے دوست کا احساس کیوں ہے مہی تناظر وجود دنیا
 میں تھا اسے کام عیال۔“

اگر تجھ کو میرا غم دیکھنے کا سہارہ نہ تھا تو تو نے میرا غم کس کی ہی نہ کہ ہوتا۔ میرے ساتھ
 بسودا تو نہ کیا کہ اپنے ساتھ دشمنی کرنا۔

تیرا وعدہ تمام عمر باپنے کا۔ بے فائدہ رہا جب غم کو ہی دانا نہیں۔

زندگانی کی آب و ہوا۔ مجھے ان خوشگوار بے کہ اس نے تیرے ساتھ سازگاری نہ کی۔
کہاں تو تو اپنے جلوں سے پھول بکھیرتا تھا آج تیری قبر پر پھول چڑھائے جا
رہے ہیں۔

الفت کو چھپانے کے لیے تو خرد خاک میں جا چھپا گیا اور محبت کا چھپانا تجھ پر ختم ہے۔
تو گویا جسم بیابان محبت تھا۔ یارِ ہم دوستی، کہ تیرے ساتھ۔ مذل بھی ختم ہیں۔
افسوس ہے کہ تیرا محبت کا زخم کاوی میرے عدا پر نہ لگا کہ میرا کام تمام کر دیتا اس کی
بیانات تیرا قوتِ شجر آرائی ہی باقی رہی۔

تیری جدائی میں یہ برسات کی راتیں کیسے کٹیں۔ پہلے کرتارے گن گن کر کاٹتا تھا اب
کہ برسات۔ رہے تارے بھی نہیں۔

کائنات تیرے پیغام سے ادراک کھیر، تیرے جہاں سے فردم ہیں۔ ایک دہا کو کیسی کیسی
ایر سیور کا لانا ہے۔

ابھی تک غالب کی محبت نے جنوں کا رنگ، اختیار زکیا تھا افسوس یہ ہے کہ ذات
خواری کا جو شوق رہا، یہ تھا وہ نہ نکلا انداز۔ نے مجھ سے تجھے موت مانگنا۔ (در شیعہ)

(۱۴۰)

گشتگی میں، اہم ہستی سے یاس ہے
تسکیر، کہ دے نوید کہ مرنے کی آس ہے

یعنی اس دورِ جد پریشان میں کہ دنیا کی ہر چیز ہے الودہی ہے۔ البتہ موت کی آس
باقی رہے جو اعلیٰ کیوں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مرنے سے پہلے علم اس سے نجات
مکمل نہیں۔ (یادِ مرگ، انجام)

لیتا نہیں میرے دل آوارہ کی خبر
اب تک وہ جانتا ہے کہ میرے ہی پاس ہے

یعنی محبوب، کہ بے نیازی دیکھو کہ وہ اب تک یہی سمجھتا ہے کہ میرا دل اس کے پاس
ہے، بلکہ میرے ہی پاس ہے۔ لہذا، نوازی کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ (شکوہ بے نیازی تنازعہ)

کیجئے بیاں سرورِ تپ غم کہاں تاکہ
ہر گھر سے دل پہ زبانِ سپاس ہے

یعنی غمِ عشق کی تپ مر، جو مرہ ہے اسے کہاں تاکہ بیان کروں، میرے دل کا نہ لگا
ہو گا زبانِ سپاس بنا ہوا ہے۔ (نشاطِ غم)

ہے وہ غرورِ حسن سے بیگانہ و فدا
ہر چند اس کے پاس دلِ حق شناس ہے

یعنی محبوب، حقِ تماشائی کے باعث، بیگانہ و فدا بن گیا ہے۔ بلکہ غرورِ حسن کے باوجود
ہے۔ (شکوہ غرورِ حسن و التعلیٰ و فدا)

پی جس قدر ملے شب، اہتاب میں شراب
اس بلغمی مزاج کو گرمی ہی راس ہے

اخلاط میں۔ سے خلطِ بلغم کا رنگ سفید اور مزاج سرد تصور کیا گیا ہے۔ اسی بنا پر
شب، اہتاب کو بلغمی مزاج کہا ہے۔ یعنی چاندنی رات میں خوب شراب، یعنی چاہیے کہ
شراب کا مزاج حار ہے اور چاندنی رات بلغمی مزاج رکھنے کے باعث سرد ہے۔ لہذا
اصولاً علاج و اعتدال مزاج کے مطابق یہی موزوں ہے کہ سرد مزاج و اہل گرم فانیہ
کی چیز استعمال کریں۔ (گواریاتی کے کئی و شب ۱۵)

ہر اک مکان کو ہے کہیں سے شرف آسہ
مجنوں جو مر گیا ہے تو جنگل آداس ہے

یعنی از بسکہ جنگل کو اپلی جنوں سے شرف ہے لہذا عینوں کی موت سے جنگل آداس ہے
کہ مایہ شرف سے غام ہو گیا۔ (منزلتِ الٰہی جنوں)

(۱۴۱)

گر خاموشی سے زائدہ اخفاٹے حائل ہے
خوش ہوں کہ میری بات، سمجھنی حوال ہے

یعنی خوشی کی بات ہے کہ گویا میری بات نہیں کہتے لہذا میرے بولنے میں وہ فائدہ
ہے جو خاموشی دہنے میں کہ حائلِ دل، ظاہر نہیں ہوتا۔ (دشوائجِ فہم مطالبِ غالب)

کس کو سناؤں حسرتِ اظہار کا بگلہ
دل فرو چھ و خراجِ زباں ہائے لال ہے

یعنی دل کہ شال ایسا ہے جیسے گوشتوں کی زبان کا دفتر حساب کتاب یا ایسی باتیں
جنہیں نہ بول کر نہ سنا بیٹھیں نہیں۔ (کثرتِ آالی و حسرتِ حریفِ حال)

کس پر دے میں ہے آئینہ پردازِ اے خدا
رحمت، کہ غدر خواہ لب بے سوال ہے

آئینہ پرداز: یعنی خود آدالیا یا بہ حائل بے نیاز، رحمتِ بے نیاز ہے خیر
آئینہ پرداز کا۔ یعنی بے خدا تیری رحمت کو بے نیازی کے پر دے میں ہے۔ کس کریں
زیادہ خاموشی و مذرتِ طلب ہیں۔ (مناجات)

ہے ہے خدا نخواستہ وہ اور دشمنی
اے شوقِ منفعل یہ تجھے کیا خیال ہے

شوق منغل : یعنی لیا شوق جویشانی پر منتج ہوا ہو یا آرزو سے ناکام۔ یعنی شوق
 وصال، جیب کو ناکایوں پر یہ نہ سرچا چاہیے کہ محبوب، خدا نخواستہ دشمن، پرانہ ہے
 گناہ پر خفا کہ مجرب کا طرز عمل بظاہر دشمنوں کا سا ہے لیکن اس تصور کو بطلانف اخیل دل
 سے مٹا کر چاہتا ہے اور خود کو فریب دے کر تسلی کی کوشش کرتا ہے۔ (نثر پر خوشن)
 مشکیں لباس کعبہ علی کے قدم سے ہے

ناف، زمین سے نہ کہ ناف، غزال ہے

شکلیں : یعنی شکبیز یا منظر۔ یعنی کہ لباس مشک، آلود حضرت علیؑ کرماند
 دجس کے شرف قدم سے ہے کہ ان کی ولادت ہوئی ہوئی تھی ورنہ جگہ ناف زمین ہے
 ناف غزال تھوڑا ہی نختی جو مشک بیز ہوتی۔ (نفیبت حضرت علیؑ کرماند و جہر)

وحشت، پر میری عرصہ آفاق تنگ تھا

دریا زمین کو عرقِ انفعال ہے

یعنی عرصہ جہاں میری وحشت، اور عمر انہدی کے لیے اس قدر کافی ہے کہ زمین
 اپنی اس تنگی کے احساس سے منغل ہوئی اور پسینہ پسینہ ہو گئی۔ چنانچہ دریا اس کا
 عرقِ انفعال ہے۔ (دیالند و وحشت)

ہستی کے ممت، فریب میں آجائو آسد

عالم تمام حلقہ نام خیال ہے

یعنی دنیا کی ہر چیز خیالی ہے احساس کا کوئی حقیقی وجود نہیں ہے۔ خیالی کو حقیقی کہہ

لینا دھوکا ہوگا۔ دینے حقیقی عالم

(۱۴۲)

تم اپنے شکوہ کی باتیں نہ کھو دکھو دے لو چھو
خزیر کو میرے دل سے کاس میں آگ ملی ہے

آگ سے مراد پیش واریا شکوہ و شکایت ہے۔ یعنی میرا دل شکایتوں سے پر ہے۔
اگر تم نے گریہ کر دیا تو اچھا تو انہیں ظاہر کرنا پڑے گا اور اس سے تم پر بھی آنچ آئے گی۔
دسی اخلاص کے شکوہ

ولایہ درد عالم بھی تو معتمد ہے کہ آخر
نہ گریہ سحری ہے نہ آؤ نسیم شبی ہے

یعنی یہ نا ایدہ دنیا و جہنم تک ہے کہ زندگی ہے لہذا اس درد عالم کو غنیمت سمجھنا چاہیے
کہ زندگی کا سراغ ہے۔ بغوا ہے:

نغماتے غم کو بھی اسے دلا غنیمت جانے بے صدا ہو جائے گا یہ ساز ہستی ایک دن
(تلازم حیات و غم) (غالب)

(۱۴۳)

ایک باحرف و فاکھا تھا وہ بھی مٹ گیا
ظاہر کا غز ترے خط کا غلط پروا ہے

غلط پروا: یعنی دیرینہ واد پاک کُن۔ یعنی تیرے خط میں ایک جگہ غلطوفا آیا
تھا سو وہ بھی مٹ گیا۔ چونکہ دنا ایک لفظ غلط ہے اس لیے ظاہر ہوتا ہے کہ تیرے
خط کا کاغذ غلط نظر کو بر کی طرح خود ہی مٹا دیتا ہے۔ گویا طنزاً شاعر بتانا چاہتا ہے
کہ دنا مشرق کے نزدیک غلطی ہے سو شکوہ دنا تا آشنائی

جی جلتے وقت فنا کی آگ میں پر نہ کیوں
ہم نہیں جلتے نفس ہر چند آتش بار ہے

جی کیوں نہ جلتے : یعنی افسوس کیوں نہ ہو۔ یعنی اس امر پر افسوس آتا ہے کہ میرا
قربان جانے کا شوق پورا نہ ہوا۔ یا جو دامن کے کہ میری آگ سے آگ نکلتی رہے میں نہیں
جفتا۔ (قضاۃ مرگ)

آگ سے پانی میں بجھتے وقت اٹھتی ہے صدا
ہر کوئی دامنہ گی میں نالے سے تپا ہے

یعنی آگ باہر بہہ خاموشی و دلسوزی جب پانی سے بجھائی جاتی ہے تو اس سے کچھ
صدا مٹے فریاد نکلتی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بے بسی کے عالم میں ہر کوئی فریاد پر
مجبور ہو جاتا ہے۔ (غذیہ فریاد)

ہے وہی بدستی ہر ذرہ کا خود عذر خواہ
جس کے جلوے سے زمین تا آسمان سرشار ہے

عذر خواہ : یعنی طالب معذرت طبعی یا معذرت کو پسند کرنے والا۔ یعنی وہ بدستی جس کے
جلوے میں زمین و آسمان کی تمام اشیاء از خود دفتر میں وہ خود ہر ذرہ سے پوچھتا ہے کہ تم فدیہ
بے خودی کیوں پیش نہیں کرتے کہ الہی میں معذرت خواہ ہوں کیوں کہ مجھے اپنے اوپر
اعتیاء نہیں۔ یعنی : اهل من مستغفرا مستغفورا۔ (تلقین استغفار)

مجھ سے مت کہہ تو نہیں کہتا تھا اپنی زندگی
زندگی سے بھی مرا جی ان دنوں بیزار ہے

یعنی میں، جو کہتا تھا کہ تو میری زندگی ہے اب اس بات کو یاد مت دلا۔ کیونکہ میں اپنی

زندگی سے بیزار ہوں۔ یہ کیسے گوارا ہوگا کہ میں تجھے ایسا شے سے تعبیر کروں جس سے خود بیزار
ہوں۔ حالانکہ تجھ سے بیزار نہیں ہوں۔ (بیزار اور اترلیست)

اسٹکھ کی تصویر پر میرا مہربان کھینچی ہے کہ تا
تجھ پہ کھل جائے کہ اس کو حسرت دیدار ہے
یعنی اسٹکھ کی تصویر کا خط کہ اپنی نانا کا ہر کرتا ہے کہ تیرے دیدار کا تمنا ہے۔

(حسرت دیدار)

(۱۴۴)

پیس میں گزرتے ہیں جو وہ کہ جسے میرے
کندھا بھی کہا ابدوں کو بدلنے نہیں دیتے
یعنی میرے کہ جس میں بغیر درت ٹھہرتا بھی گوارا نہیں۔ (شکوہ احترام)

(۱۴۵)

مری ہستی قضا نے حیرت آباد تمنا ہے
جسے کہتے ہیں نالہ وہ اسی عالم کا غمنا ہے

یعنی میری زندگی شوق بے نہایت کی چیزوں سے پڑ ہے۔ اسی عالم میں نالہ و فریاد
کہاں؟ ظاہر ہے کہ انسان کتنا ہی رنجیدہ ہو عالم حیرانی میں نالہ و فریاد قاتب ہوتا ہے
(حیرانی مشوق)

خزاں کیا؟ فصل نکل کہتے ہیں کس کو کوئی روکھ نہ
وہی ہم میں قفس ہے اور ماتم بال و پر کا ہے

یعنی مرغ گرفتار قفس کو نہ خزاں سے مطلب ہے نہ بار سے۔ اس نے بجز قفس اور

افسوس بے بال و پیری کے اودھ کچھ دیکھا ہی نہیں۔ (تمثیل گرفتار بال و پل)

وفا کے دلیران ہے اتفاقی ورنہ اسے ہمد م
اثر فریاد و لہائے حزیں کا کس نے دیکھا ہے

یعنی مشق اتفاق سے کسی وفا بھی کھیتے ہیں و لا ناله و فریاد میں کوئی اثر نہیں۔ دیا ہے

بے اثری نالہ

نڈائے شوخی اندیشہ تاب و بچ تو میدی
کھٹ افسوس ملنا عہد تجدید تمنا ہے

شوخی اندیشہ: معنی خیالات کا تلون۔ یعنی ناکامی ہو کر جو کھٹ افسوس مل رہا
ہو وہ اس لیے نہیں کہ مایوس ہو گیا۔ بلکہ اپنے ہاتھ پر ہاتھ مار کر تجدید تمنا کا عہد کر رہا
ہو کہ مبادا خیالات کا تلون نا امید کی سختی کو نہ تحصیل سکے اور مایوس طبع امید کا باعث
بن جائے۔ (منہ یاس)

(۱۴۶)

رجم کر ظالم کہ کیا بود چہ سراغ گشتہ ہے
نفس بیمار وفا و دو چہ سراغ گشتہ ہے

چراغ گشتہ: استعارہ اند بیمار وفا بہ قرینہ معرث ثانی۔ یعنی نفس بیمار وفا ایسی ہے جیسے
جسے بونے چراغ کا دھواں۔ کہ اس سے چراغ کا سراغ تو ملتا ہے لیکن زندگی نہیں ہوتی۔
یہی حال بیمار وفا کا ہے کہ نفس سے آئندہ زندگی تو ترشح ہیں لیکن چراغ گشتہ کی طرح
اس میں زندگی نہیں ہوتی۔ اب اس میں کیا دھواں ہے کہ اس پر ظلم و ستم بھرا رکھا جائے۔
(التجملے کرم)

دل لگی کہ آرزو بے چین رکھتی ہے ہمیں
ورنہ یاں بے رونقی سو چراغ کشتہ ہے

بے رونقی، کنیانا نافرنگ چراغ۔ یعنی اگر چراغ جلے تو اس کا فائدہ ہی ہے کہ
اس کا مایہ حیات (تیل) باقی رہتا ہے۔ میری بھی یہی مثال ہے کہ آتش عشق میں نہ جلوں تو
بہتر ہے۔ لیکن اس کا کیا علاج کہ طبیعت ہر وقت یہ چاہتی ہے کہ چراغ کی طرح دل میں آگ
لگی رہے۔ (ذاتی دل سوزی عشق)

(۱۴۷)

چشمِ خواباں خاشی میں بھی نوا بہ ما نہ ہے
سُرمہ تو کہوے کہ دو شعلہ آواز ہے

یعنی حسین احمد سرگئی آنکھیں خاموشی میں بھی کچھ کہتی رہتی ہیں۔ (مثلاً یہ کہ مجھ پر فدا ہو جاؤ)
گو یا سر چشم شعلہ آواز کا دھواں ہے۔ (دل کشی چشمِ مجرباں)

پیکرِ عشاق سازِ طالعِ ناساز ہے
تا کہ گویا گردشِ ستارہ کی آواز ہے

یعنی عاشقوں کا وجود طالعِ بدبختی کا ایک ساز ہے۔ اور اس ساز سے جو نادر و فریاد
کی صدا نکلتی رہی ہے اس کو طالعِ ناساز کی صدائے گردشِ مجبور۔ (بدطالعی عشاق)

دستِ گاہِ دیدہِ خوشبارِ مخنوں دیکھنا
یکسہ سیاہاں جلوہ گلِ قریشِ پا انداز ہے

یک سیاہاں گلہ کثرت: یعنی جھل بھکر۔ قریشِ پا انداز: یعنی پائیدار یعنی مجبور
کی آنکھوں کو کلفِ شافی کی ایسی قدرت حاصل ہے کہ جہاں قدم رکھتا ہے وہاں پھول ہی پھول

بکھر جاتے ہیں۔ (خونباری عاشق)

۱۲۸

عشق مجھ کو نہیں وحشت ہی ہے
میری وحشت تیری شہرت ہی ہے

یعنی تیری شہرت کا سبب اگر میرا عشق نہیں وحشت ہی ہے۔ یعنی عشق کہو یا جنوں فقیہ کے
اعتبار سے ایک ہی شے ہے۔ (البتہ شاعر عاشق)

قطع کیجئے نہ عشق ہم سے

کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی ہے

عاشق کو محبوب سے عداوت کے سوا یوں بھی کوئی امید نہیں۔ لہذا طبعی ہے کہ قطع عشق

نہ کرو۔ دوستی کا نہ سہی عداوت ہی کا عشق سہی۔ (منع قطع عشق)

میرے ہونے میں ہے کیا رسوائی

اے وہ مجلس نہیں خلوت ہی ہے

یعنی مانا کر یہ اندیشہ رسوائی ہم مجلس میں نہیں ملے تو خلوت ہی میں ملیں۔ اس میں تو رسوائی

نہ ہوگی۔ (البتہ شاعر وصل)

ہم بھی دشمن تو نہیں ہیں اپنے

غیر کو تجھ سے محبت ہی کہی

یعنی کسی شخص کا تیری محبت میں مبتلا ہونا تجھ سے تیری محبت سے بات نہیں رکھ سکتا۔ کیونکہ

ترک محبت تو میری ہلاکت کا موجب ہے اور میں اپنا دشمن نہیں ہوں کہ تجھ سے قطع عشق کر کے

ہلاک ہو جاؤں۔ (دعوت محبت)

اپنی ہستی ہی سے ہمدرد کچھ ہو
 آگہی گر نہیں غفلت ہی سہی
 مطلب یہ ہے کہ انسان کو چاہیے کہ معرفت نفس حاصل کرے یا ترک خوشی کرے۔
 غیر کو پہچانا یا نہ پہچانا دونوں ہی لا حاصل ہے۔ (دوسرے خود آگہی یا ترک خودی)
 عمر ہر چند کہ ہے جرقہ خرام
 دل کے خون کرنے کی فرصت ہی سہی
 یعنی فرصت حیات کتنی ہی مختصر دل کا خون کرنے یا اختیار عشق کے لیے کافی جہلت
 ہے۔ (تلقین عشق)

ہم کوئی ترک و ناکرتے ہیں
 نہ سہی عشق مصیبت ہی سہی
 یعنی اس عشق کو عشق نہ سمجھ مصیبت ہی سمجھ جب بھی ہم ترک و ناکرتے ہیں کرے۔
 (استواری حزم ماستی)

کچھ تو دے اے فلک نا انصاف
 آہ و فریاد کی بخت ہی سہی
 یعنی اگر مراد حاصل نہیں ہوتا تو بخت فریاد ہی مل جائے۔ یہ کیا فریاد کی بھی اجازت
 نہ ہو۔ (بیان تلخی جہر نفس)

ہم بھی تسلیم کی خڑا لیں گے
 بے نیازی تیری عادت ہی سہی
 ظاہر ہے کہ ذات بے نیاز کے آگے خونے تسلیم و رضا ہی واجب ہے۔ (تسلیم تسلیم)

یار سے چھڑ علی جاوے اسد
 گر نہیں وصل تو حسرت ہی سہی
 یعنی محروم وصال ہو کر مایوس نہ ہو جانا چاہیے۔ بلکہ حسرت وصال کو باقی رکھنا چاہئے
 تاکہ محبوب سے الہا رشتہ جاری رہے۔ (منہج یاس)

(۱۴۹)

ہے آرمیدگی میں نگو ہنس بجا مجھے
 صبح وطن ہے خندہ دندان نمنا مجھے
 یعنی غربت اور سحر ندری چھوڑ کر وطن میں آرام کرنا یقیناً قابلِ خدمت ہے اس کی لیے
 تو وطن کی صبح ایک خندہ طاعت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ خود وطن کو یہ پسند نہیں کہ میں وطن
 میں ہوں۔ (ذوق صحرانوردی)

ٹھونڈے ہے اس مغنی آتش نفس کو جی
 جس کی صدا ہو جلوۂ برق فتنہ مجھے
 یعنی کاش کوئی ایسا مغنی ہو جو پتے جاگداز لغوں سے میرے وجود پر بجلی گرا دے۔
 (تمنائے ہدم جاں نواز) یا (ذوق جاگدازی)

مستانہ طے کروں ہوں رہِ دادی خیال
 تاباز گشت سے نہ رہے مدعا مجھے
 یعنی جس طرح خیال کو میں نے اپنا یا ہے اب اس سے باز گشت کا ارادہ نہیں اس
 لیے مستوں کی طرح عالم بے غدی میں، اور تشاماتِ رام سے بے خبر ہو کر اسی طریقہ پر گامزن
 ہوں۔ (استغاری عزم عشق)

کرتا ہے بسکہ باغ میں تو بے حجابیاں
آنے لگی ہے نگہب گُل سے حیا مجھے

یعنی نگہب گُل کی بے حجابی اور بے راہ روی پر مجھے اعتراض تھا اب تیری بے حجابی
سے اس کے سامنے مجھے شرمندہ ہونا پڑا۔ (شکوہ بے باکی و بے حجابی محبوب)

گھٹا کسی پیکوں مرے دل کا معاملہ
شعروں کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے

دل کا معاملہ: مراد عشق۔ کسی: کنایہ از محبوب یا عوام۔ یعنی میرے اشعار میرے
عشق کے غماز ہیں۔ بقول:

رازِ دیرینہ ز رخ پردہ برآنداخت مرینح
حالِ ماضیہ بانڈھے غزلِ ساخت مرینح
(دیوانِ ترجمانی اشعار)

(۱۵۰)

زندگی اپنی جب اس شکل سے گزری غائب
ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا کہتے تھے

یعنی میری زندگی ایسی کس میری حالت میں گزری ہے کہ گویا میرا کوئی خدا ہی نہیں
تھا جو فریاد کر سکتا۔ بقول:

گفتنی نیست کہ بر غائبِ ناکام چہ پیشت
سے خداں گفت کہ این بندہ خداوند خدا
(التجائے فضل الہی)

(۱۵۱)

اس بزم میں مجھے نہیں بنتی حیا کیلئے
بیٹھا با اگرچہ اشائے ہوا کیلئے

یعنی مشق تک بزم میں بے جا بن کر بیٹھا پڑتا ہے۔ چنانچہ میرے غلامات و قیچوں کے اشارے سے جوتے رہے لیکن ناچار بیٹھا رہا۔ (حیرت)

دل ہی تو ہے سیاست دہاں سے ڈر گیا
ہم اور جاؤں در سے ترے بے صدا کیے؟

یعنی سختی و بیان کے اندیشے سے دل جو میرے بس میں نہیں ہے ڈر گیا ورنہ میں
صدا دیئے بغیر ترے صداؤں سے نہ جاتا۔ (حیرت التہا)

پہلے معرفت یہ ہے کدواہ سلوک میں ایسے عواقب آتے ہیں جن سے عہدہ براہونا و شواہر بنا

رکھتا پھر دل ہوں خرقہ و سجادہ لہ من سے
مدت ہوئی ہے دعوت آب و ہوا کیے

یعنی آب و ہوا کا تقاضا تھا کہ یادہ نوشی ہو جسے ایک مدت ہو گئی کہ توفیق نہ ہوئی۔

اس لیے کہ خرقہ و سجادہ کو گروی رکھنے کی فکر میں ہوں۔ (ذوق یادہ نوشی)

بے خبری ہی گزرتی ہے ہو کر چہ خضر
حضرت بھی کل کہیں گے کہ ہم کیا کیا کیے؟

یعنی حضرت خضر بھی کل کہہ ہی کہیں گے کہ ہم نے کچھ نہ کیا اس سے ظاہر ہے کہ عرض خواہ

کتنی ہی طویل ہو بے معرفت ہی گزر جاتی ہے۔ (تلقین اعتناء فر صحت حیات)

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ او فہم
تو نے وہ گنج ہائے گراں مایہ کیا کیے؟

گنج ہائے گراں مایہ: کنایہ از رنگا بن عدم۔ یعنی اگر زمین سے استفسار ممکن ہوتا

تو پوچھتا کہ اے خاک تو نے جن وفات یا گناہ کو بخیلوں کی طرح اپنے پاس رکھ پھوڑا؟

وہ مکھ کر کیا کرے گی؟ اشارہ یہ ہے کہ موت کے بعد ایسی ممکن نہیں۔ (مقین انعام حیات)

کس روز تہمتیں نہ تراشا کیئے عدو

کس دن ہمارے سر پہ نہ آئے چلا کیے

یعنی رقیب ہمیشہ ہی ہمارے غلات الزام تراشتے اور ایذا دینے کی کوشش میں رہتے ہیں۔ (مکھ رقیب و ناگزیر میصائب عاشق)

صحبت میں غیر کے نہ پڑی ہو کہیں یہ خو

دینے لگا ہے بوسہ بغیر التجا کیے

یعنی بغیر التجا بوسہ دینا بظاہر انتفات ہے لیکن اس کا یہ ناخوشگوار پہلو بھی ہے کہ میا دار یہ عادت رقیبوں کی صحبت میں پڑی ہو۔ بدگمانی جو عشق کے لوازمات میں سے ہے۔ (دشک و بدگمانی)

خند کی ہے ادویات مگر خو بُری نہیں

بھولے سے اس نے سیکڑوں دھڑلے فائیے

یعنی محبوب کی فطرت میں برائی نہیں ہے بلکہ خند میں اگر بے وفائی کو سے تو ادویات ہے چنانچہ اس نے اپنی فطرت کے تقاضے سے سیکڑوں دھڑلے فائیے۔ اگر اپنی خند پر آجاتا تو ایک بھی دھڑکرتا۔ (شکوہ مداوت و بے وفائی مشوق)

غالب تمہیں کہو کہ ملے گا جو اسب گیا

مانا کہ تم کہا کیے ادوہ سنا کیے

یعنی عرض حال جیسی مفید مطلب ہے کہ مشوق مائل بہ لطف ہو ورنہ کیا حاصل۔

(منہ اساعت التجا)

(۱۵۲)

رفتارِ عمر قطع رہو اضطرارِ آب ہے
اس سال کے حساب کو برقِ آفتاب ہے

یعنی عروسِ سُرعت سے گزر رہی ہے جیسے کوئی بے قرار قطعِ مادہ کرتا ہو۔ مگر اس
کے سال کا حساب گردشِ آفتاب سے نہیں بلکہ برق سے ہے کہ ایک سال چمک برق
کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے۔ (گریز پائی غم)

مینائے مے ہے سرِ نشاطِ بہار سے
بالِ تدر و جلوة موجِ خراب ہے

یعنی شرابِ بکارتِ مایہ ہے جیسے حیدِ صرستِ آفرین بہار میں پروا ہد ہر مایہ میں
جیسے سو پر مرغاب کے پر۔ (زنگینی و نظر نواز حق شراب)

زخمی ہوا ہے پاشنہ پائے ثبات کا
نئے بھاگنے کی گوں نہ اقامت کی تاب ہے

مطلب یہ ہے کہ غمِ عشق ایسی چیز ہے کہ نہ اس سے بھاگا جاسکتا ہے نہ اس پر
قائم رہنا آسان ہے۔ گویا استقامت کے پاؤں کی ایڑی زخمی ہو گئی۔ بیوقوف ہے
ہوئے ہیں پاؤں ہی پہلے نبردِ عشق میں زخمی نہ بھاگا جائے ہے مجھ سے نہ ٹھہرا ملے ہے مجھ سے
(دشوار حق استقامت و دعال عشق)

جادوِ بادہ نوشی زنداں ہے شمشِ جہت
قافلِ گمان کرے ہے کہ عامِ خراب ہے

خراب : بمعنی دیرانِ اصطلاحاً مائے خاندان۔ جادوئے

ٹھکانا یا مے خانہ۔ یعنی تمام دنیائے زندوں کا مے خانہ ہے۔ نامان لوگ اسے دیکھتے
خراب کہتے ہیں۔ بقول: ہر وقت دفریت معرفت کرو گار۔ (عرفان بخشی کائنات)

نظارہ کیا حریف ہو اس برقِ حُسن کا
جوش بہار جلوے کو جس کے نقاب ہے

یعنی محبوب کے جلوہ کو جوتے ہی ہمارے حُسن کا ایسا جوش ہوتا ہے کہ اس کا حُسن ہر جہم بہار
میں چھپ جاتا ہے کیونکہ انسان حیران ہو جاتا ہے کہ کیا کیا دیکھے۔ اب ایسی صورت میں
(۱۵۱) برقِ حُسن کا نظارہ کس طرح ممکن ہے۔ (حیرت افزائی جلوہ)

میں نامراد دل کی تسلی کو کیسا کروں
مانا کہ تیرے رخ سے نگہ کا میاں ہے

یعنی ہر چند کہ نظر کا میاں نظارہ ہے لیکن محض دیکھنے سے دل سیر نہیں ہوتا۔ بقول:
کائنات تجسّی نشو و شانی دیدار پھواند بہ ہفتاب تسلی تو اہل کرد۔

(حیرت وصال)

گزارا اسدِ مسرت پیغامِ یار سے
قامد پر مجھ کو رشکِ سوال و جواب ہے

یعنی قامد سے محبوب کی بات حیت پر مجھے رشک آتا ہے۔ میں ایسے پیغامِ یار
کی خوشی سے بانٹا یا جس میں جلا پڑے۔ (رشک)

(۱۵۲)

دیکھنا قسمت کا آپ اپنے پر رشک آ جاتے ہے
میں اسے دیکھوں بھلا کب مجھ سے دیکھا جائے ہے

یعنی برستی دیکھو کہ مجرب کے دیکھنے کا ارادہ بھی کرتا ہوں تو مجھے خود اپنے آپ پر رشک
آجاتا ہے اور نہیں دیکھ سکتا۔ بقول، غیرت از چشم ہر دم سے تو دیدن مذہم۔
عاشق خود کو بھی اپنے سے غیر سمجھتا ہے۔ (کمال رشک و محرومی)

ہاتھ دھو دل سے سی گرمی گرا اندیشے میں ہے
آبگینہ تندہی صہبائے پگھلا جاتے ہے

گرمی اندیشہ: بمعنی تندہی فکر یا جانسوزی تخیل۔ دوسرا مصرعہ تخیل مرکب خیال ہے۔
یعنی میرے تخیل کی گرمی دل کو بھونے ڈالتی ہے۔ گویا یہ ایک ایسی تیز شراب ہے جس
سے بوتل پھیل جا رہی ہے۔ (گرمی اندیشہ)

غیر کو یارب وہ کیونکر منع گستاخی کے
گر حیا بھی اس کو آتی ہے تو شرما جاتے ہے

یعنی محبوب اتنا شرمیلا ہے کہ حیا کا اظہار کرتے ہوئے بھی اسے شرم آتی ہے جس کے
باعث مشوق غیر کو گستاخی سے منع نہیں کر سکتا۔ بانٹا بڑا دیگر مشوق رقیب کی گستاخیوں کے
حیا محسوس کرتا ہے لیکن یہ پاس مروت منع کرتے ہوئے شرمتا ہے۔ (سادہ لوحی محبوب)
یا ذکر حیا سے محبوب)

شوق کو یہ امت کہ ہر دم نالہ کیسے جاسیے
دل کی وہ حالت کہ دم لینے میں گہرا جاسیے

یعنی ضعف دل کا یہ عالم ہے کہ سینے میں سانس نہیں ساتا اور شوق کا یہ تعاظنا کہ
ہر دم نالہ و فریاد کرتا رہوں گویا ادھر ضعف، ادھر فراوانی، غم غرض بڑی مشکل رہتی ہے۔
(مضطرب حالی عاشق)

دورِ چشم بدتری بزمِ طرب سے ماہِ وا
نغمہ ہو جاتا ہے اے اے گرنالہ میرا جاتے ہے

یعنی اس کی بزم میں میری آہ و زاری نغمہ کی طرح خوش آئند ہو جاتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ
معتوقِ حتم گار کو میری دل آزاری مرغوب ہے۔ (طنز ہے جتنی معشوق)

گرچہ ہے طرزِ تغافل پر وہ دادرِ رازِ عشق
پر ہم ایسے کھوٹے جاتے ہیں کہ وہ پا جائے ہے

یعنی اگرچہ بے پردائی کا اظہار کر کے رازِ عشق چھپایا جاسکتا ہے لیکن شکل یہ ہے
کہ تغافل وہی کر سکتا ہے جو اپنے آپ میں رہے۔ میں تو اے سے دیکھ کر کچھ ایسا بے خود ہو جاتا
ہوں کہ وہ میری بے خودی سے میری محبت کا راز پاتا ہے۔ (ریاں بے خودی)

اس کی بزمِ آرائیاں سن کر دل رنجوریاں
مثلِ نقشِ مدعا کے غیر بیٹھا جاتے ہے

نقشِ مدعا بیٹھا: بمعنی نقشہ بھانا یا مراد حاصل ہونا۔ دل بیٹھنا: ناکامی۔ سے
دو چار ہونا۔ یعنی یہ سنتا ہوں کہ مجھ پر اس کی بزمِ آراستہ ہو رہی ہے تو میرا دل بیٹھ جاتا ہے۔
ادھر رقیب کا نقشِ مدعا بیٹھا ہے کہ اس کو مغفلِ محبوب میں بار ہے اور اس کا مقصد حاصل
ہے۔ (وشک)

ہو کے عاشق وہ پری رخ اور نازک بن گیا
رنگ کھلتا جاتے ہے جتنا کہ اڑتا جاتے ہے

رنگ کھلتا: بمعنی رنگت کا کھربانا۔ رنگ اڑنا: بمعنی جلتے غم یا مبتلائے
مرض ہونا۔ یعنی غمِ عشق کے باعث محبوب کے چہرے میں زیادہ نزاکت اور نزاکت کے باعث

کھا پیدیا ہو گیا ہے۔ (کار فرماؤ عشق)

نقش کو اس کے مصویر پر بھی کیا کیا ناز میں
کھینچتا ہے جس قدر آنا ہی کھینچتا جائے ہے

یعنی محبوب کی تصویر اپنے مصویر سے ناز کرتی ہے کہ محبوب حقیقی کی جو تصویر بھی ذہن میں
کھینچو گے وہ حقیقت سے دور تر ہوتی جائے گی۔ یہی اس کا کھینچنا ہے۔ (مستورین محبوب حقیقی)

سایہ میرا تجھ سے مثل دود بھلا گئے ہے اسد
پاس مجھ آتش بجاں کے کس سے ٹھہرایا ہے؟

یعنی میں آتش معائبہ میں اس طرح جل رہا ہوں کہ سایہ بھی تجھ سے دھوئیں کی طرح دور
جھاگتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جس شے میں آگ لگ جائے اس کا سایہ نہیں ہوتا (یا نہ بے کسی)

(۱۵۴)

گرم فریاد رکھا شکل نہالی نے مجھے
تب امان بھر میں دی بردلیالی نے مجھے

شکل نہالی: بمعنی تصویر بستر دلہانہ وغیرہ جو سامان زینت و تیش میں سے ہے۔

بردلیالی: بمعنی ٹھنڈی راتوں کی سردی۔ یعنی بستر عیش کو محبوب سے خالی پا کر گرم فریاد
رہا تب جا کر رات کی ٹھنڈ سے امان ملی۔ گویا گرمی فریاد سرا کی ٹھنڈ پر غالب آگئی۔

(مبالغہ گرمی فریاد)

تیسہ و نقید دو عالم کی حقیقت معلوم
لے لیا مجھ سے مری بہت عالی نے مجھے

یعنی یہ عالم غیب ہے اور وہ عالم ادعا داروں کی حقیقت میرے یہ نزدیک ہی ہے

فہذا میں ان دونوں میں سے کسی نے اتحاد نہ کیا۔ بلکہ میری عکس ہمیت نے مجھے سنبھال لیا کہ
دونوں عالم۔ سب بے نیاز رہا۔ طلب یہ ہے کہ عاشق کو نہ دنیا۔ سے غرض ہوتی ہے نہ آخرت
سے۔ وہ اس لحاظ سے بڑا عالی بہتہ ہے کیونکہ عشق کا کمال ہی یہ ہے کہ کسی غرض سے وابستہ
نہ ہو۔ (بے نیازی عاشق)

کثرتِ آرائی وحدت ہے پرستاری و ہم
کر دیا کافرانِ اصنام خیالی نے مجھے

یعنی جو لوگ سمجھتے ہیں کہ وحدت اس کثرت میں ہے وہ وہم میں مبتلا ہیں۔ حقیقت یہ
ہے کہ وہ ان سب کے ماوراء ہے۔ پس اگر ایسا سمجھوں تو گویا خیالی بت کا پجاری اور حقیقت
کا منکر ہوں۔ (ماورائیتِ حق)

ہوئی گُل کا تصور میں بھی کھٹکا نہ رہا
عجیب آرام دیا ہے بے پرو پائی نے مجھے

یعنی بے بال و پر ہو کر مایوسی کے اس عالم میں ہوں کہ اب پھولی کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔
بہذا یہ مکمل مایوسی میرے لیے راحت بخش ہو گئی ہے کہ سامانِ طلب ہی موجود نہیں تو درجہ و
تعیب طلب بھی نہیں۔ بقول:

اگر امید نہ ہمسایہ ہو تو غمانِ یاس
بیشک ہے ہیں آرامِ جاوداں کے لیے
و کلفتِ آمال، یا راحتِ بے امل

(۱۵۵)

کارِ گاہِ ہستی میں لالہ داغِ سماں ہے
بدنِ خوہنِ راحتِ خوہنِ گرم و ہتھال ہے

خون گرم و تھان، کنایہ از محنت ایجاب۔ برق خرمی، کنایہ از اسباب فقدان۔
یعنی دیکھنا چاہیے کہ لڑھے کسان اپنی محنت و مشقت سے معرض ہستی میں لاتا ہے
وہ کیسا داغدار ہے اور داغ علامت ہے فقدان راحت کی پس ثابت ہوا کہ کسان کی
محنت کا حاصل اتنے کے فقدان عیش و راحت ہے۔ گویا جو چیز بھی وجود میں آئی، وہ راحت
سے محروم ہو گئی۔ (غیر ناگزیر ہستی)

غنیچہ ناشگفتنی با برگ عافیت معلوم
با و در دل جمعی خواب گل پریشان ہے

معلوم: بمعنی معلوم۔ یعنی کلی کو کہنے سے پہلے بھی عافیت میسر نہیں ہو سکتی۔
ایچہ اس دل بھی کی حالت میں بھی جب کہ اس کی شکمڑیاں ہنوز بکھری نہیں ایک خواب
پریشان دیکھ رہا ہے یا مادہ اعتقاد ہے کیونکہ اس کا انتشار بالقرہ اس کی فطرت میں
عدلیت ہے۔ (اضطراب ناگزیر زندگی)

ہم سے سوچ بیانی کس طرح اٹھایا جائے

داغ پشت دست غمزہ شعلہ خس بد مذاں ہے

پشت دست غمزہ: اظہار عاجزی کے یہ پشت دست کو زمین پر رکھنا۔ خس

بد مذاں ہونا: محاورہ ہے بمعنی اظہار عجز کرنا۔ یعنی داغ اور شعلہ، کہ عبارت ہے

بے چینی اور اضطراب سے، خود اپنی صورت حال سے عاجزی کا اظہار کر رہے ہیں کہ داغ

گو یا پشت دست غمزہ ہے اور شعلہ گویا خس بد مذاں ہے۔ پس جب کہ یہ دونوں اضطراب

کی سختیوں کے جیسے سے عاجز ہیں تو میں اس سختی کو کس طرح جیل سکتا ہوں۔ (غمزہ

تھیل شاید عیش)

(۱۵۶)

آگ رہا ہے درو دیوار پر سبزہ غالب
ہم بیا باں میں ہیں اور گھر میں بہار آتی ہے
یعنی میں گھر چھوڑ کر جنگلوں میں پھر رہا ہوں اور گھر ویران ہے کہ وہاں گھاس آگ
آگ رہا ہے۔ (مبالغہ خانہ دیرانی)

(۱۵۷)

سادگی پر اس کی مر جانے کی حسرت دل میں ہے
بس نہیں چلتا کہ پھر خنجر کھنکھاتاں میں ہے
یعنی تنہا تو یہ ہے کہ اس کی سادگی اور رکھولی بھالی اداؤں پر جان دے دوں لیکن
مجبوری یہ ہے کہ وہ خنجر ہی سے ہلاک کرنا چاہتا ہے۔ (ستم کو شنی محبوب)
دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے
یعنی اس کی باتیں ایسی دل نشین ہیں کہ جو کچھ وہ کہتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ
گویا یہ میرے ہی دل کی بات تھی۔ (دلفشینی کلام محبوب)
گرچہ ہے کس کس برائی سے ملے با ایں ہمہ
ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے
یعنی میں اس محفل میں نہیں ہوں لیکن میرا ذکر اس محفل میں ہے۔ اس لیے میرا تذکرہ
مجھ سے اچھا ہے اگرچہ برائی کے ساتھ ہوتا ہے۔ گویا خواہ کسی حال میں ہو کوئی ہو اگر تیری
محفل میں نہ ہے تو سب سے اچھا ہے۔ بقول:

ہست قدرت بجاں از غیبت بدگو مرا چون بایں تزیین می آرد بیالحمہ او مرا
(فخر ذکر خوشی) (شرف تزدنی)

بس ہجوم ناامیدی خاک میں بل جائے گی
یہ چراک لذت ہماری سٹی بے حاصل میں ہے

یعنی حصول دعا کی کوشش میں بڑا مزہ ہے خواہ وہ بے نتیجہ ہی ثابت ہو۔ ظاہر ہے
کہ اس لذت کا موجب ایک امید ہوتی ہے خواہ وہ کتنی ہی مجہوم کیوں نہ ہو۔ لہذا چاہئے
کہ امید بکلی منقطع نہ ہو جائے ورنہ پھر کبھی حصول مقصد رہے گی نہ اس کی لذت۔ (دورس
استاذ انوریاس)

بہنچ رہ کیوں کھینچے فنا ماندگی کو عشق ہے
اٹھ نہیں سکتا ہمارا جو قدم منزل میں ہے

عشق : یعنی آخر میں (چراغ ہدایت) یعنی فنا ماندگی کا بھلا ہو کہ جہاں پر ہمارا قدم
پہنچ گیا ہے وہی جگہ منزل ہو گئی۔ اب بہنچ سفر کیوں اٹھایا جائے۔ مطلب یہ ہے کہ فنا ماندگی
عشق بجائے خود فوز و فلاح و کامیابی ہے۔ (دور ماندگی عشق)

جلوہ زارِ آتش دوزخ ہمارا دل ہی
قند شورِ قیامت کس کی آبِ گل میں ہے

یعنی گودل میں دوزخ کی سی آگ بھڑک رہی ہے لیکن یہی فخر کیا کم ہے کہ شورِ قیامت
کا سایہ قند جو میری خیر میں ہے وہ کسی احد میں کہاں ہے! یا یہ کہ اگر میرا دل آتش دوزخ کا
نذر ہے تو تمہاری فطرت میں بھی شورِ قیامت ہے۔ بقول :

بیل اگر سوخت دوزخ و مدین خویش آتش بجاں گل پریدی گناہ کیست (مشائخ)
(فخر اسطرلاب)

ہے دل شوریدہ غالب طلسم پیچ و تاب
رخم کر اپنی تمنا پر کہ کس مشکل میں ہے

یعنی بیزاد دل جس میں تیری تمنا ہے وہ پیچ و تاب میں مبتلا ہے۔ پس دل پر نہیں اپنی
تمنا پر رخم کر۔ مطلب یہ ہے کہ اسے مشکل جانے دے۔ (التیاسے تمنا برآئی)

(۱۵۸)

دل سے تری نگاہ جگر تک اتر گئی
دوتلوں کو ایک ادا میں رضا مند کر گئی

یعنی داغ جگر دوزلوں کو آرزوئے جواحت تھی جس کو تیری ایک نگاہ نے پورا کر دیا۔
(ذوق جواحت طلبی)

شق ہو گیا ہے سینہ خوشالذتِ قراق
تکلیفِ پردہ داری زخمِ حبِ گر گئی

یعنی زخمِ جگر سینہ میں چھپا ہوا تھا۔ صدرِ خوشالذتِ قراق سے سینہ بھٹ گیا اور وہ زخمِ ظہا ہر
ہو گیا۔ اب پردہ داری کی زحمت سے نجات ہوئی۔ (ناگزیر شائے راز عشق) یادِ نجات
از زحمتِ اخفائے راز

وہ بارہ شبانہ کی سرستیاں کہاں
اٹھیں بس اب کہ لذتِ خوابِ سحر گئی

یعنی لطیف بارہ زشی ختم ہوا۔ اب سحر کا وقت نہیں خوابِ سحر سے بیدار ہونا چاہیے
(یادِ ایامِ عشرتِ فانی یا تنبیہ نفس)

اڑتی پھرے ہے خاکِ مری کوٹے یار میں
بارے اب اسے ہوا ہویں بال و پر گئی

یعنی خاک ہو کر کوچہ و لہار میں پہنچ گیا۔ اب بال و پر لے کر کیا کرنا ہے؟ (یا س) یا
دعویٰ ترک و سائل

دیکھو تو دل و نفس سیرتِ بی اندازِ نقوش پا
موجِ خرام یا رہی کیا گل کستہ گشتی

موجِ خرام: یعنی طرزِ عمل یا روش۔ گل کستہ: یعنی عجوبہ کاری دکھانا۔

یعنی محبوب نازِ اتریں کے نقوش پا میں کتنی دل فریبی ہے کہ اس کا ہر طرزِ عمل دل پسند
دل کش ہے۔ (خوبی ادا لانے محبوب)

اسی ش میں نعت کا پہلو بھی ہے کہ حضور کا نقوش قدم یا اسوہ غایت درجہ دلکش ہے۔

ہر لہو الہوس نے حسن پرستی شعار کی
اب آبروئے شیوہ اہل نظر گشتی

یعنی اہل ہوس نے عاشقانِ صادق کی قدر رکھ دی۔ (مذمتِ اہل ہوس)

نظائے نے بھی کام کیا واں نقاب کا
مستی سے ہر نگہ توڑے رخ پر بکھر گشتی

بکھر جانا: بمعنی از خود رفتہ ہو جانا یا شوق سے بیتاب ہو جانا۔ یعنی نظر تیرے

حسن کو دیکھ کر کچھ ایسی بے خود ہوئی کہ چہرے پر زخم کی گویا اس کینیت نے چہرہ پر نقاب
کا کام کیا کہ آنکھ کچھ نہ دیکھ سکی۔ (خیر مازنی جہاں محبوب)

فرداودی کا تفرقہ اکس بار میٹ گیا
کل تم گئے کہ ہم پہ قیامت گزر گشتی

یعنی کل محبوب کا بانا قیامت برپا کر گیا۔ گویا دیروزِ فردا کے قیامت بن گیا۔ اور

فرادہ ہی ایک ہو گئے۔ (کیفیت فراقِ یار)
 مارا نالے نے اسد اللہ خاں تمھیں
 وہ دلوں کے کہاں وہ جوانی کدھر گئی
 یعنی ٹرہا آیا مہ تے جوانی اور دلوں کا خاتمہ کر دیا۔ (فرسودگی عمر رسیدگی)

(۱۵۹)

تسکین کو ہم نہ دہیں جو ذوقِ نکلے
 حورانِ خلد میں تری صورت مگر ملے
 یعنی دوتا اس بات کا کہ جسکے اگر بہشت میں گئے تو تیرے بغیر تسکین کیونکر ہوگی تاہم
 اگر وہاں ذوقِ نظر میرا جائے تو میرے گریوں کا لیکن حورانِ خلد میں تیری جیسی صورت مل
 جائے تب بات ہے۔ (دیکھتا تو جن محبوب)

اپنی گلی میں مجھ کو نہ کر دفن بعدِ قتل
 میرے پتے سے خلق کو کیوں تیرا گھر ملے
 یعنی مجھے اس بات کا رشک ہو گا کہ لوگ میرے نشانِ قبر کے پتے پر تیرے کوچے میں
 پہنچ جائیں۔ اس لیے اتنا ہے کہ مجھے اپنے کوچے میں نہ دفن کیجیو۔ (رشک)

ساقی گری کی شرم کر آج ورنہ ہم
 ہر شب پیاسی کرتے ہیں جس قدر ملے
 یعنی یوں تو ہم روز ہی پیتے ہیں۔ آج تم پلاسے ہو تو اپنی شان کے شایان پلاؤ۔
 مطلب: یہ کہ اورد زیادہ پلاؤ۔ (تشاؤ صحبت)

تجھ سے تو کچھ کلام نہیں لیکن اے ندیم
 میرا سلام کہیو اگر تاسا برس ملے

یعنی اسے دوست وہ جو تم نے آدمی دیا تھا کہ یہ خط محبوب تک پہنچا دے گا اگ
 ۱۰۔ حشر ہوا کہ خط لے گیا اور قاتل ہے۔ اب اس میں تمہارا تو قصور نہیں کہ وہ محبوب
 پر فریقہ ہو کر کیوں سر بھرا ہو گیا۔ لیکن اگر احیاناً مل جانے تو میرا سلام کہو کہ کیوں جی تم
 جو دعویٰ پاک نظری کرتے تھے وہ خوب نبھایا۔ (عالم فریبی حسن محبوب)

تم کو بھی ہم دکھائیں کہ مجنوں نے کیا کیا
 فرصت کشا کشش غم پنہاں سے گرے

ظاہر ہے کہ اہل جنون غم و خون سے خالی ہوتا ہے پس مطلب یہ ہے کہ اگر ہمیں
 غم پنہاں سے نجات ہو جائے جیسے تیرے مجنوں کو ہوئی تھی تو ہم دکھائیں کہ مجنوں
 نے جو کچھ کیا وہ تقابلہ بیچ تھا کیونکہ ہمیں تو غم پنہاں سے نجات ملتی ہی نہیں۔
 (تفصیل غم پنہاں برجنون)

لازم نہیں کہ خضر کی ہم پیروی کریں
 مانا کہ اک بزرگ ہمیں ہم سفر ملے

یعنی ہمارے نزدیک خضر کی حیثیت زندگی کے ایک ہمسفر کی سی ہے لیکن راہ
 عشق میں ان کا مقام فرد تر ہے کہ میری رہبری وہ نہیں کر سکتے۔ (استبداد عشق)

اے ساکنان کو چپہ دلدار دیکھنا
 تم کو کہیں جو غائب آشفۃ سر ملے

یعنی غالب آشفۃ سر کو جہ محبوب کے سوا اد کہاں ہو سکتا ہے وہی دیکھنا
 چاہئے۔ (الترجمہ گوتے محبوب)

کوئی دن گر زندگانی اور سے

ہم نے اپنے دل میں ٹھانی اور ہے

یہ نہیں بتایا کہ کیا ٹھانی ہے؟ لیکن ظاہر ہے کہ ایک افسانہ جو زندگی سے بیزار

اور خستہ و غمزہ ہے وہ کسی ایسے ہی اقدام کا ابرادہ رکھتا ہے جو باعثِ تشویش ہو۔

یعنی قطعِ تعلقی یا کچھ اور۔ (اظہارِ غم و بیزاری)

آتش و دوزخ میں یہ گرمی کہاں

سوزِ غم ہائے نہانی اور ہے

یعنی غمِ پنهانِ عشق، آتش و دوزخ سے زیادہ جاں گداز ہے۔ (مبالغہ سوزِ غم)

بار بار دیکھی ہیں آن کی رنجشیں

پر کچھ اب کے سرگرائی اور ہے

یعنی شاید قبروں نے اس دھماکے کو میری طرف سے بہت ہی برگشتہ کر دیا ہے۔

(اندیشہِ نامیِ رقیبان)

وے کے خط منہ دیکھتا ہے نامہ بر

کچھ تو پیغامِ زبانی اور ہے

یعنی محبوب کا خط وے کو قاصد کچھ زبانی پیغام بھی سنانا پاتا ہے۔ لیکن تذبذب میں

ہے کہ معلوم اس کا ٹھکانہ کیا اثر ہو؟ اس لیے میرا اند کچھ رہا ہے کہ پہلے خط کا چہرہ ہے

کا اثر دیکھے۔ پھر پیغام سنا ہے۔ قیاس ہے کہ وہ پیغام کچھ ایسا ہے جسے محبوب نے لکھنا

مناسب نہیں جانا۔ نہ معلوم قصاب ہے یا انتحات۔ (مصحفِ تشویشِ عاشق)

قاطع اعمال ہیں اکشہ نجوم
وہ بلائے آسمانی اور سہجے

وہ: کنایہ از عشق۔ یعنی نجوم جن کے ساتھ آسمانی بلائیں منسوب ہیں۔ عمر کا خاتمہ تو
کو دیتے ہیں لیکن عشق وہ بلا ہے جو خاتمہ بھی نہیں کرتا اور زندہ بھی نہیں رہنے دیتا۔ (ابن عربی)

ہو چکیں غائب بلائیں سب تمام
ایک مرگہ ناگہانی اور سہجے

یعنی سوائے مرگہ ناگہانی کے اندر کوئی ایسی مصیبت نہیں تھی جو مجھ پر نہ آتی ہو۔

(کثرتِ مصائب و الام)

(۱۶۱)

کوئی آئینہ بد نہ نہیں آتی
کوئی صورت نظر نہیں آتی

یعنی نہ امید برآتی ہے نہ ایسی صورت، نظر آتی ہے جو امید برلائے۔ (عالم یاس)

موت کا ایک دن میں ہے
نیند کیوں ناست بھر نہیں آتی

یعنی یہ حال ہے کہ موت آتی ہے نہ نیند آتی ہے۔ (اضطرابِ فراق)

آگے آتی تھی حالِ دل پہ ہنسی
اب کسی بات پر نہیں آتی

یعنی یوں تو مجھے کسی بات پر بھی ہنسی نہیں آتی البتہ دل کی حالت پر ہنسی آجاتی تھی۔

کیونکہ اس کی حرکتیں دیوانوں کی سی ہیں۔ لیکن اب کمالِ ضعف و ناتوانی کے یہ حال ہے

کہ اس پر بھی ہنسی نہیں آتی۔ (بیانِ ناقوانی)

جاتا ہوں تو اس طاعت و زہد

پر طبیعت ادھر نہیں آتی

یعنی مجھے طبعاً طاعت و زہد سے لگاؤ نہیں ہے۔ (زہدِ مشرقی فطری)

ہے کچھ ایسی ہی بات جو چپ ہوں

ورنہ کیا بات کر نہیں آتی

یعنی میرا کچھ کہنا باعثِ رسوائی ہے یا موجبِ برہنہ معشوق ہوگا۔ لہذا خاموش ہوں۔

(پاسِ خاطرِ محبوب)

کیوں نہ چینوں کہ یاد کرتے ہیں

میرے آوازِ گہر نہیں آتی

یعنی محبوب کو میری گریہ و زاری مرغوب ہے۔ پہلے سے معرفت یہ ہے کہ محبوب حقیقی

کو گریہ و زاری پسند ہے۔ بغواٹے، صُلُوبٌ مِّنْ تَّغْوِير۔ (زار کا پسندنی محبوب)

دایغِ دل گر نظر نہیں آتا

تو بھی اسے چارہ گر نہیں آتی؟

یعنی دایغِ عشق نظر نہیں آتا لیکن اس کے آثار تو عیاں ہیں۔ عدم امکانِ اختلائے

عشق یا (شکوہ تفاعل)

ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی

کچھ ہماری خبر نہیں آتی

یعنی خیالِ محبوب میں کچھ ایسے کھوٹے ہیں کہ اپنی خبر بھی سُندہ نہیں۔ (محویتِ قصور)

مرتے ہیں آرزو میں مرنے کی
موت آتی ہے پر نہیں آتی

یعنی ہر چند چاہتا ہوں پر موت نہیں آتی۔ (تلمیح زلیست)

کعبہ کس نمونہ سے جاؤ گے غالب
شرمِ تم کو مگر نہیں آتی

یعنی عزمِ کعبہ وہاں سے جو کو کار جو ہم جیسے گنہگاروں کو تو عزمِ حج کرتے ہوئے شرمندہ

ہونا چاہیے۔ (اعترافِ گناہ)

(۱۶۲)

دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے،
آخر اس درد کی دوا کیا ہے؟

یعنی دردِ عشق کچھ ایسا درد ہے کہ نہ اس مرض کا سبب معلوم نہ علاج معلوم۔

(بے داناؤ دردِ عشق)

ہم ہیں مشتاق اور وہ بیزار
یا الہی یہ صاحبِ کیا ہے؟

یعنی اشتیاق کا جواب بیزاری عجیب بات ہے۔ (شکوہِ قنائلِ محبوب)

میں بھی نمونہ میں زبان رکھتا ہوں
کاش پوچھو کہ مدعا کیا ہے

یعنی مجھے عجزِ حاکمِ حسرت ہی رہی۔ محبوب نے کبھی مالی نہ پوچھا۔ (شکوہ)

بے نیازان

جب کہ تجھ میں نہیں کوئی موجود
 پھر یہ ہنگامہ اسے خدا کیا ہے؟
 یہ پوری چہرہ لوگ کیسے ہیں
 غمزہ و عشوہ داد کیا ہے؟
 شکن زلفِ عتبری کیوں ہے؟
 نگہ چشمِ نمرسہ سا کیا ہے؟
 سبزہ و گل کہاں سے آئے ہیں؟
 اور کیا چریند ہے ہوا کیا ہے؟

اشعارِ بالا میں اس امر پر اظہارِ حیرت کیا گیا ہے کہ یہ تمام ہنگامہ ہائے دہریہ کنزِ حیات
 ذات، واحد سے کس طرح معرضِ وجود میں آئے۔ حقیقت یہ ہے کہ ذات، ختم کے باب
 میں یہی استعجاب ہے جو دود نہیں ہوتا۔ لیکن اگر وہ دود ہو سکتا تو ہستی واجب، الکی گنہ کا
 پائینا آنا دشوار کیوں ہوتا۔ دشواری تو یہی ہے کہ نظامِ ہر حق نہ بیرون ذات، میں نہ خارج از ذات
 ایسی وہ صفت ہے جو اللہ کو غیر اللہ سے جدا کرتی ہے۔ بقولِ سعدی:

اے بزرگِ خیال و قیاس و گمان و دم
 و نہرِ چہ دیدہ ایم و شنیدہ ایم
 سوزِ تمام گشت و برپایاں رسیدہ
 ماہِ پندارِ درِ اول و صفتِ ترماندہ ایم

(صمدیت، ذاتِ ہستی)

ہم کو اُن سے ونا کی ہے امید
 جو نہیں جانتے ونا کیسا ہے

ظاہر ہے کہ ونا کی تدویر، جانتا ہے جو محتاجِ ونا ہو لیکن عجب ان مجازی ذائقے عشاق

تہ بے تباہ میں اور تہذیب و تہذیب کے بے خبر لہذا ایسوں سے یہ دنیا بے کار ہے۔
(۱۴۱) نہ دنیا کی محبوباں

ہاں بھلا کر تیسرا بھلا ہوگا
اور درویش کی صدا کیا ہے
یعنی بھیر بجز دعا و التجائے التفات، اور کیا کر سکتا ہے۔ راغباً بکسی التجائے التفات
جان تم پر نشا کرتا ہوں
میں نہیں جانتا دعا کیا ہے
جان دنیا عظمیٰ اور دعا کرا طلب۔ یعنی یہ افرغ، جان دنیا ہے کچھ طلب کرنا نہیں
اب جو تیرا فریب ہے وہ تو انجام دے۔ (۱۴۲) اور نہ دیتا
میں نے مانا کہ کچھ نہیں غالب
مفت ہاتھ آنے تو بڑا کیا ہے
یعنی غالب کی خوبی یہ ہے کہ وہ مفت دیا بے غرض ہے اسے پاتا ہے میں توقف
کیوں جوہر (ظہیر خلیفہ) یا (التجائے التفات)

(۱۴۲)

کہتے تو ہو تم سب کہ بت غالبیہ ہو آئے
اک مرتبہ گھبرا کے کہو کوئی کہ وہ آئے
یعنی جی پاتا ہے کہ محبوب کے آنے کی تمنا نہیں بلکہ خبر سنوں۔ (حسرت دید)
ہوں کشمکش تزع میں ہاں جذب محبت
کچھ کہ نہ سکوں پر وہ میرے پوچھنے کو آئے

یعنی مرتے دم بھی نیری آرزو یہی ہے کہ محبوب، میری مزاج جیسا کو آجائے خواہ
 منجھ میں جوئے کی طاقت نہ ہو۔ شاید اس خیال سے کہ جب حال ظاہر ہو تو اظہار کی ضرورت
 نہیں رہتی۔ (عرضِ حال و حسرت، التفات)

ہے صاعقہ و شعلہ و سیما سب کا عالم
 آتا ہی سمجھ میں مری آتا نہیں گو آئے

یعنی محبوب کا آنا بجلی، شعلہ یا پارہ کی طرح ایک اضطرابی کیفیت سے ہوتا ہے
 کہ وہ آئے بھی تو اس معلوم نہیں ہوتا۔ کیونکہ آنے کے ساتھ ہی معاً جانا ہو جاتا ہے۔
 (کم فرستی جلوہ)

ظاہر ہے کہ گہرا کے نہ بھاگیں گے نیکرین
 ہاں منہ سے مگر بادہ دوشینہ کی لڑا آئے

بعض نیکرین سوال کیے بغیر نہ چھوڑیں گے البتہ ایک صورت ہے کہ منہ سے
 شراب شب کی لڑا آتی ہو تو وہ گہرا کے چلے جائیں گے۔ (دشمنی زندان)
 جلا دے ڈرتے ہیں نہ داعط سے جھگڑتے
 ہم سمجھے ہوئے ہیں اسے جس رنگ میں جو آئے

یعنی اختیارِ عشق کے باب میں نہ نقصانِ جان کا اندیشہ ہے اور نہ فائدہ کا خیال۔
 اب کوئی دشمن بن کر آئے یا دوست بن کر۔ ہمارے نزدیک دونوں کی غرض ایک ہے
 اور وہ ترکیبِ محبت پر مجبور کرنا ہے جو ہم پہلے ہی سے جانتے ہیں لہذا ہم پر نہ تہدید کا اثر
 ہوگا نہ پند کا۔ (عزیم اختیارِ عشق)

ہاں اہلِ طلب کون مئے طعنے تا یافت
 دیکھا کہ وہ ملتا نہیں اپنے ہی کو کھو آئے

یعنی محبوب کے نہ ملنے پر طعنہ نہایت سے بچنے کے لیے ہم نے خود کو ہی کھودیا
 حبيب ہم ہی نہ رہے تو کوئی طعنہ کسے دے گا۔ (خود فراموشی کا بلین حق)
 اپنا نہیں وہ شیوہ کہ آرام سے بیٹھیں
 اس در پہ نہیں بار تو کعبہ ہی کو ہو آئے
 یعنی مقدم آستانہ محبوب ہے جسے وہ نہیں ملتا وہ کعبہ کا رخ کرتا ہے۔ مطلب
 یہ کہ اعمال شریعت کی بجا آوری ذریعہ ہے لغائے حق کا اصل مقصد نہیں ہے۔
 (طلب محبوب حقیقی)

کی ہم نفسوں نے اثر گرہ میں تقسیم
 اچھد ہے آپ اس سے مگر کچھ کوڑا آئے

تقریر کا: بہت، اختلاف کرنا: ڈر دینا: یعنی خسارے سے دوچار کر دینا۔
 یعنی میرے رفیقوں نے محبوب کے سامنے یہ بیان کیا کہ رونے کا کسی پر کچھ اثر نہیں ہوتا تب
 یہ بولا کہ اس نے میرے گریہ و فریاد کو نظر انداز کر دیا۔ میں نامراد رہ گیا اور یہی وہ چاہتے تھے
 ان کا کام بن گیا۔ (بے اثری نامراد یا دماغی رقیب)

اس انجمن تاز کی کیا بات ہے غالب
 ہم بھی گئے وال اد تری تقدیر کو رو آئے

یعنی محفل محبوب کی دلکشائی و تاز آفرینی کا کیا کہنا۔ لیکن غالب کی تقدیر کا رونا ہے
 کہ وہ محروم ہی رہا۔ (جواں نصیبی)

(۱۶۴)

پھر کچھ اک دل کو بقراری ہے سینہ جو یائے زخم کا سی ہے

پھر جگر کھودنے لگا ناخن
 قبضہ مقصد نگاہ نیاز
 چشم دلائی جنس رسوائی
 وہی صدر رنگ نالہ فرسائی
 دل ہوائے خوام ناز سے پھر
 جلوہ پھر عرض ناز کرتا ہے
 پھر اسی بے دغا پر مرتے ہیں
 پھر کھلا ہے درِ عدالت ناز
 ہو رہا ہے جہان میں اندھیر
 پھر دیا پارہ جگر تے سوال
 پھر ہوئے ہیں گواہ عشق طلب
 دل خرگاں کا جو مقصد رہتا

آپ فیصلہ لالہ کاری ہے
 پھر وہی پردہ عماری ہے
 دل خریدارِ ذوق خواری ہے
 وہی صد گونہ اشکباری ہے
 محشر ستان بے قراری ہے
 روزِ بانارِ جان سپاری ہے
 پھر وہی زندگی ہماری ہے
 گرم بازارِ فوجنداری ہے
 زلف کی پھر سرشتِ دادی ہے
 ایک فریادِ آہ و زاری ہے
 اشکباری کا حکم جاری ہے
 آج پھر اس کی تدبیکاری ہے

بے خودی بے سبب نہیں غالب
 کچھ تو ہے جس کی یہ پردہ داری ہے
 یہ غزل ایک نظم سلسلی ہے مختصر مضمون ہر شعر کا یہ ہے۔

پھر دل بقرار ہے ادبِ طالبِ زخم ہے۔

فصلِ بہار کی آمد آند ہے اور زخمِ جگر تازہ ہو رہے ہیں۔

آند بھری تنکا میں پھر پاکی کے پردہ پر جمی جاتی ہیں۔

ہمکسیر، رسوائی کا سودا کر رہی ہیں اور دلِ ذلت کا خریداری پر آمادہ ہے۔

پھر وہی ناام و آشکباری جاری ہے۔
 اور پھر دل کسی کی رفتار دیکھ کر بے قرار ہے۔
 اور ادھر سے ناز کا اور ادھر سے جاں سپاری کا مظاہرہ جو رہا ہے۔
 پھر اسی بے دنیا پر مر رہا ہوں اور اس کو زندگی سمجھتا ہوں۔
 پھر اس کی عدالتِ ناز میں تقدراتِ فوجداری دائر ہیں۔
 اور پھر اس کی زنجیروں نے دنیا میں اندھیر بپا رکھا ہے۔
 پھر جگر تپنے سے غمِ عالم اور فریادِ خواہ ہے۔ (سوالِ دنیا بمعنی استغناء شکر)۔
 پھر آنسوؤں کو شدتِ عشق کے لیے طلب کیا گیا ہے۔
 دل و نگاہ کا جو ساطع تھا وہ آج پھر درپیش ہے۔
 اور یہ جو بے خودی لاحق ہے وہ گریباں نہیں حالاتِ پیش آمدہ کی پر وہ داری کے
 لیے ہے۔ (بیانِ وارداتِ عشق)

۱۶۵

جنوں تہمت کش تسکین نہ ہو، گرشاد مافی کی
 نمک پاش خراشِ دل سے لذتِ زندگانی کی

شادمانی کی: معنی خوشی حاصل ہوئی۔ یعنی اگر ہم حالتِ جنون میں خوش ہونے کو
 بھائے جنون پر تسکین کی تہمت نہ لگائی جائے۔ کیونکہ زندگی کا کوئی مزہ ہم جب ملتا ہے
 تو وہ غلشِ دل میں ادماضافہ کر دیتا ہے۔ (دواہمِ مضمون اب)

کشاکش ہائے ہستی سے کرے کیا سچی آزادی
 ہمتی زنجیر، موجِ آب کو فرصتِ روانی کی

دوسرے صرغ کی نشروں پر: سورج آب کے۔ یہ روانی کی فرست دہخیر ہوئی۔
یعنی زندگی کی جگہ بندید رہے نہ بخت کا کشش۔ بلکہ کار ہے۔ کیونکہ زندگی نام ہی جگر بند
کا ہے۔ چنانچہ دیکھو پانی کا موج کو جب روانی کی آزادی ملی تو یہی اس کے لیے دہخیر
بن گئی۔ (دوام کشش زندگی)

میں از مردن بھی دیوانہ زیارت گاہ طفلان ہے
شمار رنگ سنے تربت پہ میری گلفشانی کی

یعنی رنے کے بعد میں جنوں کا اثر مجھ پر منقطع ہے کہ دل کے میری قبر پر پتھر برساتے
میں احساس کے شرار گلفشانی کرتے ہیں۔ (دوام جنوں عشق)

(۱۶۶)

نکوہش ہے سزا فریادی سدا و دلبر کی
مبادا خندہ و دلاں نما ہو صبح محشر کی

خندہ و دلاں نما: یعنی خندہ ملامت و حقارت۔ یعنی محبوب کی سختیوں کے خلاف
فریاد کرنا قابل سزا نش ہے۔ اس لیے اندیشہ ہے کہ مبادا محشر کا صبح بھی اہل فریاد کی
ہنسی اڑائے۔ (تعلیم مہر درضا) یا د مذمت جزع و نزاع

رگب یللی کو خاک و شبت مجنوں ریشگی بخشے
اگر بوسے بجائے داند و ہتھال نوک نشتر کی

ریشگی: زخم خوردگی۔ یعنی مجنوں کی محبت لپا پر کچھ ایسی اثر انداز ہے کہ اگر
محرانے مجنوں میں نوک نشتر کو گاڑ جائے تو یہیں جہت کہ خواہ مجنوں سے نسبت ہے
یللی کا رگوں میں خون بہنے لگے۔ (ربانہ اثر عشق)

پر پروانہ شاید بادبان کشتی دے مکتا
ہوئی مجلس کی گرمی سے روانی دورِ ساغر کی

جہاں پیمانہ ہے وہاں شمع ہے اور جہاں شمع ہے وہاں گرمی مغل ہے اور جب
مغل گرم ہو تو ساغر کے دھند بھی چلتے ہیں۔ پس یوں کہنا چاہیے کہ پروانہ کا پر کشتی سے
کا بادبان ہے۔ (تکذیم نشاط مغل بادورِ ساغر)

کروں بیدار ذوق پر فغانی عرض کیا قدرت
کہ طاقت اڑ گئی اڑنے سے پہلے میرے شہر کی

یعنی مہرے پروں میں پرواز کی طاقت نہیں اور پرواز کا شوق ہے۔ اب اس شوق
کی بدولت۔ بیسی کے عالم میں جو مجھ پر گزرتی ہے وہ ناقابلِ سیل ہے۔ (دعائی حسرت پرانا)
کہاں تک رفوں اس کے خمیہ کے پیچھے قیامت
میری قحمت میں یارب کیا نہ تھی دیوارِ پتھر کی
یعنی کاش خمیہ کی بجائے پتھر کی دیوار ہوتی کہ سر پھوڑ کر اپنا خاتمہ کر لیتا۔ و عالم
یاس و بیزاری زلیست)

(۱۶۷)

بے اعتدالیوں سے ٹبک سب میں ہم ہوئے
جتنے زیادہ ہو گئے اتنے ہی کم ہوئے

یعنی قدامتِ اعتدال سے جن قدر زیادہ تجاوز ہو گا اتنے ہی بچے قدری و سبکی زیادہ
ہوگی۔ (تعلیم رعایتِ اعتدال)

پنہاں تھا دامِ سخت قریب اشیانہ کے
اڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے

مطلب یہ کہ آنادہی سے گزرتاری میں کچھ زیادہ دیر نہیں لگی۔ (ابتلائے ناگہانی عشق)

ہستی ہماری اپنی فنا پر دلیل ہے
یاں تک مٹے کہ آپ ہی اپنی قسم ہوئے

واضح ہو کہ ایک قسم ہوتا ہے اودائیک قسم بڑ۔ قسم کا وجود خارج میں کچھ نہیں۔
البتہ قسم کا وجود ہو کہ ہے۔ شاعر خود کو قسم کہتا ہے جس کے معنی یہ ہوئے کہ اس کا وجود خارج
میں کچھ نہیں۔ مادہ ہستی کا قسم ہوتا دلیل ہے اس کے فنا کی۔ پھر یہ بھی ہے کہ قسم کھا کر کسی بات
کو ثابت کرنا خود اس امر کی دلیل ہے کہ وہ شے مشہور ہو جو وہ نہیں ہے۔ علاوہ اس کے زندہ
وارتہ مزاج کی قسم کا کچھ اعتبار بھی نہیں اور وہ ایسی نہیں ہے جیسے انسان کا وجود بے بود و اللہ
اعلم۔ (دستی بے برافسان)

سختی کشان عشق کی پوچھے ہے کیا خبر

وہ لوگ رفتہ رفتہ سراپا الم ہوئے

یعنی اہل عشق کثرت اللام سے مجبور الم بن جاتے ہیں مکرثرت الام

تیری وفا سے کیا ہوتا فانی کہ دھڑ میں

تیرے سوا بھی ہم پر بہت سے قسم ہوتے

یعنی اہل عشق محبوب کی سختیوں کے علاوہ اور طرح بھی نشانہ قسم بن جاتے ہیں۔ مثلاً

ظفر باغیادہ کائنات احباب وغیرہ۔ (معاذ اللہ راو عشق)

لکھتے رہے جنوں کی جکایات خونچکاں

ہر چند اس میں ہاتھ ہمارے قلم ہوئے

یعنی محبت کے دردناک حالات لکھنے میں وہ کمال دکھایا ہے کہ ہاتھ کٹا دیے گئے

گویا تریا کڑی لکھ سکا اور نہ ہم آئندہ ایسا لکھ سکتے ہیں۔ (تعلیٰ ترجمانی بند بات)

اللہ سے تیری تندہی خو جس کے عیم سے
اجزائے نالہ دل میں مرے رزق ہم ہوتے

یعنی تیری تند مزاجی کے خوف سے رو یا بھی نہیں جاسکتا۔ نالہ دل میں اٹھتا ہے
پھر دسرا اٹھ کر اسے دبا دیتا ہے۔ اسی طرح گویا ایک نالہ دوسرے کی غذا بن جاتا ہے اور
باہر نہیں نکلتا۔ (منہی نالہ)

اہل ہوس کی فحش ہے ترک بند عشق
جو پاؤں اٹھ گئے وہی ان کے علم ہوتے

یعنی اہل ہوس کا میدان عشق سے بھاگ نکلتا ہی ان کی فحش ہے۔ لہذا بھاگنے کے لیے
جو پاؤں اٹھا گویا ان کی فحش کا جھنڈا بلند ہو گیا۔ گویا اہل ہوس کا کمال یہ ہے کہ وہ نااہل عشق
ہوں۔ (ذاتیلیت اہل ہوس)

نالے علم میں چند ہمارے سپرد تھے
جو حال نہ کہنخ کے سو وہ یاں آ کے دم ہوئے

نم: یعنی نفس۔ یعنی نالہ و مراد ازل سے ہمارے تقدیر میں ہے۔ علم میں نالہ
کر کے تھے تو وہ اس جہان میں بہ شکل نفس جاری ہیں۔ گویا ہر سانس ایک نالہ ہے۔
(نسبت انشا با فہم عشق)

پھوڑی آئندہ ہم نے گدائی میں دل لگی
ساکل ہوئے تو عاشق اہل کرم ہوئے

یعنی گو فقیروں لیکن چونکہ طبیعت عاشقانہ ہے اس لیے میں نے گدائی کو بھی عاشقی میں

یوں سویا کہ اہل کرم کا عاشق بن گیا تاکہ گدائی سے عشق بازی میں خلل نہ آئے۔ (ذوقِ عاشقی)

(۱۶۸)

جو نہ نقدِ داغِ دل کی کرے شعلہ پاسبانی
تو فسردگی نہاں ہے بہ کمینِ بے زبانی

شعلہ: استعارہ سوزِ باطن۔ یعنی میری خاموشی میں افسردہ دلی چھپی ہوئی ہے۔ یہ
افسردگی داغِ دل کی دولت کو چھپا لیتی لیکن مشکل یہ ہے کہ سوزِ باطن اس داغ کی حفاظت
کر رہا ہے اور اسے مٹنے نہیں دیتا۔ (ادامِ نوزِ غمِ عشق)

مجھے اس سے کیا توقع بہ زمانہ جوانی
کبھی کودکی میں جس نے نہ سنی میری کہانی

یعنی جس عمر میں کہانی سننے کا شوق ہوتا ہے جب اسی وقت میری کہانی نہ سنی تو
اب کہ مجرب جوان ہے میری کہانی کب سنے گا۔ (بے نیازیِ معشوق)

یہ نہی دکھ کسی کو دیتا نہیں خوب ورنہ کہتا
کہ مرے غلہ کو یا رب ملے میری زندگانی

یہ جو کہا جاتا ہے کہ یہ دکھ جو مجھے ہے خدا دشمن کو بھی نہ دے۔ اسی خیالی کو شاعر
نے بطرزِ طنز ادا کیا ہے۔ (بیانِ حالتِ نازِ خوشن)

(۱۶۹)

ظلمتِ کرے میں میرے شبِ غم کا جوش ہے
اک شمع ہے دلیلِ سحر سو خموش ہے

یعنی میرا گھر اس قدر تاریک ہے کہ اس میں شبِ غم کی سی تاریکی ہے۔ بیانِ تک کہ

صبح کا نشان تک نہیں۔ سو اس کے کہ کبھی ہوئی صبح کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ شاید یہ
صبح ہے۔ ظاہر ہے کہ صبح کا ہوش خود اسباب تاریکی میں سے ہے گویا روشنی کی جو دلیل
ہے وہی خود تاریکی کا سبب بھی ہے۔ اس سے تاریکی کا اندازہ لگاؤ۔ (بیان تاریکی شب غم)

مے مژدہ وصال نہ نظر اے جمال
مدت ہوگی کہ آشتی چشم و گوش ہے

یعنی کان مژدہ وصال سنتے تو آنکھیں رشک کرتی ادا آنکھیں نظارہ جمال کرتی
تو کان رشک کرتے۔ اب دونوں میں سے کسی کو باہم رشک و رقابت نہیں کہ نہ مژدہ وصال
ہے نہ نظارہ جمال۔ (بیان مہجوری)

مے نے کیلے حسن خود آرا کو بے حجاب
اے شوق یاں اجازت تسلیم ہوش ہے

یعنی شراب سے خوش وقت ہو کر محبوب خود آرا کو بے حجاب ہو گیا ہے۔ اب اہل شوق
کو ہوش و حواس سے ہاتھ دھولینا چاہیے لہذا اب ہر دھوکت جائز ہے جو ہوشمندی کے
منافی ہے۔ (ہوش رباٹ جمال)

گو ہر کو عقد گردن خوابوں میں دیکھنا
کیا اوج پر ستارہ گو ہر فردش ہے

معصرا دلی مبتدا ہے اور مصرعہ ثانی خبر ہے۔ یعنی گو ہر فردش کیا مبتدا خبر ہے کہ
اپنے رون کو حسینوں کے گلے کے بار میں دیکھ رہا ہے۔ (فخر نسبت با محبوب)

دیدار، بادہ، حوصلہ، ساقی، نگاہ مست
بزم خیال میسکدہ بے خروش ہے

یعنی تصور میں جبالِ محبوب، شرابِ ہمت، ساقی اور مست آنکھیں ان سب سے
 ایک خاموش سے خانہ کی سی کیفیت پیدا ہو رہی ہے۔ (دیش تصور)
 اسے تازہ وارواں بساط ہو اسے دل
 زہوار اگر تمہیں ہوس مانے و نوش ہے
 دیکھو مجھے جو دیدہ جبریت نگاہ ہو
 میری سنجو گوش نصیحتِ نوش ہے
 ساقی بجلوہ دشمن ایمان و آگہی
 مطرب بہ لغزِ زہریں تمکین و ہوش ہے
 یاشب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشہ لباط
 دامانِ باغبان و کعبہ گل فروش ہے
 لطفِ خرامِ ساقی و ذوقِ مدائے چنگ
 یہ جہنتِ نگاہ وہ فریوس گوش ہے
 یا صمد جو دیکھیے آکر تو بزم میں
 نے وہ سرور و سوز و جوش و خروش ہے
 دارِ فراقِ صحبتِ شب کی جلی ہوئی
 اک شمع رہ گئی ہے سودہ بھی خوش ہے
 یعنی اسے طبیعت کے منجھے دگر اگر تمہیں فخر و شراب کا شوق ہے تو مجھے دیکھ کر
 جبریت پکڑو اور میری نصیحت سنو کہ

ساقی عقل و ایمان کا دشمن ہے اور مطرب وقار و ہوش کا رہزن ہے۔ عیش کی

راتوں میں جہاں پھولوں کے فرش ہیں اور

ساتی کا جلوہ ابد سارنگی کی آواز جنت و فردوس کا سماں پیش کرتی ہے۔

وہاں صبح کے وقت تمام عیش و نشاط و ہم پر ہم ہو جاتا ہے۔

اور صبح کو بھی ہر کی شمع کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

مطلب یہ ہے کہ عید نشاط اس درجہ ناپائیدار ہے کہ اسی کی ہوس فصول اور دور

ازکار ہوگی۔ دکھنا ہی فرصت عیش

آتے ہیں غیب سے یہ مضامین خیال میں

غالب عصر یہ خامہ نواٹے سر دوش ہے

یعنی میرے قلم کی آواز گویا نہیں فرشتے کی آواز ہے کما س سے فیض مضامین ترشح

ہوتے ہیں۔ بقول: الشعراء طهذو الرحمن۔ رادوا نیت تحیل

(۱۵۰)

آہ کہ میری جان کو خسار نہیں ہے

طاقت بیدار و انتظار نہیں ہے

یعنی میں اس قدر خستہ حال ہوں کہ انتظار کی سختی کو نہیں جھیل سکتا (انتظار معذور)

دیتے ہیں جنت حیات و ہر کے بدلے

نفسہ بانداز و خسار نہیں ہے

یعنی صاحب زندگی اس قدر زیادہ ہیں کہ جنت کی نعمتیں اسی کا پورا عطا و عنایت

ہو سکتیں۔ (بالحکمہ اکرام و ہوا)

مگر یہ نکالے ہے تیری بزم سے مجھ کو

ہائے کہ رونے یہ اختیار نہیں ہے

یعنی شکل یہ ہے کہ دوتا میرے بس میں نہیں ادا رہتا ہوں تو محفل محبوب سے نکال دیا جاتا ہوں۔ (اضطرار و اضطراب)

ہم سے عیب ہے گمانِ رنجشِ خاطر
خاک میں عشاق کی غبار نہیں ہے

خاک، یعنی طینت۔ غبار یعنی رنجشِ خاطر۔ یعنی عشاق کی طینت میں ہی رنجشِ خاطر نہیں ہے پھر اس کا اندیشہ کیوں ہو۔ (رضاء و انکسار)

دل سے اٹھا لطفِ جلوہ ہائے معافی
غیر گلِ آئینہ بہار نہیں ہے

یعنی مضامینِ عالیہ سے دل اس طرح شگفتہ ہوتا ہے جس طرح بہار سے پھول۔
لہذا مضامین کا جلوہ دیکھنا ہے تو دل میں دیکھ ادا بہار کا جلوہ پھول میں۔ (دکشاٹی جلوہ خفا)

قتل کا مرے عہد تو کیا ہے بائے
ہائے اگر عہدِ استوار نہیں ہے

یعنی اگر محبوب نے قتل کا ارادہ کیا ہے تو کاش وہ اسے پورا ہی کرے۔ اندیشہ
یہ ہے کہ مبادا وہ اپنی عادتِ ناستواری عہد کے تحت اس ارادہ کو بھی پورا نہ کرے۔
(ذوقِ جانفروشی)

تو نے قسم میکشی کی کھائی ہے غالب
تری قسم کا کچھ اعتبار نہیں ہے

یعنی ذوقِ نگہاری اسی وجہ کا ہے کہ اگر غالب ترکِ نے کی قسم بھی کھائے تو
اس کا اعتبار نہ کرنا چاہیے۔ (اظہارِ کمالِ ذوقِ نگہاری)

(۱۷۱)

ہجوم غم سے یاں تک سترنگونی مجھ کو حاصل ہے
 کہ تارِ دامن و تارِ نظر میں فرق مشکل ہے
 یعنی اتنا سترنگوں ہوں کہ میری نظر تارِ دامن پر اس طرح جم کر رہ گئی ہے کہ ان دونوں
 میں امتیاز نہیں رہا۔ (بہانہِ حزن)

دو شے زخم سے مطلب ہے لذت زخمِ شون کی
 بکھیر موت کہ یاں درد سے دیوانہ غالب ہے
 یعنی دیوانہ عشق درد سے یاں بونا نہیں چاہتا۔ چنانچہ زخم کا رُخ بھی آرام کے
 لیے نہیں کراتا بلکہ زخمِ شون کی لذت کے لیے۔ (ذوقِ جراحات)
 وہ گل جس گُلستاں میں جلوہ فرمائی کرے غالب
 چمکنا غنچہ گُل کا صدائے خندہ دل ہے
 یعنی وہ محبوب اگر کسی باغ میں جاوے اور گل چمکے تو یہ سمجھو کہ باغ کا دل شادمانی
 میں ہنس رہا ہے۔ گویا باغ کا باغ و شاد و مسرور ہے۔ (نشاطِ جلوہ محبوب)

(۱۷۲)

پایہ دامن ہو رہا ہوں بس کہ میں صحرانورد
 غلامِ پا میں جو ہر آئینہ زانو سے مجھے
 یعنی مجھ صحرانوردِ نظری کو جو دامن میں پاؤں سمیٹ کر بیٹھتا پڑا ہے تو میں ایسا بھی
 ہوں کہ گویا میرے آئینہ زانو کے جوہر کاتھوں کی طرح میرے پاؤں میں چھپ رہے ہیں اور
 مجھے صحرانوردی کے لیے اکسا رہے ہیں۔ (ذوقِ صحرانوردی)

دیکھنا حالت مرغل کی ہم آغوشی کے وقت
ہے نگاہ آتش تیسرا سیر ہر موبجھے

یعنی ہم آغوشی کے وقت تیسرے جسم کا ایک ایک رو نگاہ دل پر وہ اثر کرتا ہے جو
مشتوق کی نگاہ کرتی ہے۔ (مرثادنی محبت)

ہوں سراپا ساز آہنگ شکایت کچھ نہ پوچھ
ہے یہی بہتر کہ لوگوں میں نہ چھڑے تو بچے

مطلب یہ ہے کہ میں بھرا بیٹھا ہوں مجھے چھڑا تو میں پیوٹ پڑوں گا۔ (درد مندی مل)

(۱۶۳)

جس بزم میں تو ناز سے گفتار میں آؤے
جان کا لبد صورت دیوار میں آؤے

یعنی تیری تقریر ایسی جان بخش ہے کہ دیوار پر بنی ہوئی تصویر میں بھی جان پڑ جاتی
ہے۔ (دل افروندی تقریر محبوب)

سایہ کی طرح ساتھ پھری سرود صنوبر
تو اس تیرے دلکش سے جو گلزار میں آؤے

یعنی تیری رفتار میں ایسی دلکشی ہے کہ اگر باغ میں تیرا گزرتا ہو تو سرود صنوبر
ساتھ چلنے لگیں۔ بقول :

سرود باغ شاد است بیک پائے نگر بر کاب تو دو دگر بردش پائے دگر
(مہندہ دلکش رفتار)

تج ناز گرا نمانی گئی اشک بجا ہے
جب بخت جگر دیدہ خونبار میں آؤے

یعنی آنسو قابلِ تقدیر ہے کہ اس کے ساتھ جگر کا ٹکڑا بھی یا ہر آجائے۔
(تقدیر گریٹ بگروڈ)

مے مجھ کو شکایت کی اجازت کہ ستمگر
کچھ تجھ کو مزہ بھی مرے آزار میں آئے
یعنی بغیر آہ و نالہ و فریاد تجھے کیسے معلوم ہو کہ تیرے جو دوستم کا کچھ اثر بھی ہوا ہے
(حسرت فریاد)

اس چشمِ فسونِ گر کا اگر پائے اشارہ
طوطی کی طرح آئینہ گفتار میں آوے
یعنی اگر تیری آنکھوں کا اشارہ ہو تو آئینہ بھی جس کی صفت حیران اور لازماً خاموش
ہے برونے لگے۔ (انہوں گریٹ چشم)

کانٹوں کی زباں سوکھ گئی پیاس سے یارب
اک آبلہ پا فادھی پتر خار میں آوے
یعنی کانٹے پیاسے میں خدا کرے کوئی آبلہ پا آئے کہ کانٹوں کی زباں ترکرے۔
(شکوہ نایابی دشتِ زرداں)

مر جاؤں نہ کیوں رشک سے جب تنِ نازک
آغوشِ خیمِ حلقہ زنا میں آوے
یعنی محبوب کا حلقہ زنا میں آغوش میں آنا میرے لیے باعثِ رشک ہے۔ (بازنہ رشک)
غارت گر ناموس نہ ہو گر ہو کسی زر
کیوں شاہِ گل باغ سے بانا رہیں آوے

یعنی پھولوں کا بازار میں آنا دکھایا ہوتا ہے کہ ہوس زور سے اسے بے آبرو کر دیا ہے
ہوس اس لیے کہتا ہے کہ پھول پیسے ہی زندگی کے پتھر ہوتا ہے۔ (خدمت ہوس زور)

تب چاک گریباں کا مزا ہے دلِ ناداں!
جب اک نفس الجھا ہوا ہر تار میں آئے

یعنی دیرانگی کا کمال تب ہے کہ جان کا بھی نعل ہو۔ (جاں فرسائی حزن)

آتش کدہ ہے سینہ مرا رازِ نہاں سے

اے وائے اگر معرضِ اظہار میں آئے

یعنی اگر میرا راز ظاہر ہو گیا تو دنیا کو جلا کر رکھ کر دے گا۔ (سوز تکی رازِ عشق)

گنجینہ معنی کا طلسم اس کو سمجھے

جو لفظ کو غالب مر کے اشعار میں آئے

یعنی میرے اشعار کا ہر لفظ گنجینہ مضامین کا ایک طلسم ہے کہ اس پر قدرت پاتا

(بجھتا) شکل ہے لیکن اگر بالیا (بجھ لیا) تو گویا خزانہ ہاتھ آ گیا (شکل پسند و تحسین کلام غالب)

(۱۷۴)

حسن مر گرچہ بہ ہنگامِ کمال اچھا ہے

اس سے میرا مدِ خورشیدِ جمال اچھا ہے

عجوب کو خورشید سے تشبیہ دیتے ہوئے چاند سے افضل بتایا ہے کیونکہ چاند اپنے حسن

میں رقتِ کمال کا محتاج ہے اور سورج ہر وقت کامل ہے۔ (دعویٰ نکیل حسنِ عجوب)

بوسہ دیتے نہیں اور دل پہ ہے ہر لحظہ نگاہ

جی میں کہتے ہیں کہ مفت آئے تو مال اچھا ہے

یعنی محبوب مرث دل لینے کے مدپے ہے ۔ (دہری مفت)
 اور بازار سے لے آئے اگر ٹوٹ گیا
 سا غرجم سے مراجیم سفالی اچھا ہے
 یعنی میرا جام سفالی جام جم سے بہتر ہے کہ اس کا حصول آسان ہے اور اطلاق
 گراں خاطر نہیں ۔ (قدیر بے باغی)

بے طلب دیں تو مزہ اس میں سوا ملتا ہے
 وہ گدا جس کو نہ ہو خوشی سوال اچھا ہے
 یعنی عطل بے طلب ہو گدا کی بھی توقیر ہے ۔ (حسن طلب)
 ان کے دیکھے سے جو آ جاتی ہے منہ پر رونق
 دیکھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے
 یعنی میں محبوب کا اپنا حال زار دکھانے سے مجبور ہوں کیونکہ جب وہ آتا ہے اور میں
 اسے دیکھتا ہوں تو میری حالت وقتی طور پر اچھی ہو جاتی ہے اعلیٰ طرح اس کے فیض
 عطاوت سے محروم رہ جاتا ہوں ۔ بقول :

گفتہ بودم چو بیا کی خبر دل با تو بگویم
 چہ بگویم کہ غم از دل ببرد چوں تو بیا کی
 (حسرت عرض حال)
 (سودا)

دیکھیے پاتے ہیں عشاق بتوں سے کیا فیض
 اک برہمن نے سمجھا ہے کہ یہ سال اچھا ہے
 یعنی اہل عشق کے نزدیک سال یا وقت کا اچھا ہونا مرث یہ ہے کہ مشوق مہربان ہو۔
 برہمن کی اس پیش گوئی کو بھی کہ یہ سال اچھا ہے عاشق اسی نقطہ نظر سے دیکھتا ہے بقول

ہلی کو خواب میں سمجھ پڑے۔ (اربابیت خلاق)

ہم سخن تیشہ نے فریاد کو شیریں سے کیا
جس طرح کا بھی کسی میں ہو کمال اچھا ہے

یعنی حصول مقاصد ایسے کے لیے اہل کمال ہونا شرط ہے خواہ وہ کسی ہنر میں بھی ہو۔
چنانچہ تیشہ نے اگرچہ ادائی ناس کا پیشہ ہے لیکن اس میں کمال کے باعث فریاد کا ذکر شیریں
کے ساتھ کیا جانے لگا۔ کسب کمال کو کہ عزیز جہاں شوی (حقیقت اہل کمال)

قطرہ دریا میں جو مل جائے تو دریا ہو جائے
کام اچھا ہے وہ جس کا کہ مال اچھا ہے

یعنی قطرہ کا دریا میں مل جانا گو بظاہر قطرہ کی بربادی ہے لیکن قطرہ کا اچھا انجام ہی
ہے۔ (عشرت خائے مہر)

خضر سلطان کو رکھ خالق اکبر سرسبز
شاہ کے باغ میں یہ تازہ نہال اچھا ہے

یعنی فرزند شاہ خضر سلطان جو شاہی خاندان کا نو نال ہے سرسبز و بامراد ہے۔
(تہنیت ولادت خضر سلطان)

ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن
ذول کے خوش دھن کو غالب یہ خیال اچھا ہے

یعنی جنت اگرچہ عدم استحقاق کے ہمارے لیے ایک خیالی چیز ہے لیکن یہ خیال یا اس
کا تصور اچھا ہے کہ اس کی امید پر ذل خوش ہے۔ (یاس و قنوط)

نہ ہوئی گھر میں سے مرنے سے قتل نہ ہی

امتحان اور بھی باقی ہوں تو یہ بھی نہ سہی

یعنی جان سے دنیا ایک ایسا امتحان منظر ہے کہ اس کو یہ بھی نہ سہی کہہ کر کسی اور
امتحان کے لیے آمادہ نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ اس کے بعد اور کوئی امتحان باقی نہیں رہتا۔
مطلب یہ ہے کہ اس سے بڑا کوئی اور امتحان ہو تو ہم اس کے لیے بھی تیار رہتے۔ ورنہ ہنجائی منہ

خارخار الم حسرت دیدار تو ہے

شوق گل چین گلستان قتل نہ سہی

یعنی قیاس شوق کا سامان (دیدار محبوب) میر نہیں تو نہ سہی الم حسرت دیدار تو ہے کہ
اس میں بھی بجائے خود ایک لذت ہے۔ (تعلیم و تفریح)

مے پرستان! خچم مے موندے گلستاں می بنے

ایک دن گرد نہ ہوا بزم میں ساقی نہ سہی

یعنی اگر آج ساقی نہیں ہے کہ مے ساغر میں نکال کر پلائے تو گھڑے سے نہ لگا کر خود
ہی پینا کیا برا ہے۔ (ابتداء شوق)

نفس قیس کہ ہے چشم و چراغ صبرا

گر نہیں شمع سیر تا یہ لیلی نہ سہی

یعنی مجنوں کی آہ شعلہ بار کا اثر لیلی کے گھر تک نہ پہنچاؤ کیا ہوا وہ صبرا کے لیے چشم و چراغ
ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر محبت کا اثر محبوب پر کہے بھی نہ ہو تب بھی وہ خداست خود قابلِ تذکرہ
ہے۔ (بے نیازی عشق)

ایک ہنگامہ پہ موقوف ہے گھر کی رونق
تو حشر غم ہی سہی نغمہ شادی نہ سہی

یعنی رونق نام ہے ہنگامہ کا خواہ وہ شادی کا ہو یا غم کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو
شادی اور غم دونوں حال میں مطمئن رہنا چاہیے۔ (تعلیم تسلیم و رقتا)

نہ ستائش کی تمنا نہ حسد کی پروا
گر نہیں ہیں میرے اشعار میں معنی نہ سہی

یعنی مجھے وارہ لینے کی خواہش ہے اور نہ صلہ پانے کی تشا ایسی صورت میں میرے اشعار
کو بے معنی کہیں یا بامعنی مجھے اس سے کوئی غرض نہیں۔ (استقنائے شاعر و طبع ہنر تاشا سی)

حشرت صحبتِ خواباں ہی غنیمت سمجھو
نہ ہوئی غالب اگر غمِ طبعی نہ سہی

یعنی غم خواہ کتنی ہی غمقر جو حینوں کی صحبت میں گزرے تو کیا بات ہے۔ (اعتمادِ خدمتِ شتی)

(۱۷۶)

عجب نشاط سے جلاؤ کے چلے میں ہم آگے
کہ اپنے سائے سے سر پاؤں سے بے وقدم آگے

یعنی سرگٹھنے کی ایسی خواہش ہے کہ جلاؤ کے ساتھ آگے جا رہے ہیں اور سر کا

سایہ پاؤں سے و وقدم آگے جا رہا ہے۔ حسن تعلیل۔ (ذوقِ سرِ زوشی)

قصا نے تھا مجھے جا با خراب بادۂ کفّت
فقط خراب لکھا بس نہ چل سکا قلم آگے

یعنی مجھے محبت میں تباہ ہونا تھا لیکن کاتب تقدیر نے خراب بادۂ محبت مکنے کی بجائے

مرف خراب کھا ادا کئے نہ کھ سکا۔ گویا میری تقدیر میں بہر حال تباہی و بربادی ہی رہ گئی۔
خواہ محبت ہو یا نہ ہو۔ (ذیلوں حالتِ قطعی)

غم زمانہ نے جھاڑی تشاؤِ عشق کی مستی
وگر نہ ہم بھی اٹھاتے تھے لذتِ الم آگے

یہ شعر شعرا کی مزید تشریح ہے یعنی غم زمانہ کی فراوانی سے المِ عشق میں جو نشاط تھا وہ
بھی جاتا رہا۔ گویا اب غمِ عشق نہیں صرف غمِ زمانہ رہ گیا۔ (فراوانیِ غمِ دنیا)

خدا کے واسطے داد اس جنون کی دینا
کہ اس کے در پہ پہنچتے ہیں نامہ بر سے ہم آگے

یعنی ہمارا شوق ویرانگی کی حد تک پہنچ گیا ہے کہ نامہ بر سے پہلے محبوب کے دروازہ
پر خود پہنچ جاتے ہیں۔ بقول صاحب الغرض جنوں: (ویرانگیِ شوق)

یہ غم بھر جو پریشانیوں اٹھاتی ہیں ہم نے
تھائے آئینہ اے طرہ ہائے غم بہ غم آگے

یعنی اے طرہ ہائے غم بہ غم جس طرح تم نے ہیں پریشان کیا ہے۔ خدا کو نہ تم بھی ۱
طرح پریشان رہی مطلب یہ ہے کہ تمہاری تابدادی و تفاضس وہ ہے۔ (دعا نے اذنی حسن
بغزان بد دعا)

دل و جگر میں پرانٹاں جو موجہِ خوبی ہے
ہم اپنے زخم میں سمجھے ہوئے تھے اس کو دم آگے

زخم: یعنی گمان۔ پرانٹاں یعنی مضطرب یا خروجِ آمادہ۔ یعنی جسے ہم اپنی سانس
(سلمان حیات) کہتے تھے۔ وہ دراصل خونِ دل و جگر کا اضطراب تھا۔ مطلب یہ کہ زندگی

مصاب و آلام ہی کا نام ہے۔ (ملازم حیات و فہم)
 قسم خنانے پر آنے کی میرے کھاتے میں غالب
 ہمیشہ کھاتے تھے جو میری جان کی قسم آگے

یعنی کہاں تو میں آنا عزیز تھا کہ وہ میری جان کی قسم کھاتے تھے اذیاب ایسا مستحب
 ہوں کہ وہ قسم کھاتے ہیں کہ جازے پر بھی نہ آؤں گا۔ (توٹن مزاحی محبوب)

(۱۷۷)

شکوے کے نام سے بے ہر خفا ہوتا ہے
 یہ بھی مت کہہ کہ جو کیسے تو گلا ہوتا ہے

یعنی یہ کہا کہ محبوب شکوے سے خفا ہوتا ہے بچائے خدا ایک شکوہ ہے لہذا یہ بھی نہ کہو
 ماما محبوب کے لیے باعث خنک ہو۔ (تک مزاحی محبوب)

پھر ہوں میں شکوے سے لوں راگ سے جیسے باجا
 راگ ذرا چھوٹے پھر دیکھیے کیا ہوتا ہے

یعنی میرے دل میں اس طرح شکوے ہیں جیسے ساز میں راگ کہ بظاہر کچھ نہیں لیکن کوئی
 سننا چاہے تو جس قدر چاہے سنا سکتا ہوں۔ (دوہڑا جفا شے محبوب)

گو سمجھتا نہیں پر حسن تلافی دیکھو
 شکوہ خود سے سرگرم جفا ہوتا ہے

یعنی میری شکایت پر اس کا ادا بھی زیادہ ظلم کرنا پہلے مظالم کی تلافی کر دیتا ہے کہ وہ
 مقابلتا بے حقیقت ہو کر رہ جاتے ہیں لیکن اس کو تلافی نہیں سمجھتا۔ اگر ایسا سمجھتا تو جفا
 و شکش ہوتا۔ (جنا جوئی محبوب)

عشق کی راہ میں ہے چرخِ مکو کب کی مہ چال
سست رہ جیسے کوئی آبلہ پا ہوتا ہے

چرخِ مکو کب : یعنی تاروں بھرا آسمان۔ عشق کی راہ : یعنی مصائب عشق کی راہ۔

یعنی مصیبت کے دن کاٹے نہیں کٹتے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ تاروں بھرا آسمان آبلہ پا
جو کر رہ گیا ہے کہ گردش نہیں کر سکتا۔ (دیر پائی عہدِ مصائب)

کیوں نہ ٹھہریں بدلتا دک بیدا دک ہم
آپ اٹھا لاتے ہیں گرتی خطا ہوتا ہے

یعنی اگر کوئی ظلم رہ جائے تو ہم محبوب کو پھر یاد دلاتے ہیں کہ وہ بھی کرے (ذوقِ تم کشی)
خوب تھا پہلے سے ہوتے جو ہم اپنے بدخواہ
کہ بھلا چاہتے ہیں اور بُرا ہوتا ہے

یعنی جب کہ ہمارے چاہنے کے خلاف ہی ہوتا ہے تو بہتر ہوتا کہ ہم خود اپنا برا چاہتے
نہیں اچھا ہوتا۔ (بے اثری دعا)

نالہ جاتا تھا پرے عرش سے میرا دراب
تک آتا ہے جو ایسا ہی رہا ہوتا ہے

یعنی میری ناقراں اور نواساں فریاد کا یہ عالم ہے کہ میری فریاد اگر بہت پہنچی تو تک
تک آتی ہے حالانکہ پہلے عرش تک پہنچتی تھی۔ (بالغہ ناقراں بے اثری دعا)

خامہ میرا کہ ہے وہ یا رہ بزمِ سخن
شاہ کی درج میں یوں فخر ہوتا ہے
اسے شہنشاہِ کواکب سپہ و ہر علم
تیرے اکرام کا حق کس سے ادا ہوتا ہے

سات اقلیم کا حاصل جو فراہم کیجے
 تو وہ لشکر کا ترے نعل بہا ہوتا ہے
 ہر چیلنے میں جو یہ بدر سے ہوتا ہے ہلال
 آستان پر ترے مہ ناسیہ سا ہوتا ہے
 میں جو گستاخ ہوں آئین غزنو خانی میں
 یہ بھی تیرا ہی کرم ذوق فضا ہوتا ہے

یہ اشعار مدح سلطان میں ہیں۔ علامہ صفحہ ۱۷۷ پر ہے کہ میر تقی میر بادشاہ کی تعریف اس طرح کرتا ہے کہ اسے بادشاہ تیری عنایتوں کا بدلہ کوئی نہیں دے سکتا۔

تیری پایگاہ و جاہ کا یہ عالم ہے کہ ہفت اقلیم کا خراج فراہم کیا جائے تو وہ تیرے گھوڑوں کی نعلوں کے گھسنے کا معاوضہ ہو۔

علو سے مرتبت کی یہ کیفیت کہ ماہِ کامل تیرے آستانہ پر پشانی رگڑتے رگڑتے ہلال بن جاتا ہے۔

یہ تیری ہی کرم گسری ہے کہ مجھے یہ ذوق شاعری میسر ہے امد میں آئین غزنو خانی میں اس درجہ جیاگ ہیں۔

رکھیو غالب مجھ اس تلخ نوائی میں معاف
 آج کچھ دردِ مرے دل میں سوا ہوتا ہے

یہ قطع پھر درد سے غزل کی طرف دیوتا ہے۔ شعر کے معنی یہ ہیں کہ میرے کلام میں جو تلخی ہے اس کا باعث وہ کلفت ہے جس میں میرا دل مبتلا ہے۔ (تلمیذ لڑائے غم)

(۱۷۸)

ہر اک بات پہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے
 تمہیں کہو کہ یہ انداز گفت گو کیا ہے؟
 تو کیا ہے، کورستخیر یعنی ایمان سے کہنا کہ میری ہر بات پر تمہارا یہ کہنا کہ تیری کیا
 حقیقت ہے کیا نامہ لطیف تکلم ہے۔ (ٹکڑہ تند خوئی)
 نہ شعلہ میں یہ کر کشمیر نہ برق میں یہ ادا
 کوئی بتاؤ کہ وہ شوخ تشدد تو کیا ہے
 کوشمزدادا، یعنی دلفریب، یعنی محبوب کی شوخی و تند خوئی میں جو دلفریبی ہے وہ
 شعلہ برق میں کہاں ہے؟ (دلآویزی شوخی محبوب)
 یہ رشک ہے کہ وہ ہوتا ہے ہم سخن تم سے
 وگر نہ خوفِ بدآموزی عدو کیا ہے
 یعنی میں جو یہ چاہتا ہوں کہ قریب تم سے ہمکلام نہ ہوں اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس
 کی بدآموزی سے ڈلتا ہوں بلکہ مجھے تو اس بات پر رشک آتا ہے کہ وہ تم سے ہم کلام کیوں چاہتا ہے (رشک)
 چپک رہا ہے بدن پر لہو سے پیرا من
 ہماری حبیب کو اب حاجتِ رفو کیا ہے
 یعنی چاک گریباں کو سینے کی حاجت نہیں کیونکہ سینہ کوئی سے بدن پہو لہاں ہے اؤ
 پیرا من جسم سے چپک گیا ہے جس کے باعث چاک غائب ہو گیا۔ (مبالغہ مگر سبذادی)
 جلا ہے جسم جہاں دل بھی جل گیا ہو گا
 کر دیتے ہو جواب را کہ جستجو کیا ہے

یعنی سوزِ عشق نے حیم کے ساتھ دل بھی جلا دیا۔ اب اس راکھ کے ڈھیر میں اس کی تلاش
بے کار ہے۔ طلب یہ ہے کہ اب جب کہ معائبِ عشق نے کارِ دل ہی تمام کر دیا ہے تو اب بلوئی
سے کیا حاصل ہوگا۔ (افسردگیِ خاطر)

رگوں میں دوڑتے پھرنے کے ہم نہیں قائل
جب آنکھ ہی سے نہ ٹپکا تو پھر لہو کیا ہے
یعنی خون کا آنکھوں سے ٹپکنا بڑی بات ہے مگر میں دوڑنا کچھ نہیں مطلب یہ ہے
کہ زندگی بے سوزِ عشق بے کار ہے۔ (مقامِ دل گدازی و جگر سوزی)
وہ چیز جس کے لیے ہم کو ہو بہشتِ عزیز
سوائے بادۂ گفلامِ مشک جو کیا ہے
یعنی بہشت کی قدرِ فلامِ بہشت ہے۔ پس جہاں بادۂ گفلام ہو وہی بہشت ہے۔
(ذوقِ یگساری)

پیوں شراب اگر خم بھی دیکھ لوں دوچار
یہ شیشہ و قدح و گوزہ و سبو کیا ہے
یعنی تھوڑی بہت شراب میرے نقد کی تسکین کرنا کافی ہے۔ (حوصلہ مندیِ یگساری)
وہی نہ طاقتِ گفستِ اراو اگر ہو بھی
تو کس امید پہ کہیے کہ آرزو کیا ہے
یعنی اگر عزیزی مال کا مقدور بھی ہو تو اظہارِ آرزو کا جو مقصد ہے مطلب ہے التفاتِ محبوب
سے اس کی امید نہیں۔ (حسرتِ التفاتِ محبوب)

ہوا ہے شہ کا مصاحب پھر ہے سہا تراتا
وگر در شہر میں غالب کی آبرو کیا ہے

یعنی غالب کی جو عزت ہے معاہدہ شاہ کے باعث ہے۔ (نثر تقریب سلطان)

(۱۷۹)

میں انہیں چھیروں اور کچھ نہ کہیں
چل نکلتے جوئے پیئے ہوتے
چل نکلتے: یعنی اظہارِ مستی و بے خودی کرتے۔ یعنی ضبط و تہا رہیں مکہ بے کر
انسان سرخوش و مدبوش نہ ہو۔ (تشابہ)

تیر ہو یا بلا ہو جو کچھ ہو
کاشکے تم مزے لیئے ہوتے
یعنی محبوب اپنا ہونا اس کا تہرہ دستم سب گوارا ہے۔ (التجانی کا) یا (محب تعلق باغیاں)
میری قسمت میں گر غم آتا تھا
دل بھی یا رب کشی دیتے ہوتے
یعنی غم اتنا زیادہ ہے جو کہ مجھ اکیلے کے لیے ناقابلِ برداشت ہے۔ (فرغانی غم)
آہی جاتا وہ سادہ پر غائب
کوئی دن ادھی بھی جیتے ہوتے
یعنی افسوس ہے کہ محبوب کے رام ہونے سے پہلے ہی موت آگئی۔ (غاکائی زریست)

(۱۸۰)

غیر میں محفل میں یوں سے یام کے
ہم رہیں یوں کشد لب پیغام کے
یعنی مقامِ افسوس ہے کہ بغاوت و محبت اکل و خرب میں شریک ہیں اور ہم کو پوچھا کہ
نہ پائے۔ (شکوہ بیاناتی)

خستگی کا تم سے کیا شکوہ کہ یہ
ہتھکانڈے ہیں چرخ نیلی فام کے

یعنی میری خستہ حالی کا موجب بد روزگاری ہے تم سے کیا شکوہ۔ (شکوہ محبوب بالواسطہ)

خط لکھیں گے گرچہ مطلب کچھ نہ ہو
ہم تو عاشق ہیں تمھارے نام کے

یعنی سزا نہ پر تمھارا نام لکھنا ہی مجھ عاشق کی تسکین کا موجب ہے خط میں کوئی مضمون

ہو یا نہ ہو۔ (غیر نسبت بہ ادنیٰ ملائیت)

رات پی نہ مزم پہ مے اور صبح دم
دھوئے دیتے جاڑا حرام کے

یعنی رات و شام عابدوں کا سار کھا اور کام رندوں کا سا اور پھر اس معیشت کو

اعمال ریائی سے دھونے کی کوشش کر رہا ہوں۔ مذمت کردار اپنی ریا

دل کو آنکھوں نے پھنسا یا کیا۔ مگر
یہ بھی حلقے ہیں تمھارے دام کے

کی: مگر تحسین معنی خوب۔ مگر: بمعنی شاید۔ یعنی میری آنکھیں جو دل کو بٹھائے

عشق حقیقی کرنے کا باعث ہوئیں یہ بھی مشوق حقیقی ہی کے دام کے حلقے معلوم ہوتی ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ آنکھیں بھی اسی کی عطا کی ہوئی ہیں جس کے دام حقیقت میں مبتلا ہوں۔

(فطرت عشق حقیقی)

شاہ کے پتے غل محبت کی خبر
دیکھیے کب دن پھریں حمام کے

یعنی بادشاہ کا غل صحت حمام کی ندرت و رونق کا باعث ہونے کو ہے۔
(نشاط و تہنیت صحت یا بقی سلطان)

عشق نے غالب تکم کر دیا
ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے
یعنی عشق انسان کو کسی اور کام کا نہیں رکھتا۔ (ایکادے عشق)

(۱۸۱)

پھر اس انداز سے بہادر آئی
کہ ہوئے جسروں قہر و قہر تماشائی
یعنی کچھ ایسی بہادر ہے کہ چاند سورج بھی سمجھوں نے بے شمار بہادریں دیکھ رکھی ہیں۔
اس کے شائق ہیں۔ (تربیت بہادر)

دیکھو اسے ساکنانِ خطرِ خاک
اس کو کہتے ہیں عالمِ آرائی
کہ زمین ہو گئی ہے سر تاشہ
روکشِ سطحِ سپرِخِ مینائی

یعنی تربیت و عالمِ آرائی کا یہ عالم ہے کہ تمام زمین نیلگوں آسمان کی طرح ہری بھری
ہو گئی ہے۔ (دفعہ بہادر)

سبزے کو جب کہیں جگہ نہ ملی
بن گیا دوسرے آب پر کائی

یعنی سبزے کی اس قدر ہیئت ہے کہ زمین کے علاوہ سطحِ آب پر بھی یہ شکل کائی

آگ آیا ہے۔ (مبالغہ جو شہ نغہ)

سبزہ و گل کو دیکھتے کے لیے

چشم زنگس کو دسی ہے بینائی

یعنی موسم کے اثر سے زنگس کی آنکھوں میں بھی بینائی آگئی ہے (مبالغہ فیض بہار)

ہے ہوا میں شراب کی تاثیر

باد وہ لڑتی ہے باد پیمانی

باد پیمانی یعنی فعل بیٹ یعنی ہوا ہی مست کرنے کو کافی ہے شراب نوشی کی کیا

ضرورت ہے۔ (مبالغہ نشاط بہار)

کیوں نہ دنیا کو ہو خوشی غالب

شاہ دین دار نے شفا پائی

یعنی یہ تمام شادابیاں صحت یاب بادشاہ کی وجہ سے ہیں (مدح سلطان و

تہنیت صحت یابی)

(۱۸۲)

تغافل دوست ہوں میرا دماغ غیور عالی ہے

اگر پہلو تہی کیجے تو جا میری بھی خالی ہے

تغافل دوست: یعنی بے نیازی پسند۔ یعنی ہر چند کہ عابد و خاکسار ہوں لیکن

دماغ عالی رکھتا ہوں۔ اگر آپ نے مجھ سے پہلو ہچایا تو میں بھی باکمال بے نیازی

اپنی جگہ خالی کر دوں گا۔ یعنی پہلو جاؤں گا۔ (اظہار جذبہ خودداری)

رہا آبا و عالم اہل بہمت کے نہ ہونے سے

بھرے ہیں جس قدر جام و سلو مینجانہ خالی ہے

یعنی دنیائے مہتوں سے آباد ہے۔ اہل مہمت ہوتے تو سب میخانہ کو جا آباد کرتے
 دنیا دیران ہو جاتی اور جام و سیو خالی ہو چکے ہوتے۔ جام و سیو کا پتہ رہنا اس بات
 کی دلیل ہے کہ کوئی پینے والا نہیں ہے اور مے خانہ خالی پڑا ہے بقول مولانا
 المعتمد لبطلت الدنيا مطلب یہ ہے کہ جو نادان میں وہی دنیا سے دل لگاتے
 ہیں۔ (تجلی اہل معرفت)

(۱۸۳)

کب وہ مُنتا ہے کہانی میری
 اور پھر وہ بھی زبانی میری

یعنی کاشی محبوب میرے حالات میری زبانی سنتا۔ (حسرت عریض مال)

خلش غمخیزہ خونریز نہ پوچھ
 دیکھ خونسا یہ نشانی میری

یعنی میری خون نشانی سے خلش کا اندازہ لگا۔ بقول: صورت میں عالم میری۔

(مگنتی زبوں مالی)

کیا بیاں کر کے مراد میں گے یا
 مگر آشفقتہ بیانی میری

آشفقتہ بیانی: اکسا را یعنی سخن وردی۔ یعنی کلام کے سوا اور میری کوئی یادگار

نہیں و کلام غالب

ہوں ز خود رفتہ بیدائش خیال
 بھول جاتا ہے نشانی میری

یعنی میں میرے خیال کا گم گشتہ ہوں۔ میں وہ ہوں جسے لوگ بھروسے ہوئے ہیں۔ ایک
شے فیہ خدیا ہوں اور زیادہ رنگی ہی میری نشانی ہے۔ میں وہ ہوں جو کسی کو یاد نہیں
(فراغوش کا رشتی اپنی زمانہ)

مقابل ہے مقابل میرا
رک گیا دیکھ روائی میری

مقابلہ ضد، مقابل، معنی حریف۔ یعنی میرا حریف میرا ضد ہے کہ میری روائی
طبع کو دیکھ کر اس نے سکون اختیار کیا۔ گویا حریف پر بنا کے تضاد میرا مقابلہ نہ کر سکا اور
اس کی روائی طبع میرے مقابلہ میں ختم ہو گئی۔ (دختر حریف)

تذریک میر رہ رکتا ہوں
منعت اذراں ہے گرافی میری

اذراں، معنی بے تدر۔ یعنی میری تدر راہ پر پڑے ہوئے پتھر جیسا ہے کہ
بھاری ہونے کے باوجود کوئی نہیں پوچھتا۔ (بے تدری خوشی)

گرد یاد رہ بلیتانی ہوں
صریر شوق ہے باقی میری

یعنی تندگی شوق نے مجھے اضطراب میں ایک بگولے کی مانند بنا دیا ہے (اضطراب)

دہن اس کا جو نہ معلوم ہوا
گھل گئی یہ چھپاتی میری

یعنی اس کا دہن "ریچ" (لاشے) ہے اور اسے نہ جان سکا اس کیفیت نے مجھے

"ریچ" میں "ثابت" کر دیا۔ (رنگی و پس مشوق)

کر دیا ضعف نے عاجز غالب
 تنگ پیری ہے جوانی میری
 یعنی یادِ عشق نے ایسا عاجز کیا ہے کہ اس جوانی سے بڑھا پا بھی شرماتا ہے۔
 (مبالغہ نادرانی)

(۱۸۴)

نقشِ نازبتِ طناز بہ آغوشِ رقیب
 پاسے ملاؤں پئے خاطرِ مانی مانگے
 پاسے ملاؤں کو نہایت بد وضع شے قرار دیا گیا ہے۔ یعنی رقیب کا آغوش میں خیل چوب
 کا از دکھانا ایسا بیوقوفانہ پیش کرنا ہے کہ اگر مانی (نقاش چین) کو اس کی مصوری مطلوب
 ہو تو اس کے لیے چاہیے کہ ملاؤں کے بدلنا پیروں کا قلم استعمال کیا جائے۔ (طعنِ قسطن
 رقیب یا محبوب)

تو وہ بد خو کہ تختِ کو تماشا جانے
 غم وہ افسانہ کہ آشفستہ بیانی مانگے
 مطلب یہ ہے کہ اظہارِ دعا میں چند در چند مشکلات ہیں اول تو غمِ عشق ایک ایسا افسانہ
 ہے جس کے بیان میں الجھنیں ہیں۔ پھر یہ کہ میں تجھے دیکھ کر حیران ہو جاتا ہوں۔ ہر چند کہ کیفیت
 بھی ترجیحی جذبات کے لیے کافی تھی لیکن تیری عادت تیری ہے کہ تیری حیران کو ترجیحی جذبات
 کہ بیانے ایک تماشا تصور کرتا ہے۔ (مشکلاتِ عرضِ دعا)

وہ تپِ عشقِ تنگ ہے کہ پھر صورتِ شمع
 قلعہ تانہ بن حیرتِ ریشہ و دانی مانگے

ریشہ دہانی: بمعنی درپردہ کام کرنا۔ یعنی میں وہ پیش عشق چاہتا ہوں جو شمع کا آتی
کی طرح شعلہ محبت کو اندر ہی اندر جگمگاتی ہے۔ (نقشائے سوز و دل)

(۱۸۵)

گلشن کو تری صحبت از بسکہ خوش آئی ہے
ہر غنچہ کا گل ہونا آغوش کشائی ہے

یعنی باغ کو تیرا آغوش ہے اس لیے کلیاں جو پھول بن رہی ہیں وہ گویا تجھ سے شکر
ہونے کو آغوش کھول رہی ہیں چین تعلیل۔ (دل افروز خی جلال محبوب)

واں کنگر استغنا ہر دم ہے بلند می پر
یاں نالے کو اور اٹا دوائے رسائی ہے

یعنی ان کا کنگر استغنا جو روز بروز بلند ہوتا جاتا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ
ہماری زیادات کم ہوتی رہتی ہے۔ والا روز بروز استغنا میں زیادت کرنے کی کیا ضرورت
تھی۔ (ضد و عریضہ جونی محبوب)

از بسکہ سکھاتا ہے غم ضبط کے اندانے
جو داغ نظر آیا اک چشم نمائی ہے

یعنی داغ زخم آنکھیں دکھا کر تادیب کرتا ہے کہ ضبط بازو غم ہونا چاہیے۔ چنانچہ جب
غم چشتا ہے تو زخم کی چشم نمائی بھی زیادہ ہوتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ضبط غم سے جرات اور
زیادہ ہو جاتی ہے۔ (بالکاپچہ غم)

(۱۸۶)

جس زخم کی ہو سکتی ہو تیرا سیر و فوکی
لکھ دیجو یا رب اسے قسمت میں عدوکی

یعنی مجھے درد بے درمان (عشق چاہیے باقی رہا ایسا درد جس کا علاج ہو سکتا ہو درد
دشمنوں کو نصیب ہو۔ (خیر گوارائی درد بے درمان)۔

اچھا ہے سر انگشتِ حسائی کا تصور
دل میں نظر آتی تو ہے اک بوند کہو کی

یعنی دل میں تو اب خون کا ایک قطرہ باقی نہیں سب صرف گرہ ہو چکا ہے۔ البتہ محبوب
کے سر انگشتِ حسائی کا تصور دل میں باقی ہے جو مثل ایک قطرہ خون کے یسے۔ (دل انہوش
تصویر محروم)

کیوں ڈرتے ہو عشاق کی بے وصلگی سے
یاں تو کوئی سنتا نہیں فسریاد کسو کی

یعنی عشاق میں اگر توبہ تحمل نہیں ایذا دہ معرکہ گرہ و نالہ میں تو ڈر کا ہے کا! ان کی
سنتا ہی کون ہے کہ کوئی فریاد سے ڈر جائے۔ (بے اثری فریاد)
دشمن نے کبھی منہ نہ لگایا ہو حب لگ کر
خنجر نے کبھی بات نہ پوچھی ہو گلہ کی
صد حیف وہ ناکام کناک مگر سے غالب
حسرت میں رہے ایک بت عہدہ جو کی
یعنی وہ شخص سخت ناکام ہے جسے تمام عمر کسی تند مزاج معشوق کا حسرت ہی رہی ہو نہ
اس کا خنجر مل کر تک پہنچا ہوا درد نہ کھا سکے۔ (حسرتِ اٹلا)

(۱۸۷)

سیلابِ پشت گرمی آئینہ دے ہے ہم
جہاں کیے ہو تے ہیں دل بے قرار کے

پشت گرمی و سہارا دے۔ یعنی جس طرح آئینہ کی یہ صورت جیلان پارے کی درجہ سے ہے کیونکہ پارے کو پشتِ شیش پر لگا کر آئینہ بنتا ہے اسی طرح ہم کو دل بے قرار نہ کرے جو یہاں صفت ہے حیرانی میں ڈال دیا ہے۔ (حیرت اندہ نئی دل)

آغوشِ گل کشودہ برائے وداع ہے
اسے عندلیب چل کہ چلے دن بہا کے

یعنی پھول کی شگفتگی گریا بیل سے رخصت ہونے کے لیے بیٹگیہ بونے کو آغوش کا کون ہے لہذا اب ہمارے جانے ہی والی ہے۔ (گریز پائی عہدِ عیش) یاد تزاں آوازیں فصلِ گل

(۱۸۸)

ہے ہجر و صل، عالمِ تنہا کیں ضبط میں
مشتوقِ شوق و عاشقِ دیوانہ چاہیئے

یعنی مشتوق باقادر ہوا اور عاشقِ یاس و خج پر قائم رہے تو وصل بھی ہمیر ہے۔ عاشقی میں ٹھٹھ توجیب ہے کہ مشتوق بیک ہوا اور عاشقِ ناعاقبت اندیش (خداوند عیش، اعتلاط)

اس لب سے بل ہی جائے گا بوسہ کسی تو ہاں
شوقِ فضول و جراتِ رندانہ چاہیئے

شوقِ فضول، یعنی شوقِ منظر (عجب نہیں کہ فضول کی بجائے لفظِ حصول ہی یعنی حوصلہ بیک کا پیدا کرنا بڑی بات ہے۔ بوسہ لبِ محبوب کا لٹا کر فی بڑی بات نہیں یہ تو بل ہی جائے گا۔ مطلب یہ ہے کہ بڑے سے بڑا مقصد حوصلہ کا یہی منت ہے۔ (دوسری حوصلہ)

چاہیئے اچھٹوں کو جتنا چاہیئے
یہ اگر چاہیں تو پھر کیا چاہیئے

یعنی جتنا پاہر حسینوں سے محبت کرو۔ اگر اس بات کو وہ پسند کرنے لگیں تو کیا کہنا۔ اشارہ
یہ ہے کہ معشوق چاہنے والوں کو مشکل پسند کرتے ہیں۔ (بے نیاز غنی محبوب)

صحبتِ ننداں سے واجب ہے حذر
جاتے مے اپنے کو کھینچا چاہیے
یعنی نندوں سے پرہیز رکھو۔ اور خراب کشید کرنے کی بجائے خود کو ندی سے کشید و غلہ
رکھو۔ مہاراجے خود ہر جاؤ۔ (ذمت بے ندی)

چاہنے کو تیرے کیا سمجھا ہمتِ اول
یار سے اب اس بے بھی سمجھا چاہیے

سمجھا چاہیے : بمعنی قہر و قاضی سزا دینی چاہیے۔ یعنی اس غلطی کی پاداش میں کہ
دل نے تیرا محبت کو معمولی کام سمجھا تھا اب اس کی خوب خبر لیتی چاہیے۔ مطلب یہ ہے
کہ دل کو ایسے حالات سے مدچار ہونا ناگزیر ہے کہ اسے معلوم ہو جائے کہ محبت آسان
کام نہ تھا۔ (تعلیق اہل سنت غفر)

چاکِ مست کو جیب بے ایامِ گل
کچھ ادھر کا بھی اشارہ چاہیے

یعنی گریبانِ چاک کرنے کے لیے موسمِ گل ہی سوزوں ہے۔ پھول بھی اسی موسم میں گویا
چاک کرتے ہیں اور اس طرح پرگیاں فطرت اشارہ کرتی ہے کہ ہاں اب جنوں زدگی کا وقت
آ گیا ہے۔ ایسے وقت میں دیوانہ ہوتے پر کسی کو طعن کا موقع بھی نہیں ہے کہ دنیا خوب
جہنم زدہ ہوتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ عشق وہ ہے جس کے اسباب موجود ہوں۔ مثلاً
در اصل عشق نہیں ہے۔ (تعلیق عشق ناگزیر)

دوستی کا پردہ ہے بیگانگی
منہ چھپانا ہم سے چھوڑا چاہیے

یعنی ہم سے منہ نہ چھپاؤ کیونکہ اس میں غیرت کا اظہار ہوتا ہے جو دوستی کے لیے
پردہ یا رکاوٹ ہے۔ (التجانی بے حجابی)

دشمنی نے میری کھو یا غیر کو
کس قدر دشمن ہے دیکھا چاہیے

یعنی رقیب نے میری دشمنی میں خود کو ہکان کر رکھا ہے۔ (مداوتیہ رقیب)
یاد رکھو کہ معشوق نے جو میرے ساتھ دشمنی کا تو رقیب بھی اس سے خائف ہو کر کنارہ کش
ہو گیا۔ (نا اہلیت رقیب)

اپنی رسوائی میں کیا چلتی بنے سعی
یار ہی ہنگامہ آرا چاہیے

اپنی کامفات سعی ہے۔ یعنی میں کہ رسوا ہوں میری کوششوں سے کیا ہو سکتا ہے
جب تک کہ معشوق خود ہی جلوہ پسند ہو کہ اپنے فیضِ جلوہ سے سرفراز فرمائے۔ (بیان عزیز خورشید)

منحصر کرنے پر ہوش کی اُمید
نا اُمیدی اس کی دیکھا چاہیے

اُمید: یعنی آرزو۔ یعنی بوسرنے ہی کا آرزو مند ہو کہ غم سے نجات ہو جائے اس کا
زیادہ نا اُمید اور کون ہو سکتا ہے؟ (کمالِ نازکی)

غافل ان مہ طلعتوں کے واسطے
چاہنے والا بھی اچھا چاہیے

یعنی چاندی صورت و لا محبوب ہو تو اس کا چاہنے والا بھی اچھا ہوتا چاہیے۔

(اہمیت اہمیت و اہمیت)

چاہتے ہیں خود بڑیوں کو اسد
آپ کی صورت تو دیکھا چاہیے

یعنی غالب کہ جینوں کی چاہت کا دوسرے کرتے ہیں بھلا ان سے ہرے کی مطلب
یہ ہے کہ عشق ہر شخص کا کام نہیں ہے۔ (اظہار! اہمیت عشق) یا ربیان اہمیت اہمیت

(۱۹۰)

ہر قدم دوری منزل سے نمایاں مجھ سے
میری رفتار سے بھاگے ہے یا باں مجھ سے

یعنی جس قدر چلتا ہوں منزل سے دور ہوتا جاتا ہوں کیونکہ میری رفتار دوری سے زیادہ
بھی ایسے تگ ہیں کہ مجھ سے دور بھاگتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ راہ عشق کی کوئی منزل
نہیں، شوق بڑھتا ہی جاتا ہے ختم کبھی نہیں ہوتا۔ (ناتمامی شوق)

دریں عنوان تماشا پہ تعنا فل خوشتر
سے نگر رشتہ شیرازہ مرگاں مجھ سے

یعنی نگارہ کا ڈھب چاہنے کے لیے سبحان بن جانا خوب ہے۔ چنانچہ میں بھی اپنی
نگاہ کو اس طرح چھپا لیتا ہوں کہ گویا وہ شیرازہ مرگاں ہے کہ نظر نہیں آتی لیکن اچانک
کھڑ رہتا ہے۔ جس طرح شیرازہ کتاب کہ نظر نہیں آتا لیکن ادباق کتاب منتشر نہیں ہونے
دیتا۔ (مطلب نظائر پنہاں)

وحشت آتش دل سے شب تنہائی میں
صورت دور با سایہ گریزاں مجھ سے

یعنی شبِ تنہائی میں آتشِ غمِ دل سے گھبرا کر، سایہ بھی دھوئیں کی طرح ساتھ چھوڑ
جاتا ہے۔ (بے کسی تنہائی)

غمِ عشاق نہ ہو سادگی آموزِ بستان
کس قدر خانہ آئینہ ہے ویراں مجھ سے

یعنی ایسا نہ ہو کہ عاشقوں کے غم میں مشوق بناؤ سنگھار ترک کر دیں۔ بیساکر میرے
غم میں ہوا کہ کوئی حین بناؤ سنگھار کے لیے اپنی صورت آئینہ میں نہیں دیکھتا۔ (پاس
خاطر مجھوں)

اثرِ آبلہ سے جادۂ صحرائے جنوں
صورتِ رشتہ گوہر ہے چراغاں مجھ سے

یعنی میرے آبلہ ہائے پاسکے چھوٹنے سے جادۂ محرابیوں کی طری کی طرح روشن
ہو گئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میرا جنوں عشاق کے لیے راہِ عشق کا چراغ ہیا کرتا ہے کہ
یہ ہے طریقِ عاشقی۔ (میاں محمد انور لدی و سربراہی جنوں عشق)

بے خودی لیستہ تمہید فراغت ہو جو
پُر ہے سایہ کی طرح حیرا شبتاں مجھ سے

یعنی میری خواب گاہ سایہ کی طرح میرے وجود (خودی) سے آباد ہے اور ظاہر ہے
کہ جہاں ہجومِ ہردہاں فراغت کیسی۔ اس لیے میں پاہتا ہوں کہ میری بے خودی میرے لیے
فراغت کا بچھوتا بچھاڑے کہ خود سے فارغ ہو کر آرام پاؤں۔ (آندھ نے بے خودی)

شوق دیدار میں گر تو مجھے گردنِ مائے
ہونگہ مثلِ گلِ شمع پریشاں مجھ سے

یعنی میرے شوق دید کا یہ عالم ہے کہ اگر مالیت اشتیاقِ نظارہ میں تو میری گردن
بھی کاٹ دے تو میری آنکھیں اس طرح بکھر جائیں جس طرح چراغ کا گل لینے سے گل
بکھر جاتے ہیں اور کوتیز ہو جاتی ہے۔ (دکال شوقِ نظارہ)

بکیسی ہائے شبِ ہجر کی حسرت ہے ہے
سایہ خورشیدِ قیامت میں ہے نہ ہاں نہ ہے

یعنی شبِ ہجر میں جس بے کسی کا سامنا ہوا اس کی حسرتِ ناک کیفیت کیا بیان ہو۔
مختصر یہ کہ میرا سایہ جو میرا ساتھ چھوڑ کر بھاگا تھا خورشیدِ قیامت کی روشنی میں بھی میری
آنکھوں سے اوجھل ہی رہا۔ (مبالغہ سیخنتی)

گردشِ ساغرِ صدِ جلوہ رنگیں مجھ سے
آئینہ دارِ می یک دیدہ حیران مجھ سے

آئینہ دار کی، یعنی چٹکاری، ہم فراق و مشابہت۔ یعنی ایک طرف تو اپنے جلوہ
رنگیں سے ہر ایک کو سرخوش بنا رہا ہے اور دوسری طرف میں بکمال حیرت دیدہ حیران کا نو
بنا ہوا ہوں۔ (دھوش رہائی جلوہ)

نگہ گرم سے ایک آگ ٹپکتی ہے اسد
ہے چراغاںِ خس و خاشاکِ گلستاں مجھ سے

یعنی میری نگاہ گرم سے خس و خاشاکِ گلستاں میں جلوہ اندازی نگاہِ سرفراز

(۱۹۱)

نکتہ چیں ہے غمِ دل اس کو سنائے نہ بنے
کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے

قیم دل محبوب کو سنایا نہیں جاسکتا کیونکہ وہ نکتہ چیں ہے۔ یعنی بات بات پر اعتراض کرنے والے کو کیونکر سمجھایا جائے کہ یہ غم یوں پیدا ہوا اور جہاں بات نہ بتائی جاسکے وہاں مطلب کیسے مل جو۔ واضح ہو کہ باعموم نکتہ چیں وہ ہوتا ہے جو خود حقیقت سے بے خبر ہو۔ (دشوار شعی عرض حال)

میں بلاتا تو ہوں اس کو مگر اسے جذبہ دل

اس پہ بن جائے کچھ ایسی کہ پن کٹے شبنے

یعنی کاش جذبہ دل کچھ ایسا اثر دکھائے کہ میرے بلائے پر وہ مجبور ہو کر چلا ہی آئے

مطلب یہ ہے کہ محض بلانا کافی نہیں جب تک کہ جذبہ دل کام نہ کرے۔ (حسرت دیدار)

کھیل سمجھا ہے کہیں چھوڑنے سے بھول نہ جائے

کاش یوں بھی ہو کہ بن میرے تلے شبنے

یعنی محبوب مجھے ستانا ایک کھیل سمجھتا ہے۔ لیکن مجھے اس کے آزار میں کچھ ایسا

لذت ہے کہ اس بات سے ڈرتا ہوں کہ اس کے نزدیک یہ کھیل تو بے ہی کہیں چھوڑ دے

مے یا مجھے ستانا بھول نہ جائے اس لیے چاہتا ہوں کہ وہ تلے سے باز نہ آئے۔ (ذوق جفاکشی)

غیر پھرتا ہے لیے یوں ترے خط کو کہ اگر

کوئی پوچھے کہ یہ کیا ہے تو چھپائے نہ بنے

یعنی اسے محبوب سمجھے خبر ہے کہ رقیب تیرے خط کو اس طرح علانیہ لیے پھرتا ہے

کہ اگر کوئی دیکھ لے تو چھپائے نہ بن پڑے۔ اس ذکر سے مدعا یہ ہے کہ ایسے جیباک

سے خط و کتابت مناسب نہ تھی۔ (پایں ناموس محبوبہ) یا (سہایت رقیب)

اس نزاکت کا بُرا ہودہ بھلے ہیں تو کیا
ہاتھ آویں تو انھیں ہاتھ لگانے نہ بنے

یعنی محبوب تو اچھا ہے پر نزاکت بری ہے کہ اسے ہاتھ لگانا شغل ہے۔ (نزاکت مجہوز)

کہہ سکے کون کہ یہ جلوہ گری کس کی ہے
پروہ چھوڑا ہے وہ اس نے کہ اٹھائے نہ بنے

یعنی مجرد جلوہ آریاں ہے لیکن کس کا جلوہ ہے یہ بغیر پروہ اٹھائے نہیں معلوم ہو سکتا۔

اور پروہ ایسا ہے کہ وہ اٹھ نہیں سکتا۔ (استحالیہ کو یہاں محبوب حقیقی)

موت کی راہ نہ دیکھوں؟ کہیں آئے نہ ہے
تم کو چاہوں؟ کہ نہ آؤ تو بلائے نہ بنے

یعنی میری مشکلات کے حل کی مدد ہی صدمہ میں ہیں۔ یا تو تم آؤ اور یا پھر موت آئے لیکن

سوچتا ہوں کہ موت کا ہی انتظار کیوں نہ کروں کہ نہ بلاؤں تب بھی آکر رہے گی۔ تمہارے

آنے کی خواہش کیوں کروں کہ جس نے پر بھی تمہارا آنا ممکن نہیں۔ (بیاں کا ہی فراق) یا رگوارائی

مرگ در حال فراق،

بو جھروہ سرے گرا ہے کہ اٹھائے نہ اٹھے

کام وہ آن پڑا ہے کہ بنا ئے نہ بنے

یعنی میری حالت ایسی ہے جیسی اس شخص کی جس کے سر کا بوجھ جو متاع ناگزیر ہے

گرا گیا ہو اور پھر اسے اٹھانا مشکل ہو۔ اور نہ اٹھانے کی تدبیریں پڑتی ہو۔ گویا غم

محنت ایک ایسا بوجھ ہے کہ اسے ترک کی تاب بے زناٹھانے کی مجال۔ رجحان ترک

ماختیار عشق،

عشق پوزور نہیں اسے یہ وہ آتش غالب
کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بنے

یعنی محبت نہ کرنے سے ہوتی ہے اور نہ چھوٹنے سے چھوٹتی ہے۔ (حیر عشق)

(۱۹۲)

چاک کی خواہش اگر وحشت بہ عریانی کرے
صبح کی مانند خم دل گریبانی کرے

یعنی عریانی کی حالت میں جبکہ پیراہن چاک ہو کر ختم ہو چکا ہے اگر بقا ضائع وحشت
گریبان چاک کرنے کی خواہش ہو تو زخم دل گریبان کا کام دے اور صبح کی طرح چاک ہو
جائے۔ مطلب یہ ہے کہ عریانی میں بھی سامان وحشت طرازی موجود ہوتا ہے گو گریبان نہ ہو۔
(میانہ وحشت)

جلوہ کا تیرے وہ عالم ہے کہ گر کیجے خیال
دیدہ دل کو زیارت گاہ حیرانی کرے

یعنی تیرا جلوہ اس درجہ حیران کن ہے کہ دیکھنے سے تو نگاہیں حیران ہو ہی جاتی ہیں
اگر اس کا خیال بھی کروں تو دل کی آنکھیں بھی حیرت زدہ ہو جائیں۔ (حیرت افزائی جلوہ)
ہے شکستن سے بھی دل نوید یارب کب تک
آبگینہ کوہ پر عرض گراں جانی کرے

گراں جانی: بمعنی بیزاری از میات۔ یعنی ہر چند چاہتا ہوں کہ مشوق سنگدل
میرے شیشہ دل کو توڑ دے کہ مایوس ہو کر ہی میں پاؤں۔ لیکن مجھ اس کی بھی امید نہیں۔
اب کب تک دل کا شیشہ اس پہاڑ جیسے سنگدل مشوق کے سامنے اپنی گراں جانی کا اظہار کرے

کہ اسے دل آڑنے پر آمادہ کر سکے (حسرت ترکِ حق) یا (حسرتِ رگ)
 میکدہ گرجیم مست ناز سے پائے شکست
 موٹے شیشہ دیدہ ساغر کی مڑگانی کرے

یعنی اگر اس کی چشمِ مست کے مقابلے میں اگر مے خانہ شکست کھا جائے تو وہ شکست ایسی
 ہوگی کہ مے خانہ کہ ہر چیز میں اس کی نگاہِ مست کا اثر نمایاں ہو جائے گا۔ یہاں تک کہ شیشہ
 ساغر میں ٹوٹنے سے بال پڑے تو وہ بھی دیدہ ساغر کے لیے مڑگان بن جائے جو آوازِ نظر
 کا ایک جزو ہے۔ (مست کا رنی چشمِ محبوب)

خطِ عارض سے لکھا ہے زلف کو آفتِ غم
 یک قلم منظور ہے جو کچھ پریشانی کرے

آفت، یعنی اہل آفت یعنی اہل عشق نے زلف کو بیخِ عارض یہ تحریر لکھ دی
 ہے کہ خواہ زلف گنتی ہی بکھری ہوئی ہو محبوبِ نظر ہے اور محبت کا نگاہوں میں رعب ہے
 مطلب یہ ہے کہ بیخِ خط سے گھیرے محبوب کی دلکشی میں فرق نہیں آتا۔ (دلفریبی زلف)
 (۱۹۳)

وہ آکے خواب میں تسکینِ اضطراب تو دے
 دے مجھے تپشِ دل مجالِ خواب تو دے

یعنی دل کہ بے قراری سونے نہیں دیتی تو خواب میں بھی اس کا اگر مجھے تسلی دینا

ملکون نہ رہا۔ (دیباچہ اضطراب)

کوئے ہے قتل لگاؤٹ میں تیرا رو دینا
 تری طرح کوئی تیغ نگہ کو آب تو دے

یعنی تیرا وعدہ کیا اگرچہ وہ مرث و ستانی کے لیے ہے۔ مجھے مارے ڈالتا ہے اور
اس طرح تیغ نگاہ کو آباد کرنا تیرے سوا اور کسی کو نہیں آتا۔ (دستانی و عشوہ گری محبوب)

دکھا کے جنبش لب ہی تمام کر ہم کو
نہ شے جو بوسہ تو منہ سے کہیں جواب تو ہے

یعنی بوسہ لب نہ سہی منہ سے کوئی جواب تو دو میرے تمام ہو جانے کو تو تیرے لب کا
ایک اشارہ ہی کافی ہے۔ (انتہائے خطاب)

پلاٹے آدک سے ساقی جو ہم سے نفرت ہے
پیالہ گر نہیں دیتا نہ شے شراب تو دے

یعنی اگر ساقی مجھے حقیر اور قابل نفرت سمجھ کر پیالہ نہیں دیتا چاہتا تو آدک ہی سے
پلاٹے۔ مطلب یہ ہے کہ شراب کے لیے بے عزتی بھی گوارا ہے۔ (طلب صافق)

اسدخوشی سے مرے ہاتھ پاؤں پھول گئے
کہا جو اس نے ذرا میرے پاؤں داب تو دے

یعنی میں اس بات پر شاداں ہوں کہ محبوب نے مجھے اپنے خدمت کے قابل سمجھا۔
گودہ خدمت کتنی ہی حقیر ہو۔ (ذخیر خدمت)

(۱۹۴)

پیش سے میری وقف کشمکش ہر تار بہتر ہے
مرا سر پہنچ یا لیں ہے مرا تن یاد بہتر ہے

یعنی میری بے چینی اور تڑپیں سے بہتر بھی تنگ ہے۔ میرا سر اور جسم، ٹکڑے احد بہتر
کے لیے باعث خدمت اور رجوع ہیں۔ (میانہ اضطراب)

سرشک سر بھرا دادہ نور العین دامن ہے
دل بیدست پا افتادہ بر خور وار بستر ہے

سر بھرا دادہ: یعنی آوارہ۔ گھر سے جدا۔ نور العین: درخوردار۔ یعنی پسریا
آغوش پروردہ۔ یعنی میرے مضطرب آنسو دامن کے اور غا جزدانا کارہ دل بستر کے
پروردہ: پائے آغوش بستے ہوئے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اشک ریز بھی ہوں اور صاحب
فراش بھی۔ واضح ہو کہ شعراء اشک کو طفل اور دامن کو صبر سے ستارہ کرتے ہیں۔ اول الذکر
میں وجہ جامع قابو سے باہر ہونا اور ثانی الذکر میں دوست ہے۔ (اشکباری و رنجور شی عاشق)
خوشا اقبال رنجوری حیادت کو تم آئے ہو
فروغ شمع بالیں طالع بیدار بستر ہے

یعنی یہ بیماری کسی بختاوری ہے کہ تم مزاج پرسی کو گئے۔ گویا مریض نے جوتی مل
رہی ہے وہ بستر مرض کی بختاوری کا روشنی ستارہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میری بیماری
میری خوش بختی کا سبب بن گئی۔ (نشاط دیدار محبوب)

یہ کون سا گاہِ جوش اضطرابِ شامِ تنہائی
شعاعِ آفتابِ صبحِ محشر تار بستر ہے

یعنی شامِ جدائی میں جوشِ اضطراب کا یہ عالم ہے کہ میرے بستر کے تارِ جدتِ اضطراب
کے باعث اتنے نمایاں ہو گئے کہ آفتابِ قیامت کی کرنِ سلوم ہوتے ہیں۔ واضح ہو
کہ بسترِ شکن کا نمایاں ہونا بھی مرضی کی بے چینی کا ثبوت ہے۔ (مبالغہ اضطراب)
ابھی آتی ہے بوباش سے اس کی زلفِ مشکیں کی
ہماری دید کو خوابِ زلیخا عاید بستر ہے

خواب زلیخا، کنا یہ ہے ایسے خواب سے جس میں جہاں پر صفت نظر آئے۔ یعنی گو محبوب
چلا گیا ہے لیکن اب تک محبوب کے زلف شکلیں کی خوشبو جو تکیہ سکا رہا ہے وہ اس قدر
نشہ انگیز ہے کہ اگر ترے گیسو سے محفوظ ہونے کی بجائے ہم سیائیں اور زلیخا کا حسین خواب
دیکھیں تب بھی یہ امر بستر کے لیے باعث شرم ہوگا گویا محبوب کی یاد میں جاگنا سو جانے بلکہ
حسین خوابوں کے دیکھنے سے بدرجہا بہتر ہے۔ (نشہ و تصور محبوب)

کہوں کیا دل کی کیا حالت ہے ہیرا میں غالب
کہ عیالی سے ہر اک تار بستر خار بستر ہے
یعنی بستر پر بیٹا اگر ماکٹوں پر ٹوٹا ہے۔ (اضطراب ہیرا)

(۱۹۵)

خطر ہے رشتہ آفت رگ گردن نہ ہو جائے
خود دوستی آفت ہے تو دشمن نہ ہو جائے

رگ گردن مجازاً، یعنی سامانِ نخوت و سرکشی۔ یعنی مبادا تیری محبت مجھے آفت
نخوت میں مبتلا کر دے جو بالآخر تیری ناپائیدار منہج ہو۔ کیونکہ تو نخوت، گوارا نہیں کرتا۔
(غیر تعلق)

سچے اس فصل میں کوتاہی نشو و نما غالب
اگر گل سرو کے قامت پر پیراں نہ ہو ملے

یعنی یہ موسم کچھ ایسا پڑ رہا ہے کہ پھولوں سے سرو کے درخت بھی ڈسک یا نہیں گئے ہیں
پر پھول کسی نہیں آئے۔ اگر ایسا نہ ہو تو سمجھو کہ نشو و نما میں ہمواری وقوع کے غلات کوتاہی رہ
گئی۔ (میانہ بہاراں)

(۱۹۲)

زیادہ کی کوئی شے نہیں ہے

نالہ پا بند نے نہیں ہے

یعنی نالہ و فریاد میں تکلف و تصنع کو دخل نہیں جیسا کہ نثر و سرود میں ہوتا ہے۔ (راغب اصفہانی)

کیوں بستے ہیں باغبان تو نبی

گر باغ گدا نے سے نہیں ہے

تو نبی، یعنی کدو نے خشک جو بھجول گدا کی اور طرف سے دونوں کے لیے استعمال ہوتا

ہے۔ استفہام کی غرض اثبات دعا ہے۔ یعنی باغ میں لگا ہوا کدو گویا شراب کے لیے بھجول

گدا کی ہے اور باغ گدا نے سے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ نشاط باغ میں سے کا محتاج ہے کہ بغیر

سے نوشی مبارک کا لطف نہیں۔ (تفویق تہذیبیہ برہانہ)

ہر چند ہر ایک شے میں تو ہے

بہتچہ سی تو کوئی شے نہیں ہے

یعنی خدا کی قدرت ہر شے میں کا فرما ہے لیکن اس کی سی قدرت کسی میں نہیں ہے۔

بغیرائے، ایسا کشتہ شے۔ (محدث حق)

ہاں کھائیو مت فریب ہستی

ہر چند کہیں کہ ہے نہیں ہے

ہر چند کہیں کہ ہے کا مطلب یہ ہے کہ دنیا و متاع دنیا کو خواہ کتنی ہی اہمیت دی جائے

حقیقت یہی ہے کہ وہ بے اصل ہے۔ (بے حقیقت دنیا)

شادی سے گزر کہ غم نہ ہووے

نور دی جو نہ ہو تو دے نہیں ہے

یعنی غم ایک اضافی شے ہے اگر خوشی کا تصور نہ ہو تو غم کا تحقق باطل ہو گا۔ چنانچہ
 یہی حال اردی اور دے کے ہمنوں کا ہے اگر موسم بہار کا ماہ اردی نہ آئے تو موسم خزاں
 کے ماہ دے سے روچار نہ ہونا پڑے۔ اس لیے کہتا ہے کہ خوشی کا تصور ہی نہ کرنا کہ غم
 فہمیش نہ ہو۔ (دردیں رضا)

کیوں رزقِ قدر کرے ہے زاہد
 مے سے بے گس کی تے نہیں ہے

گس کی تے : کنایہ آذ شہد جو نعامِ بہشت میں ہے۔ یعنی مے زاہد یہ کیسی کٹھ جتی
 ہے کہ گس کی تے تو گواہ ہوا دے (انگور) ناگواہ۔ (ترجیمے بر شہد)
 پہلے معرفت یہ ہے کہ بے خودی معرفت نعتوں سے زیادہ خوشگوار ہے۔

ہستی ہے نہ کچھ عدم ہے غالب
 آخر تو کیا ہے اے نہیں ہے

”نہیں ہے“ : بمعنی نیست : مٹاؤنی جو بطور علم کے استعمال ہوا ہے۔ کنایہ از ذات
 شاعر یا انسانِ فانی۔ یعنی دنیا میں ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ اے نیست۔ تیری کچھ ہستی بھی
 ہے۔ تیری کچھ حقیقت نہیں ہے۔ (دردِ تابو)

(۱۹۷)

نہ پوچھ فسقہ مرہمِ جراحتِ دل کا
 کہ اس میں ریزہ الماس جزوِ اعظم ہے

ریزہ الماس : کنایہ از دہر ہلاکتِ آخری۔ یعنی زخمِ دل کا علاج دہر ہلاکت کے سوا
 اور کچھ نہیں۔ (بے دمانی و دردِ عشق)

بہت دنوں میں تغافل نے تیرے پیرا کی
درد اک تنگہ کہ بظاہر نگاہ سے کم ہے

یعنی پہلے تو محبوب نگاہ ہی نہ کرتا تھا لیکن اب انجان بھکر نگاہ کرتا ہے گو وہ
پہلے ہی ہر تباہی کے لیکن بظاہر یوں نہیں ہوتی۔ گویا یہ نگاہوں کا ایک نیا انداز ہے۔ واضح ہو
کہ شعر میں پہلے تنگہ ہے پھر نگاہ اور تاہم ہر ہے کہ لفظ تنگہ بقدر ایک لفظ کے نگاہ سے کم ہے۔ (نگاہوں
یا تغافل)

(۱۹۸)

ہم رشک کو بھی اپنے گوارا نہیں کرتے
مرتے ہیں مگر اس کی تمنا نہیں کرتے

یعنی ہر چند کہ ہم عشق کے لیے مرد ہے ہیں لیکن مرنے کی تمنا نہیں کرتے کیونکہ غایت
رشک کے باعث ہم نہیں چاہتے کہ کوئی اور تو کیا ہم خود بھی اس سے مرنے کی تمنا کریں۔ رشک
کا اتنا یہ ہے کہ خود اپنے سے بھی رشک کرتا ہے۔ بقول

غیرت از چشم ہم رونے تو دیر نہ دہم۔ (مبالغہ رشک)

وہ پردہ انھیں غیر کے جسے ربط نہانی
ظاہر کا یہ پردہ ہے کہ پردہ نہیں کرتے

پردہ: معنی طرہ مخفی۔ یعنی ظاہر تو یہ کیا جاتا ہے کہ عشق پردہ نہیں کرتا اس
لیے کہ یہ مخفی فرمود سے بظاہر ہے لیکن دراصل یہ کہنا کہ ہم پردہ نہیں کرتے۔ (تیسرے
ربط نام رکھنے کا ایک ذریعہ مخفی ہے۔ (طبعی تعلق یا اغیار)

یہ باعث تو میدی ارباب ہوس کے
غالب کو برا کہتے ہوا چھا نہیں کرتے

یعنی غالب جیسے عاشقِ صادق کو بلا کہنے کا نتیجہ یہ ہو گا کہ اگر بابِ ہوس بھی مایوس ہو کر ترکِ فتن کر لیں گے۔ اس میں تمہارا ہی نقصان ہے۔ (انتباہ ترکِ مذمت)

(۱۹۹)

کرے ہے بادہ ترے لب سے کب لگے فتن
خطِ پیالہ سرا سر نگاہ گلیں ہے

علقہ جام کو نگاہ گلیں سے تشبیہ دی ہے یعنی جس طرح گلیں کا نگاہ میں پھول کا عکس جلوہ گر ہوتا ہے اسی طرح شراب کے پیالہ میں ترے لب کا عکس منعکس ہے (منعکس بٹائے شوق)

کبھی تو اس دلِ شوریدہ کی بھی داد ملے
کہ ایک عمر سے حسرت پرست بالیں ہے

”حسرت پرست بالیں“: یعنی میں سے محروم یعنی کبھی تو میرے دلِ شوریدہ کی بھی قدر ہونی چاہیے کہ تمام عمر تکیہ پر سر نہ رکھ سکا یا چین سے محروم رہا (حسرت پرست زندگی)

بجائے گزرنے نالہ ہائے بلبل زار
کہ گوشِ گلِ نیم شبم سے پنبہ آگیاں ہے

یعنی پھول کے کان میں شبم کی روٹی شنسی ہوئی ہے وہ بھلا بلبل کی فریاد کب سننے لگا

(تغافلِ فطری مجرموں)

اسد ہے نزع میں چلے و نایزائے خدا
مقام ترکِ حجاب و وداع تمکیں ہے

یعنی اب توجہ پر ہی بن آئی ہے۔ حجاب کرنے اور خود داری دکھانے کا کیا موقع

ہے۔ (استقامت)

(۲۰۰)

کیوں نہ ہو چشمِ تیاں مجھ کو قفسِ فیل کیوں نہ ہو
یعنی اس بیمار کو نظارہ سے پرہیز ہے
یعنی محبوب آنکھ اٹھا کر کس طرح دیکھیں یہ ان کی آنکھیں بیمار ہیں اور بیمار آنکھ نہیں اٹھا
(توحید شاعرانہ تغافل)

مرتے مرتے دیکھنے کی آرزو رہ جائے گی
وائے ناکامی کہ اس کافر کا خیر تیز ہے
یعنی کاٹا، مشوقِ حکر کا خیر کندہ ہوتا کہ جان نکلنے میں کچھ دیر لگتی اور اس کو دیکھنے کی
آرزو پوری ہوتی۔ (حسرت دید) یا دسفاکِ سن

غافلِ گل دیکھ دے یا ریو آ یا اسد
جوشِ شفیقِ فصلِ بہاری اشتیاقِ انگیز ہے
یعنی پھول کو دیکھ کر دیا بہ محبوب کا اشتیاق بڑھ جاتا ہے۔ (جنون انگیز فی بہار)

(۲۰۱)

دیبا ہے دل اگر اس کو، بشر ہے کیا کہیے
ہوا رقیب تو ہو، نامہ یور ہے کیا کہیے
یعنی اگر نامہ بر بھی اس کا دلدادہ ہو کر میرا رقیب بن گیا تو کیا جلدے آخر بشر ہے
پیر سے کچھ کہہ ہی نہیں سکتے کہ نامہ بر ہے مبادا کچھ کچھ لگا ہے۔ (غلام فریدی حسنِ خوب)
یہ ضد کہ آج نہ آئے اور آئے من نہ ہے
قصا سے شکوہ ہیں کس قدر ہے کیا کہیے

یعنی موت کو آنا ضرور ہے لیکن اسے یہ ضد ہے کہ آج جب کہ میں زندگی سے بڑا ہوں نہ کہنے لگی۔ مطلب یہ ہے کہ موت باہم اس وقت آتی ہے جب انسان مرنا نہ چاہے اور جب مرنا چاہے تو نہیں آتی۔ (ریاض النازب واضطراب فراق)

رہے نئے یوں گہر و بیگاہ کوئے دوست کو اب
اگر نہ کہیے کہ دشمن کا گھر ہے کیا کہیے

یعنی کوئے پاؤ تو گویا دشمن کا گھر ہو گیا کہ وقت ہو یا بے وقت (بہر وقت) وہ وہیں موجود رہتا ہے۔ (رثکب رقابت)

زہے کو شکر کہ یوں دے رکھا ہے ہم کو فریب
کہ بن کہے ہی انہیں سب خبر ہے کیا کہیے

یعنی معشوق کی چاب بازی دیکھیے کہ غمے فریب دے رکھا ہے کہ بغیر میرے کہے اسے میرے حال کی خبر ہے۔ میں اس دھوکے میں پڑ کر عرض حال سے بھی رہ گیا۔ بقول:
دار و غموش تا بن حسرت کشیدہ را گوید شنیدہ ام سخن ناشنیدہ را
(عیاری و سخن ساز مثنیٰ محبوب) (توقیل مشہدی)

سمجھ کے کرتے ہیں یا ناز میں وہ پرستش حال
کہ یہ کہے کہ میرا ہنگذر ہے کیا کہیے

یعنی معشوق مزاج پڑی بھی کرتا ہے تو ناز میں تاکہ اس کے جوہر جنا کی شکایت کرتے سے باز نہ رہوں کہ میرا ہنگذر شکوہ شکایت کا موقع نہیں ہوتا (دہانہ جوتی محبوب)

تمہیں نہیں ہے میرا شکر و وفا کا خیال
ہمارے ہاتھ میں کچھ ہے مگر ہے کیا کہیے

یعنی ہمارے ہاتھ میں کچھ ہے مگر بتائیے کیا ہے؟ وہ سرشت و ناپ ہے جس کی طرف
 تمہارا دھیان نہیں جاسکتا لیکن میں نے ہاتھ سے نہیں دیا (پاس جہد و شکوہ جہد شکنی)
 انھیں سوال پر زعم جنوں ہے کیا لڑیے
 ہمیں جواب سے قطع نظر ہے کیا کہیے
 یعنی میں نے جب کچھ التماس کیا تو وہ کہتے ہیں کہ یہ دیوانہ ہے۔ اب اس بات پر
 ان سے کون لڑے جب کہ ان کے جواب سے خواہ وہ کیسا ہی جو میں بے نیاز ہوں۔ (پاس
 غافل محبوب)

حد منراٹے کمال سنخی ہے کیا کیجے
 ستم بہلئے متاع ہنر ہے کیا کہیے

یعنی سننوی میں کمال پیدا کرنا ایک جرم ہے جس کی سزا حد ہے اور جب کوئی ہنر
 پیش کرے اس کی قیمت ستم ہے۔ ان حالات میں نہ کچھ کرتے بن پڑتی ہے نہ کچھ کہتے۔ مطلب
 ہے کہ کمال ہنر حد کا شکار ہے میں یا ستم کا۔ (شکوہ ناقدی اور باب ہنر)

کہا ہے کس نے کہ غالب بُرا نہیں لیکن
 سوائے اس کے کہ آشفۃ سر ہے کیا کہیے

یعنی غالب آشفۃ سر یا دیوانہ ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ کوئی اچھی بات نہیں لیکن
 آشفۃ سر کی شکایت کیا ہو۔ (آشفۃ سر یا خویشی)

(۲۰۲)

دیکھ کر درپردہ گرم دامن افشانی مجھے
 کر گئی دایستہ تن میری غریانی مجھے

دامن افشانی : معنی قطع ملائق ۔ عریانی : کنایہ از بے تعلقی ۔ یعنی میری
 عریانی نے جب دیکھا کہ میں ہر چیز سے دامن جھاڑتا چلا جاتا ہوں تو میری عریانی تن
 سے وابستہ ہو کر رہ گئی ۔ امد میں سب سے جدا ہو کر عریانی سے وابستہ ہو گیا ۔ اب دیاں
 دامن ہی نہ تھا جو جھاڑتا ۔ تاہم سب سے قطع تعلق کرنے پر بھی اپنے وجود سے قطع تعلق
 ممکن نہیں ۔ (استعارہ قطع ملائق)

بن گیا تیغ نگاہ یار کا شگب فساں
 مر جیائیں : کیا مبارک ہے گراں جانی مجھے

یعنی اس پر نازاں ہوں کہ میرا سخت جان وجود تیغ نگاہ محبوب کے لیے سان کا
 کام دے رہا ہے ۔ کہ مجھ پر بار بار پڑنے سے وہ تیز تر ہوتی جاتی ہے اور میں ہنوز زندہ
 ہوں ۔ (ذوق جفا)

کیوں نہ ہو بے التفاتی اس کی خاطر جمع ہے
 جانتا ہے مجھ پر کش ہائے پنہانی مجھے

پرکش ہائے پنہانی : بمعنی خیالی یا تصور پرکش ۔ یعنی محبوب جانتا ہے کہ
 میں اس تصور میں محو رہتا ہوں کہ گویا وہ میری احوال پر کسی کر دہا ہے ۔ میرے اس خیالی
 تصور کی عمودیت کو جان کر وہ مطمئن ہے کہ میں اس کی بے التفاتی کا شکوہ ہی نہ کروں گا ۔
 (محاکات تصور محبوب)

میرے غم خانے کی قسمت جب بے رقم ہونے لگی
 لکھ دیا منجملہ اسباب ویرانی مجھے

اسباب ویرانی : یہ انصاف و بلا اخافت ہے (یعنی جب لکھا جانے لگا کہ میرے گھر

کی قسمت میں کیا کیا ہے تو (بر تقدیر اول) اسباب ویرانی کے زمرہ میں میرا نام لکھا گیا۔
 گریا میں ویرانی خانہ کا خود سبب ہوں یا (بر تقدیر ثانی) اسباب خانہ کے زمرہ میں "ویرانی"
 لکھا گیا۔ گریا میرے گھر کی قسمت میں کوئی سامان نہ تھا بجز ویرانی کے۔ (ذیوں مالی اذلی عشق)
 بدگماں ہوتا ہے وہ کافر۔ نہ ہوتا کاٹھکے
 اس قدر ذوق تو اسے مرغِ بُستانی مجھے

یعنی نئے طیوڑ کا جو مجھے اس قدر شوق ہے تو اس سے محبوب کہ یہ بدگماں ہو گئی ہے
 کہیں اس کی صدائے شیریں کے سوا طیوڑ کی صدا کو کسی بہت پسند کرتا ہوں حالانکہ حقیقت
 یہ ہے کہ نئے طیوڑ بھی مائلت صدائے محبوب کے باعث مجھے مرغوب ہے (تک مزاجی بخوش)
 دلے واں بھی خورِ محشر نے نہ دم لینے دیا
 لے گیا تھا گور میں ذوقِ تن آسانی مجھے

یعنی میں نے اضطرابِ حال سے گھبرا کر قبر میں سکون ڈھونڈا تھا لیکن وہاں بھی شور
 محشر نے مجھے دم نہ لینے دیا۔ گویا خاطر خواہ آرام نہ کرنے پایا تھا کہ حشر برپا ہو گیا۔
 مطلب یہ ہے کہ شریعگانِ عشق کے لیے قیامت تک کی فیند میں نا کافی ہے۔ (دعایِ اضطراب)
 وعدہ آنے کا وفا کیجے یہ کیا انداز ہے
 تم نے کیوں سوچی ہے میرے گھر کی بُربانی مجھے
 یعنی جیب سے تم نے آنے کا وعدہ کیا ہے گھر چھوڑ کر کہیں نہیں جاتا۔ پیڑہ دار
 کی طرح آنکھ دھارہ پر ہے کہ اب آتے ہوں گے۔ آخر کب تک اس انتظار میں رہو گے۔
 (التجائے تدمم یا دکلنتِ اضطراب)

ہاں نشاطِ آمدِ فصلِ بہار سی راہ وا
 پھر پہلے تازہ سودائے غزل خوانی مجھے

یعنی فصل بہار کے آتے ہی غزل خوانی کا شوق پیدا ہو گیا ہے مطلب یہ ہے
کہ شگفتگی طبع کو بہار سے بڑی نسبت ہے۔ (تشابہ بہار)

دی مے بھائی کو حق کے از سر نو زندگی
میرزا یوسف ہے غالب یوسف ثانی مجھے

یعنی میرے بھائی مرزا یوسف کو خدا نے صحت بخش دی۔ میرے نزدیک تو اس کا
صحت یاب ہونا یوسف گم گشتہ کا پھر واپس آنا ہے۔ گویا ایک اور یوسف از سر نو پیدا
ہوا۔ (شکراۃ صحت مرزا یوسف)

(۲۰۳)

یاد ہے شادی میں بھی ہنگامہ یارب مجھے
سجڑنا پدم ہوا ہے خندہ زیر لب مجھے

ہنگامہ یارب سے مراد وہ مصیبت کا وقت ہے جب خدا یا داتا ہے یعنی بد قسمتی
کے پیش نظر خوشی میں بھی مجھے مخفی خطرہ کا احساس رہتا ہے اور دل ہی دل میں اللہ کو
یاد کرتا رہتا ہوں۔ گویا میری زیر لب مسکراہٹ جو بظاہر اوقات شادمانی میں ہوتی ہے
وہ چپکے چپکے دودیا رب کے مترادف ہے۔ (دوہم اضطراب و اندیش)

ہے کشاد خاطر والستہ در رہن سخن
تھا ظہیم قفل ابجد خانہ مکتب مجھے

قفل ابجد: ایک خاص قسم کی ساخت کا قفل جو چند حلقوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ ہر
حلقے پر خاص حروف منقوش ہوتے ہیں۔ ان حلقوں کو پھر کر حروف منقوش کو ایک متعین
ترتیب میں لایا جائے تو قفل انہ خود گھل جاتا ہے۔ یعنی میرے دل کا انقباض کلام سے

دور ہوتا ہے اور یہ بات میں نے تفسیر الجہد کی طبقاتی ساخت سے اسی طرح سیکھی جیسے
 کئی مکتب سے علم حاصل کر کے کلاس کے حروف جب لفظ کی صورت میں مرتب ہو جاتے ہیں تو
 دل کھل جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب شعر موزوں ہو جاتا ہے تو طبیعت کھل جاتی ہے اور
 نشاط خاطر حاصل ہوتا ہے۔ (نشاط سخن)

یارب اس آشفگی کی داد کس سے مانے
 رشک آسائش پہ ہے زندانیوں کی آبِ بچھے

یعنی انتہائی آشفتہ مالی کی داد دیکھیے جس نے آسائش سے اس قدر بگاڑ کر دیا ہے
 کہ زندانیوں کو بھی آسودہ حال سمجھا ہوں اور ان کی حالت پر رشک کرتا ہوں۔ گویا آزاد کی
 سے زیادہ قید گوارا ہے۔ (آشفہ مالی)

بمع ہے شتاق لذت ہائے حسرت کیا کروں
 آرزو سے ہے شکست آرزو مطلب مجھے

حسرت: یعنی ناکامی۔ یعنی ناکامی میں جو مزہ ہے میں اس کا شتاق ہوں۔ چنانچہ
 اب جو کوئی آرزو کرتا ہوں تو اس لیے کہ پھر ناکامی ہو اور شکست آرزو سے لطف نہ دے
 ہو سکوں۔ (نفقہ عالم)

دل لگا کر آپ بھی غالب مجھی سے ہو گئے
 عشق سے آتے تھے مانع میرزا صاحب مجھے

میرزا صاحب کا لفظ غالب کے لیے بطور طعن استعمال ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخصیت
 میرزا صاحب جو شخصیت کرتے تھے وہ خود قید ہو گئے۔ یعنی عشق ایک ایسی چیز ہے کہ اس کے
 نتائج سے آگاہ ہونے والا بھی اس میں قید ہو جاتا ہے۔ (ابتلائے ناگزیر عشق)

(۲۰۴)

حضورِ شاہ میں اپلی سخن کی آزمائش ہے
چمن میں خوش نوا یانِ چمن کی آزمائش ہے

یعنی حضورِ شاہ میں سخن وری کا امتحان ہے۔ (اشارہ بہ سخن فہمی شاہ)

قد و گیسو میں قیس و کوہکن کی آزمائش ہے
جہاں ہم ہیں وہاں دار و درن کی آزمائش ہے

یعنی قیس و فریاد کی آزمائش قد و گیسو کی محبت میں مبتلا کر کے کی جاتی ہے لیکن ہمدردی
آزمائش دار و درن سے کی جاتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ صرت مبتلائے عشق تھے اور ہم مبتلائے
آلام و مصائب ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جاں نثاری محبت سے زیادہ دشوار ہے۔ (ابن کثیر ص ۱۷۱)

کریں گے کوہکن کے حوصلے کا امتحان آخر
ہمنو از اس خستہ کے نیرشتے تن کی آزمائش ہے

یعنی پاؤں کاٹ کر جوئے شیر کا لانا تو فریاد کی قوتِ بازو کا امتحان ہے۔ حوصلہ کے امتحان
کا وقت بعد میں تھا۔ جب اسے عشقِ شیریں کا مقابلہ کرنا پڑا۔ مطلب یہ ہے کہ عاشق جہاں مصائب
توجہ نہیں دیتا ہے لیکن قہر و اہم کا جھیلنا دشوار ہوتا ہے۔ (جان ناکا ہی غم عشق)

نسیم مصر کو کیا پسیر کنہاں کی ہوا خواہی
اسے یوسف کے ٹوٹے پیر میں کی آزمائش ہے

پسیر کنہاں، کنایہ حضرت یعقوب علیہ السلام۔ اس شعر میں تلخ ہے قصہ یوسف کی طرف
کہ یوسف نے اپنا گروہ مصر کے بھیجا کہ اسے میرے باپ حضرت یعقوب کی آنکھوں پر رکھنا تو ان
میں روشنی آجائے گی۔ جب اہل قافلہ وہ کرتائے کر چلے تو کنہاں میں حضرت یعقوب نے کہا کہ مجھے

یوسف کی خوشبو آ رہی ہے۔ یعنی فہم مصر جو پیر بن یوسف کی خوشبو کھان میں لے کر آئی تو اس سے یہ مقصد نہ تھا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو راحت حاصل ہو یا ان کی آنکھیں روشن ہوں بلکہ مقصد بوسے پیر بن یوسف کی فائش تھی۔ (بے نیازی حسن)

وہ آیا جرم میں دیکھو نہ کہو پھر کہ غافل تھا
شکیب و صبر اہل انجمن کی آزمائش ہے

یعنی اہل انجمن کہتے ہی جو شہد ہوں جلوہ محبوب میر و قرار کو غارت ہی کر کے رہے گا۔
(نقد سامانی جلوہ محراب)

رہے گردل میں تیرا چھا جگر کے پار ہو بہتر
غرض شستِ بیتِ ناکِ نکلن کی آزمائش ہے

یعنی ناکِ نکلن محبوب کی غرض نشاز کا استہان ہے اس سے غرض نہیں کہ دل میں ترازو
۔۔۔ ابورکے پار ہو جانے۔ (بے نیازی معشوق از ملل عشاق)

ہمیں کچھ سحر و زنا کے پھندے میں گیرائی
وفا داری میں شیخ و برہمن کی آزمائش ہے

گیرائی، یعنی کشش یا گرفت۔ یعنی بیچ ہر زمانہ اس سے محض وابستہ ہونے میں کوئی
خوبی نہیں دیکھنے کی بات یہ ہے کہ شیخ کو بیچ کے ساتھ یا برہمن کو زنا کے ساتھ جو وابستگی ہے
اس میں کہاں تک استواری یا وفاداری ہے۔ بقول:

وفا داری بشرط استواری ہیں ایسا ہے مرے تہانہ میں تو کہہ میں گا ڈویر میں کہ
(تجربہ پاس وفا)

پڑا اے دلِ والستہ! جتنابی سے کیا حاصل
مگر پھر تابِ زلفِ پرچکن کی آزمائش ہے

یعنی اسے دل نازنا چک ہے کہ تاپ زلف سے ہائی نہیں پاسکتا۔ پھر اب ترپنے
سے کیا فائدہ ہو کیا پھر آزمانا چاہتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آزمانا بے کار ہے۔ (بے دردی
و درشتی)

رگڑے میں جب اترے زیر غم پھر دیکھے کیا ہو
ابھی تو تلخی کام و دین کی آزمائش ہے

مطلب یہ ہے کہ عشق ابتداء کے حال میں تو چند تلخ کامیوں تک محدود رہتا ہے اور کمال تک
جان لیرا ہوتا ہے۔ (جان گمانہ ٹم غم عشق)

وہ آئیں گے میرے گھر و عدہ کیسا دیکھنا غائب
نئے فتنوں میں اب چرخ کس کی آزمائش ہے

یعنی فراق محبوب تو ایک قبر آسانی تھا ہی۔ اب انھوں نے میرے گھر آنے کا وعدہ کیا ہے
اور آئیں گے ضرور۔ لیکن کیا فتنے آسمان ڈھانے والا ہے اب اس کی آزمائش ہو جائے گی۔
مطلب یہ ہے کہ اس کی فتنہ خوامی نہ جانے کس کس کی جان کو پامال کر دے۔ (فتنہ خرامی
محبوب) یا یہ کہ فتنہ فراق تو ختم ہو گیا اب دیکھنا یہ ہے کہ آسمان آئندہ کیا فتنہ پیدا کرے۔
مطلب یہ ہے کہ فراق ہو یا وصال آسمان فتنہ گری سے باز نہیں آتا۔ (ردا ہم معائب)

(۲۰۵)

کبھی نیکی بھی اس کے دل میں گر آجائے ہے مجھ سے
جہان میں کو کے اپنی یاد و شرم آجائے ہے مجھ سے

یعنی اگر کبھی نیکی کرنے کا بھی ارادہ ہوتا ہے تو محبوب کو یہ شرم آتی ہے کہ اب تک تو
جہان میں ہی کرتا رہا اب نیکی کیا کرے۔ (جہان توئی محبوب)

خدا یا جذبہ دل کی مگر تاشیر الٹی ہے
کہ جتنا کھینچتا ہوں اتنا کھینچتا جائے ہے مجھ سے

مگر: یعنی شاید۔ کھینچتا ہوں: یعنی اپنی طرف مائل کرنا چاہتا ہوں۔ کھینچتا ہوں
سے: یعنی کنارہ کش ہوتا جاتا ہے۔ یعنی میں تھر چاہتا ہوں کہ محبوب کو اپنی طرف مائل
کروں اتنا ہی وہ مجھ سے کشیدہ خاطر ہوتا جاتا ہے۔ جبے اثری جذبہ دل،

وہ بدخواہ و میسری داستان عشق طرولانی
عبادت مختصر قاصد بھی گھبرا جائے ہے مجھ سے

عبادت مختصر: یعنی الغرض۔ یعنی مشغول ہے تنگ مزاج اور پیغام میرا ہے طویل
غرض قاصد بھی گھبرا جائے گا ایسے بدجو کو اتنا پیغام کیونکر پہنچائے (دشمنی عرض حال)

ادھر وہ بدگمانی ہے ادھر یہ ناقوانی ہے
نہ گوجھا جائے ہے اس سے نہ لڑا جائے ہے مجھ سے

یعنی میں تو قرآن کے باعث بول نہیں سکتا ادھر وہ مجھ سے کہ میں بے نیازی کا اظہار
کر رہا ہوں۔ چنانچہ اس بدگمانی سے وہ پرستش احوال بھی نہیں کرتا۔ نتیجہ یہ کہ گفت و شنید
نہ ہو سکی۔ (مجھ کی عرض حال)

سنبھلنے دے مجھ سے ناامیدی کیا قیامت ہے
کہ دامان خیال یا رچھوٹا جائے ہے مجھ سے

یعنی میں چاہتا ہوں کہ میری دل سے نہ نکلے پائے کہ اس کے سوا سے
میری زندگی ہے مگر ایسی نئے قابل محبت کر دیا ہے کہ اب اپنے اختیار سے باہر ہوا جا
رہا ہوں اور خیال یا رچھوٹا دل سے نکلا جا رہا ہے۔ (دکان مالوہ)

تکلف برطرف نگارگی میں بھی سہی لیکن
وہ دیکھا جائے کب یہ ظلم دیکھا جائے ہے مجھ سے

تکلف برطرف: یعنی حقیقت یہ ہے۔ یعنی یہ کیفیت کہ محبوب کو سب دیکھیں مجھے
گوارا نہیں خواہ اس طرح مجھے بھی نگارہ کا رقعہ نہ ملے۔ (درشک)

اگر اس شہر میں نگارگی میں بھی سہی کی بجائے نگارگی ہی میں سہی ہو تو معنی نہ یادہ
دل افروز ہوں گے۔ یعنی بلا شائبہ تکلف کہتا ہوں کہ میں ساتھ نگارگی میں بھی یہ ظلم نہیں
دیکھ سکتا کہ کوئی اسے دیکھے۔ بقول:

ع غیرت از چشم برم روئے تو دیدن نہ درم (درشک)
ہوئے ہیں پاؤں ہی پہلے نسب و عشق میں زخمی
نہ بھاگا جائے ہے مجھ سے نہ ٹھہرائے ہے مجھ سے

پاؤں زخمی ہوئے ہیں، یعنی قوت استقامت و قوت گریز دونوں جاتی رہیں یعنی
عشق وہ بلا ہے کہ ہوئے پیچھے اس کا چھوڑنا بھی شکل اور جھینا بھی شکل۔ دہلے درمانہ
(در عشق)

قیامت ہے کہ ہوئے مدعی کا ہم سفر غالب
وہ کافر جو خدا کو بھی نہ سونپا جائے ہے مجھ سے

یعنی وہ محبوب ہے بوقت سفر اور تو کیا خدا کو سونپنا بھی مجھے گوارا نہیں۔ غیروں کے
ساتھ سفر کرے تو کیا غضب ہے۔ بغوائے:

عشق ان کو ہے جو یار کو اپنے دم و حق کہتے نہیں غیرت سے خدا کے بھی حوالے
(درشک)

(۶-۷)

زبیکہ مشق تماشا جنوں علامت سے
کشا و نیست مژہ سیلی ندامت ہے

سیلی ندامت : یعنی شرمندہ ہو کر کفِ افسوس ملنا۔ یعنی بار بار دیکھے جانا پاگلوں کی
سی حرکت ہے جو دیکھتے ہیں پر کچھ سمجھتے نہیں۔ پس چونکہ اس طرح دیکھنے سے کچھ حاصل نہیں
ہوتا لہذا پاگلوں کا کھونا اور بند کرنا شرم نارسائی غیم سے کفِ افسوس یعنی کے مترادف ہے۔
بقول : دیدہ را کہ بہ قطارہ دل محرم نیست مژہ با ہم زدن از دست ندامت کم نیست۔
(انخامے تبرحق) (بیدل)

نہ جانوں کیونکہ مٹے داغ طعن بد عہدی
تجھے کر آئینہ بھی و طے ملامت ہے

یعنی آئینہ دیکھنے کی غرض یہ ہوتی ہے کہ چہرے کے داغ دہشتے کو دور کیا جائے لیکن
تیرے چہرے سے داغ بد عہدی کسی طرح دور نہیں ہوتا خواہ ہزار آئینہ دیکھے۔ پس آئینہ
تیرے لیے ملامت میں ڈوبنے کی بجائے وہ ہے کہ داغ بد عہدی کو چہرے سے نردھو سکا۔
(شکوہ بد عہدی)

بہ سج و تاپ ہوس ملک عاقبت متاثر
نگارہ عجز سرور شتر سلامت ہے

یعنی عاقبت کی رٹی جیسی تک سلامت ہے کہ نگارہ عجز کا سرور شتر قائم ہے۔ عاقبت
کی رٹی کو توڑنے والی چیز ہوس ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہوس میں بڑا کر عاقبت کو ہاتھ سے
نردھوے۔ خواہشات کے باب میں اپنی عاجزی پر نظر کرتے سے واضح ہوگا کہ حصولِ تمنا

اپنے بس میں نہیں اور اس لیے ہوس میں پڑنا عاقبت سے ہاتھ دھونا ہے گویا احساسِ مجر
میں بھی عاقبت ہے۔ و تعلیم ترک ہوس و اعتراضاتِ افتاب

وفا مقابل و دعوائے عشق تلے بسیار

جنون ساختہ و فصلِ گل قیامت ہے

دروں مصرعے مستقل المعنی ہیں۔ وفا مقابل بمعنی وفادار شمع۔ جنون ساختہ بمعنی

جنون زود۔ یعنی بے وقار و دعوائی عشق غلط ہے اور حالتِ جنون میں فصلِ گل آجانا

قیامت ہے۔ (فارغیت عشق)

(۲۰۷)

لاغر اتنا ہوں کہ گر تو بزم میں جادے مجھے

میرا ذمہ دیکھ کر گر کوئی تیرا دے مجھے

یعنی میں اتنا غریب ہوں کہ دیکھے سے نظر نہیں آسکتا۔ لہذا اگر تیری محفل میں جاؤں تو

کسی کو اعتراض نہ ہوگا۔ (مبالغہ آمیزی و اتجائے باریابی)

کیا تعجب ہے کہ اس کو دیکھ کر آجائے رحم

و ان ملک کوئی سیلے سے پہنچا دے مجھے

یعنی اتنا خستہ حال ہوں کہ مجھ پر تک جاب نہیں سکتا۔ کاش کوئی پہنچا دے کہ شاید

اسے مجھ پر رحم آجائے۔ (استقامتِ محبوب)

منہ نہ دکھلا دے نہ دکھلا پر نہ اندازِ مختاب

کھول کر پر وہ ذرا آنکھیں ہی دکھلا دے مجھے

آنکھیں دکھانا بمعنی اظہارِ عقاب کرنا۔ یعنی اگر ازراہِ کرم صورت نہیں دکھاتا

ترازاہ عقاب آنکھیں ہی دکھا دے۔ (بیانہ جوئی دیدار)
یاں ملک میری گرفتاری سے وہ خوش ہے کہ میں
زلف اگر بن جاؤں تو شانے میں الجھائے مجھے

یعنی محبوب میری گرفتاری کا اس قدر خواہش مند ہے کہ اگر میں اس کی زلف بن
جاؤں جسے وہ گرفتار نہیں بلکہ چھوٹی ہوتی رکھتا ہے تب بھی مجھے شانے کے پھندے میں
پھنسا دے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ کسی حال میں میری آزادی گوارا نہیں کرتا۔ وابلانے
ناگزیر عشق

(۲۰۸)

باز بچہ اطفال ہے دنیا مرے آگے
ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے

یعنی دنیا کو ایک کھیل ادا اس کے واردات کو ایک تماشا تصور کرتا ہوں۔ بے حقیقتی

(دنیا و متاع دنیا)

اک کھیل ہے اوندنگ سیماں مرے نزدیک
اک بات ہے اعجازِ مسیحا مرے آگے

اک بات ہے: معنی برائے نام بابے حقیقت ہے۔ یعنی مجھے خوب معلوم ہے کہ
دنیا میں خواہ کتنا ہی کوئی اقتدار و اختیار حاصل کرے ایک بات یا کھیل کی طرح ناپائیدار
ہے۔ (بے حقیقتی دنیا و مافیہا)

مگر نام نہیں صورتِ عالم مجھے منظور
جز وہم نہیں ہستی دنیا مرے آگے

منظور ہونا، یعنی تسلیم کرنا۔ یعنی میں یہ تسلیم کرنے کو تیار نہیں کہ دنیا کی حقیقت۔
برائے نام نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میری نگاہ میں عالم برائے نام ہے اور ہستی اشیاء بعض
وہم۔ کیونکہ دنیا و انبیاء دونوں فنا آمادہ یا فانی ہیں قرآن کی کیا حقیقت ہے۔ (بے حقیقی نام)

ہوتا ہے نہاں گرد میں صحرا مرے ہوتے
گھستا ہے جبین خاک پہ دریا مرے آگے

یعنی صحرا ہوا دریا کوئی میری نظر میں نہیں سماتا۔ چنانچہ میرے سامنے اپنی بے حقیقی
کے احساس شرم سے صحرا گرد میں چھپ جاتا ہے اور دریا زمین پر سر دکھ کر اظہارِ بجز کرتا ہے
گویا بڑی سے بڑی چیز بھی حقیقتاً سچ ہے۔ (بے حقیقی عالم)

مت کو چھ کہ کیا حال ہے میرا ترے پیچھے
تو دیکھ کہ کیا رنگ ہے تیرا مرے آگے

یعنی میرے سامنے جو تیرا طرزِ عمل ہے اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ تیرے پیچھے
میرا کیا حال ہوتا ہوگا۔ اس کا پوچھنا کیا ضرور۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تو نے لطف و عنایت
کا سلوک روا رکھا ہے تو یقیناً مجھ کو خوشی اور ہر طرح کا اطمینان حاصل ہے۔ بصورتِ دیگر
میرے اضطراب اور پریشانی کا کیا ٹھکانا، مطلب یہ ہے کہ میرا حال منحصر ہے تیرے طرزِ عمل پر۔
(عرضِ حال)

سچ کہتے ہو خود بین و خود آراہوں نہ کیوں ہوں
بیٹھا ہوں بیت آئینہ سیما مرے آگے

یعنی اگر تم جیسا بت آئینہ سیما سامنے ہو تو جتنا بھی خود بین اور خود آراہوں تھوڑا ہے۔
(عیشِ مانتہ و قربِ محبوب)

پھر دیکھئے اندازِ گل افشانی گفتار
نیکہ دے کوئی پیما نہ و صہبامرے آگے

(میں، شراب سے منہ ہوتا ہوا چھوٹا ہوتا ہوا گفتاری کا لہر دیر جتن سے قنابل سے)

نفرت کا گماں گزے ہے میں رشک کا گزرا
کیوں کر کہوں کو نام نہ آن کا مرے آگے

(میں، رشک کے زیر اثر میں، نہیں، پتا کہ کوئی میرے محبوب کا نام لے لیکن نام لینے

مے منع نہیں کرتا کہ اس سے گماں نفرت کا گزرتا ہے۔ مجھے رشک گوارا ہے لیکن شائبہ

نفرت گوارا نہیں۔ (دیا سدا رشتی محبوب)

ایمان مجھے دے ہے تو کھینچے ہے مجھے کفر
کعبہ مرے پیچھے ہے کلیسا مرے آگے

(یعنی میں اس مقام پر ہوں جہاں کفر اور ایمان میں سے ایک کا اختیار کرتا اور شہاد

ہے۔ گویا میرے نزدیک دونوں برابر ہیں۔ گو یہ ظاہر خود کو پشت بر ایمان اور مائل بہ کفر

ثابت کیا ہے۔ (آقا مشرقی اہل عشق)

عاشق ہوں یہ معشوق فریبی ہے مرا کام
مجنوں کو بٹا کہتی ہے نیلیا مرے آگے

(یعنی میری عاشقی کو دیکھ کر معشوق بھی فریفتہ ہو جاتے ہیں چنانچہ میری عاشقی کے

مقابلے میں دوسرے عاشق بے قدر ہو کر رہ گئے حتیٰ کہ نیلیا میرے آگے اپنے عاشق

مجنوں کو برا کہتے لگتی ہے۔ (کمال عاشقی)

خوش ہوتے ہیں یہ وصل میں یوں مر نہیں جاتے
آئی شب ہجراں کی تنہا مرے آگے

شب بھراں کی شنا اضافتہ ظرفی کنایہ از موت۔ یعنی شب فراق میں جو میں تمہارے
کی دعا مانگی وہ دعا۔ تمہرے مرگ یوں پوری ہوئی کہ دوسل نصیب ہوا اور مجھے شادی ہو گئی۔
دنت بدو مل)

ہے موحزن اک قلزمِ خوں کاش یہی ہو
آتا ہے ابھی دیکھیے کیا کیا مرے آگے

یعنی پیش آمد مصائب۔ ہے ایک خون کا سمندر جتنا ہوا معلوم ہوتا ہے لیکن اگر مصائب
کی انتہا نہیں پر ہوجاتی تب بھی غنیت تھا ابھی تو نہ معلوم کیا کیا مصائب اس سے زیادہ
پیش آئے ہیں۔ (بے پایاں مصائب عشق)

گولہ تھ میں جنبش نہیں آنکھوں میں تو دم ہے
رہنے دوا بھی ساغر و مینا مرے آگے

یعنی گولہ تھ میں سے کرپینے کی تاب نہیں، ہم جب تک آنکھوں میں دیکھنے کی طاقت
ہے ساغر و مینا سامنے ہی رہنے دو کہ میرے ذوق کی کچھ کچھ تسکین تا دم مرگ برقی ہے۔
(بیانِ ذوقِ میگساری)

ہم پیشہ و ہم مشرب و ہم مانہ ہے اپنا
غالب کہ برا کیوں کہوا چھا مرے آگے

شرعی صفتِ تجرید ہے۔ یعنی غالب بھی باری طرح اہلِ عشق ہے اور ہم مشرب
ہے بھلا سے کیوں بُرا کہا جائے۔ مطلب یہ ہے کہ برائی اس کی ہوتی پاپیے جس میں وہ
خویاں نہ ہوں جو کوئی شخص خود میں سمجھ کر تاک ہے۔ (گزیرہ مشربی عشاق)

(۲۰۹)

کہوں جو حال تو کہتے ہو مدعا کہتے
تقصیں کہو کہ جو تم یوں کہو تو کیا کہتے

یعنی جانتے ہو کہ محض عرض حال اصل مدعا نہیں ہے جیسا تو حال سنتے ہیں مدعا پر پتے
ہو۔ حال نہ کہ وہ تم پر ظاہر ہے اب جانی بوجہی بات کی بابت پوچھو تو کیا بتاؤں (شکوہ تنقل)

نہ کہو طعن سے پھر تم کہ ہم ستمگر ہیں
مجھے تو خوب ہے کہ جو کچھ کہو بجا ہے کہتے

عاشق۔ عجب کہ مشوق ستمگر ہے لیکن کہتے ہوئے ڈرتا ہے کہ مبادا گراں خاطر
ہو اسی لیے مشوق کی ستمکاری کا ذکر ایک اور ہی عنوان سے کرتا ہے کہ اگر تم نے خود کو
طعن کے طور پر کیا کہ میں ستمگر ہوں تو میں اپنی عادت کے بموجب کہ دوں گا کہ سچا ہے
پھر نہ کہنا کہ میں نے تم کو ستم قرار دیا۔ (شکوہ ستم بعنوان شوخی)

وہ بیشتر سی مرے دل میں جیب اتر چلے
نگاہ ناز کو پھر کیوں نہ آشنا کہتے

یعنی نگاہ ناز آشنائے دل تھی جسے ترنشر کی طرح دل میں اتر گئی (گورانی غزل نگاہ ناز)

نہیں ذریعہ راحت جبراحت یہاں
وہ زخم تیغ ہے جس کو کہ دکشا کہتے

یعنی تیرے زخم سے آرام نہیں ملتا البتہ تلوار کا زخم آرام کی نیند سلا دیتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ عاشق کو جبراحت و آرام کی زندگی کے مقابلہ میں ہلاک ہو جانا مرغوب

ہے۔ (حسرت جانیازی)

جو مدعی بنے اس کے نہ مدعی بنئے

جو ناسزا کہے اس کو نہ ناسزا کہئے

یعنی مخالفت کا جواب مخالفت سے اور بدگوئی کا جواب بدگوئی سے نہ دو۔

(دوسری عفو و درگزر)

کہیں حقیقت بان کا ہٹی مرض لکھئے

کہیں مصیبت ناسازشی دوا کہئے

کہیں شکایت رنج گراں نشیں کیجئے

کہیں حکایت صبر گرینہ پا کہئے

رہے نہ جان تو قاتل کو غم نہا دیجئے

کٹے زبان تو خنجر کو مر حبا کہئے

پہلے دوا شکار شکوہ و شکایت کی تحقیق میں ہیں اور شیر شرمین شکر پر مبنی

ہوتے یعنی یہ کیا ہے کہ کبھی اپنا دکھ بیاں کیا جائے اور کبھی ناسازگاری تدبیر کا ذکر ہو

کبھی دیر پا رنج اور کبھی اضطراب و ناشکیبائی کا گلہ ہو۔ چاہیے تو یہ کہ اگر جان باقی

رہے تو غم نہا لینے کی بجائے الٹا تادان دیا جائے کہ جان تو اسی کی تھی اور اگر زبان

کٹے تو بجائے شکایت کے تعریف کی جائے کہ اس کا خنجر ہمارے کام آیا۔ تعلیم رضا

نہیں نگار کو الفت نہ ہونگار تو ہے

روانی روش و مستی ادا کہئے

نہیں بہار کو فرصت نہ ہو بہار تو ہے

طراوت چمن و غوثی ہوا کہئے

یہ اشعار بھی مضمون بالاد پر تفریع ہیں۔ یعنی دوسری شکایتوں کی طرح بے جہرٹی
مشتوق کی شکایت بھی نہ ہو۔ بہر حال وہ مشتوق تو ہے ہی۔ اس کی رفتار و گفتار تو
پیاری ہے۔ اسی کا ذکر کرنا چاہیے۔ اسی طرح اگر بیمار کو فرست قیام نہیں نہ ہو بہار کے
شاد والی چمن اور خوشگوار شمس قضا تو ہوتی ہی ہے اس کا بیان کرو۔ (تعلیم غم فراہوشی
و مسرت کوشی)

سفینہ جب کہ کنارے پہ آگیا غالب
خدا سے کیا ستم و جور نہ خدا کیسے
یہ ایک اور وجہ ہے ترک شکوہ و شکایت کی کہ جب کشتی کنارے پر آ ہی مگی تو
ملاح کی شکایت کیا ہو۔ مطلب یہ ہے کہ جب عمر ختم ہی ہو رہی ہے تو اب اہل جور و
ستم کا شکوہ کیا فائدہ دے گا۔ بقول: "مریٰ آخر میں مبارک بندہ ایست۔"
(تلقین و دیگر راز حادثات)

(۲۱۰)

رونے سے اور عشق میں بیاک ہو گئے
دھوٹے گئے ہم ایسے کہ نپس پاک ہو گئے
دھوٹے گئے، یعنی سیا باقی رہی، بے باک ہو گئے۔ پاک: طراقت یعنی رند
ولا آبال۔ یعنی جیت تک دھوٹے نہ تھے راز مخفی تھا اور پاس تا موس باقی رہا لیکن
اب کہ رونے سے میل عشق طشت از بام ہو گیا ہے پاس وضع دیا بھی جاتا رہا اور
عاشقی میں کوئی جھجک نہ رہی۔ بقول:
عشق تا نام است باشد بے نام و رنگ پختہ مغز ان جنوں را کہ حیات بخریاست
(پختہ مغزی عشق)

صرف بہاتے مے ہوئے الائبے مے تھی
تھے یہ ہی دو حساب سویلوں پاک ہو گئے

حساب پاک ہو جانا، بمعنی الزام سے بری ہو جانا۔ یعنی میری زندگی کا واسطہ
صرف شراب اور ساغر و چیزوں سے تھا۔ ساغر کو شراب کی قیمت میں دے چکا اور
شراب پی لیا۔ اب نہ ساغر و ہاتھ شراب رہی۔ اب کوئی امر موجب الزام نہ رہا۔
(ررنوی و آتش و نشتی)

وہ سو اٹھے دہر گھر ہوئے آوارگی سے ہم
یا سبے طبیعتوں سے تو چالاک ہو گئے

مطلب یہ ہے کہ طبیعت بھی چلتی ہے کہ انسان آوارہ و دارستہ مزاج ہو۔
(رسوائی و بیباکی ملائے عشق)

کہتا ہے کون تالہ بلبلس کو بے اثر
پر مے میں لاکھ گل کے جگر چاک ہو گئے

یعنی گل کے جگر کا چاک ہونا تالہ و بلبلس کے اثر سے ہے۔ جو اس بات کا ثبوت
ہے کہ تالہ بے اثر نہیں ہوتا۔ (بیاثری تالہ)

یو چھے ہے کیا و حود و عدم اہل شوق کا
آپ اپنی آگ کے خس و خاشاک ہو گئے

یو چھے ہے کا فاعل تو مخذوف ہے اور مراد عمرت ہے۔ یعنی عاشق خود آپ
اپنی آگ (عشق) میں جل کر ختم ہو جاتا ہے یہی اس کے وجود و عدم کی حقیقت ہے جسے
بیان کرنے کی حاجت نہیں۔ (نرا گری عشق)

کرتے۔ لئے مجھے اس سے لعاعل کا ہم جہ

کی ایک ہی نگاہ کہ بس خاک ہو گئے

یعنی نظیر القاتلہ۔ تار نے کا گل کرنے گئے تھے لیکن ہوا یہ کہ جب اس نے نظر اٹھا

کا تو ہم آپ نظر نہ لائے اور خاک ہو گئے۔ بقول:

کس نیست کہ جان از تو سلامت ببرد
راہتغافر۔ حل کشی این را بنگاہ

(بافتا بہ جلد)

اس رنگ سے کل اس نے اٹھائی اس کی نیش

وٹمن بھی جس کو دیکھ کے غناک ہو گئے

یعنی مشوق رنگ را کا اس کی لاش کو اٹھانا ایک ایسا اناک شطرت تھا کہ ٹمن بھی

غناک ہو گئے۔ ایک تو اس لیے کہ فی الواقع وہ نظامہ دردناک تھا اور دوسرے اس

لیے بھی کہ اس کے لیے مشوق نے ایسے اثرات رحم و محبت کا اظہار کیا کہ جس کی قیوں

کو توقع نہ تھی۔ (یہ کسی واستامت محبوب)

(۲۱۱)

نشہ ہاشاداب رنگ و ساز ہا مست طریبا

شیشہ سے سرو سبز جو تبار نغمہ ہے

یعنی نشہ رنگ پر ہے اور ساز قنوت متہ سے پر ہے اور شراب کی بوکی جو تبار

نغمہ کا سرو سبز (سود افزائے نغمہ) معلوم ہوتی ہے۔ (خوش وقتی عیش)

ہمنشیں مت کہہ کہ بر ہم کو نہ نرم عیش دوست

مال تو میرے مالے کو بھی اعتبار نغمہ ہے

یعنی محبوب میرے نامہ و فریاد سے اس طرح خوش ہوتا ہے کہ گویا کوئی نغمہ ہے۔
لہذا یہ کہنا کہ میرا نامہ برہم زین عیش ہوگا درست نہیں ہے۔ (سنگ دلی محبوب)

(۲۱۲)

عرض ناز شوخی و مذاں برائے خندہ ہے
دعوتے جمیعت احباب بجائے خندہ ہے

یعنی محبوب کے خوشنما دانت جو ہنسنے میں نظر آتے۔ لگے اور وہ کھلکھلا کر ہنس پڑا ہے
قواب یہ دعویٰ کہ عشاق کا سکون باقی رہے گا ایسا دعویٰ ہے جس پر ہنسنا چاہیے۔ (سنگ دلی محبوب)

ہے عدم میں غنچہ محو عبرت انجام نکل
یک جہاں زانو تامل در قفائے خندہ ہے

یک جہاں زانو تامل: یعنی فکر یہ نہایت۔ یعنی کلی جو ہنوز کھلی نہیں یا عالم عدم میں ہے
ہنسی کو دباتے ہوئے ہے اس کا سبب یہ ہے کہ وہ انجام نکل سے جو ہنسنے دیکھنے کے
بعد سے پیش آتا ہے عبرت پکڑ کر جو تمکد ہے۔ (عبرت، انجامی عیش حیات)

کلفت، افسردگی کو عیش بے تابی حلام
ورنہ و مذاں در و دل افشردن بنائے خندہ ہے

و مذاں در و دل افشردن: یعنی جلائے اذیت ہونا۔ یعنی عیش میں جلائے اضطراب

و آلام ہونا دل خوش کن ہوتا ہے۔ لیکن اس کا کیا علاج کہ افسردگی کے عالم بے خبری میں اضطراب
کا لطف میسر ہی نہیں ہو سکتا۔ (دیوان افسردگی)

سویش باطن کے ہیں احباب منکر ورنہ یاں
دل محیط گر یہ و لب آشنائے خندہ ہے

یعنی سوزش پتہاں تو اسی حالت کا نام ہے جو میری ہے کہ دل پر داناغہ لب ہے
اور لب پر ہنسی ہے کیوں اس کا کیا علاج کہ احباب سوزش باطن کے قائل ہی نہیں۔ وہ
تو گریختہ ظاہر کو دیکھتے ہیں۔ (شکوہ اور باب نقیہ)

(۲۱۳)

حین بے پروا خریدار متاع جلوہ ہے
آئینہ زانوئے فکر اختر ابرع جلوہ ہے

متاع جلوہ: یعنی سامان جلوہ طرازی۔ یعنی جس طرح انسان کھٹنے میں مرد۔ بے کو کوئی
بات سوچتا ہے اسی طرح محبوب ہر چند کہ بے پروا ہے آئینہ سامنے رکھ کر نئی سے نئی جلوہ طرازی
کی فکر میں ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جن بے پروا بھی سامان جلوہ کا طلب گار ہے۔
و ذوق جلوہ طرازی محبوب۔

تا کجا اے آگہی رنگ تماشا باختم
چشم و اگر دید و آغوش و دایع جلوہ ہے

رنگ تماشا باختم: یعنی مصروف نگارہ ہونا۔ یعنی نگارہ کتنی دیر کا؛ آنکھ کھولتے
ہی ترس جاتا ہے کہ جلوہ رخصت ہو جاتا ہے۔ بقول:

چشم و اگر دید و آغوش و دایع جلوہ ہے
چشم و اگر دید و آغوش و دایع جلوہ ہے

(بیدل)

(خیرگی حیرت)

(۲۱۴)

جب تک دہان زخم نہ پیدا کرے کوئی
مشکل کہ تجھ سے راہ سخن واکرے کوئی

یعنی جب تک کہ عشق کا گھاؤ نہ لگے یا معشوقہ کی لونہ لگے محبوب حقیقی۔ سے شرفِ بلا
(قرب) حاصل نہیں ہو سکتا۔ (کار سازشِ غم عشق)

عالمِ غبارِ وحشتِ مجنوں ہے کسبِ سیر
کب تک خیالی طرہ لیلے کرے کوئی

خیال کرنا، یعنی حفاظت کرنا۔ یعنی طرہ لیلے کو غبارِ وحشتِ مجنوں۔ سے کب تک دور
رکھا جاسکتا ہے جب کہ اس کا غبارِ تمام جہاں میں پھیلا ہوا ہے۔ جن کا عشق سے متاثر ہونا
ناگزیر ہے۔ (تاثرِ عشق)

پہلوئے معرفت یہ ہے کہ جہاں اہلِ عشق یا اہلِ حبس کا برپا کیا ہوا غبار ہے جو محبوب
حقیقی کے حُسن کو چھپائے ہوئے ہے۔ ان حجابات کو مٹانا ممکن نہیں ہے۔ (استحالاتِ حقیقت)

افسردگی نہیں طرب افزائے انفسات
ہاں دردِ دین کے دل میں مگر جا کرے کوئی

یعنی جب تک کہ کسی کے دل میں گہر نہ کر دے تمھاری افسردگی پر کوئی توبہ نہ کرے گا۔ (تلازم)

دل ہی دلدلا سکا

رونے سے اے ندیمِ ملامت نہ کر۔ مجھے
آخر کبھی تو عقدہ دلِ واکرے کوئی

یعنی ضبط کر۔ سے جو دل گھٹا ہوا رہتا ہے کبھی تو یہ گروہ کھٹنی چاہیے۔ پس رونے

پر ملامت نہ کر۔ (التجائے رخصتِ گریہ) یا (جبرِ گریہ)

چاکہ جگر سے جب رہ پر کشش نہ دیا ہوئی
کیا فائدہ کہ جیب کو رسوا کرے کوئی

یعنی جا رہا کر چیتنے۔ سے جب کچھ ترنہ ہوا اوداس نے فہ حال نہ پوچھا تو گریہ ان پک
کرتے سے کیا ہوگا۔ (شکوہ بے اتفاقی)

لخت جگر سے بے رگ ہر خار شاخ گل
تا چہ باغبانی صحرا کرے کوئی

یعنی میں نے اس قدر صحرا نوردی کی کہ تمام صحرا کے کلسٹے میرے خون جگر سے پھول
کی بنیاں بن گئے۔ اب اس طرح کی باغبانی صحرا کب تک کرتا رہوں۔
آغشتہ ایم۔ سرخسار سے بخون دل قانون باغبانی صحرا نوشتر ایم
(بیلان صحرا نوردی و خوشنقشی)

ناکامی نگاہ ہے برقی نظارہ سوز
تو وہ نہیں کہ تجھ کو تماشا کرے کوئی

برقی نظارہ سوز: استعارہ از جلوہ خیر و ساز۔ یعنی تیرا نظارہ ان آنکھوں سے ممکن
نہیں۔ کیونکہ تیری نظارہ سوز بجلی (جلوہ گری) نگاہ کرنا کام بناتی ہے۔ (خیر و ساز کی جلوہ)

ہر سنگ و خشت ہے صدق گوہر شکست
نقصان نہیں جنوں سے جو سودا کرے کوئی

یعنی جنوں کے سودا کرنے میں نقصان نہیں بلکہ فائدہ ہے کیونکہ سودا اُسے جنوں میں جو
خاک و خشت حاصل جیتے ہیں وہ گہر شکست کے سبب ہیں کہ ان سے جو خم پیدا ہوتے ہیں وہ موتی کی طرح قابل قدر
ہیں جو عشاق کے نزدیک بڑی گرانہما چیز ہے۔ (قدر و قیمت جواحت)

سر رہوئی نہ وعدہ صبر آزما سے علم
ز صحت کہاں کہ تیری تماشا کرے کوئی

یعنی تمنا کا وقت تو وہ ہوتا ہے جب وعدہ کی مہیا د ختم ہو جائے وہاں وعدہ میں
ہی غم ختم ہو گئی تمنا کا موقع کیاں رہا۔ (دوامِ حسرتِ مامید)

ہے دشتِ طبعیتِ ایسا دریاں خیر
یہ ورد وہ نہیں کہ نہ پیدا کرے کوئی

یعنی موجودات کی فطرت میں دشت ہے کہ ہر چیز گریبا (فنا آمادہ) ہے جس کا نتیجہ
مالوسی ہے اور چونکہ مالوسی فطرتِ ایجاد کے تاج میں ہے اس لیے کوئی بھی اس
ورد یا اس سے غالی نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ہر شخص حسرت خورد ہے۔ بقول: کَلَّمَ
عَلَيْهَا غَاثٌ (جہاں گیرئی یاں)

بے کار شئی جنوں کو ہے سر پٹنے کا شغل
جب ہاتھ ٹوٹ جائیں تو پھر کیا کرے کوئی

یعنی حالتِ جنون میں سر پٹنے کے سوا اور کوئی شغل نہیں ہوتا لیکن جب ہاتھ بھی نہ ہوں
تو اساق کیا کرے۔ (کمال بے بسی)

مدبرے مسمیٰ یہ ہیں کہ اہل جنون دست شکستہ ہوتا ہے کہ اس سے کچھ کام نہیں ہو سکتا۔
اس از کار زنگی پر سر پٹنے اور افسوس کرنے کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے (بے ہرگی اہل جنون)

حسنِ فروغِ شمعِ سخن دور ہے اسد
پیکے دل گداختہ پیدا کرے کوئی

یعنی جب تک دل میں سوز و گداز عشق پیدا نہ ہو، کلام میں بھی سوز و گداز نہیں پیدا
ہو سکتا۔ (کلامِ عشق و فنا مری)

(۲۱۵)

ابن مریم ہوا کرے کوئی
میرے دکھ کی دوا کرے کوئی

یعنی میرے نزدیک تو میسائی وہ ہے جو میرے کام آئے۔ مطلب یہ ہے کہ میسایا سب کا
علاج کر سکتے ہیں۔ علاجِ عشق سے عاجز ہیں۔ (بے درمانی دردِ عشق)

شرع و آئین پر مدار سہی
ایسے قاتل کا کیا کرے کوئی

یعنی جو قتل بھی کرے اور شرع و آئین کی رُو سے ناقابلِ مواخذہ بھی ہو اس کا کیا علاج۔
(بے درمانی عشق)

حیال جیسے کڑی کمان کا تیر
دل میں ایسے کے جا کرے کوئی

یعنی ایسے کے دل میں جگہ کرنی بڑی بات ہے جو تیر کی طرح کسی کی طرتِ اتفاقیہ کے بغیر
گزر جاتا ہو۔ (تغافل و بے نیازیِ محبوب)

بات پر والی زبان کشتی ہے
وہ کہیں اور مستاکرے کوئی

یعنی وہ تو جو چاہے کہے۔ (دوسرے کو بونے کی اجازت نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اہلِ عشق کو
پیکرِ تسلیم و رضا ہونے کے علاوہ چارہ نہیں۔) (دریںِ تجلِ شقائق)

بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ
کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

یعنی یہی ستر ہے کہ اہل جنون عشق کی بات کوئی نہ سمجھے۔ کیونکہ اگر اس کی بات بھی
گئی تو یہ خود اہل جنون کے لیے تباہ کن ہوگا۔ کیونکہ یہ افشائے رازِ عشق ہے۔ (تعلیم
اخفائے سترِ عشق)

نہ ستر گر ہوا کہے کوئی
نہ کہو گر ہوا کوئے کوئی

نہ ستر، یعنی قوم نہ دو۔ نہ کوئے: یعنی تذکرہ نہ کرو۔ یعنی نہ کسی کی برائی ستوا اور
نہ کسی کی برائی بیان کرو۔ (منع استماع غیبت و مذمتِ تمام)

روک لو گر غلط چلے کوئی
بخش دو گر خطا کرے کوئی

یعنی نہیں عن المنکر یا بری بات۔ سے باز رکھنے اور عفو عن الناس، خطائوں کے درگزر
کرنے کے اصول پر عمل کرو۔ (تعلیم نہی عن المنکر و عفو عن الناس)

کون سے جو نہیں ہے جا جہند
کس کی حاجت روا کرے کوئی

کوئی: کنایہ از محبوب۔ یعنی اہل حاجت اس قدر ہیں کہ سب کی حاجتوں کو پورا
کرنا ممکن نہیں۔ (اکثریت اہل طلب) یا یہ کہ ہر شخص خود جا جہند ہے تو کوئی کسی کی حاجت
کیسے کر سکتا ہے۔ اشارہ ہے اس امر کی جانب کہ حاجت روا صرف وہ ہو سکتا ہے جو کسی
کا محتاج نہ ہو۔ (دریں ترکیب طلب)

کیا کیا خضر نے سکندر سے
اب کے رہنا کرے کوئی

یعنی رہنا خضر بھی بر تو حصولِ نفع و نفع نہائی نجات کہ بغیر ممکن نہیں۔ (نکاحی تدبیر)
 حبيب توقع ہی اٹھ گئی غالب
 کیوں کسی کا بگڑ کرے کوئی
 یعنی توقع انتہا ہی نہیں تو ظہر بیکار ہے۔ (عالم اس)

(۲۱۶)

بہت سہی غم گیتی شراب کم کیا ہے
 غلام ساقی کو نثر ہوں مجھ کو غم کیا ہے
 یعنی دنیا میں کتنے ہی غم و مصائب کیوں نہ ہوں ساقی کو نثر علی اللہ علیہ وسلم کے پاس
 شراب ظہور کو کھی نہیں وہ تمام غم دنیا بھلا دیں گے۔ (دیہ غمی عاشقانِ رسول)
 تمھارے ہی طرز و روش جانتے ہیں ہم کیا ہے
 رقیب پر ہے اگر لطف تو ستم کیا ہے
 ستم: یعنی امر خلاف توقع۔ یعنی تمھارا طریقہ کار ہی سنا ہے لہذا رقیب پر مہربانی
 کوئی خلاف ایسا بات نہیں کیونکہ یہ بھی ہم پر ستم ہی ہے۔ (تکوہ جواد شکیب رقیب)
 کٹے تو شب کہیں کاٹے تو سانپ کہلائے
 کوئی بتاؤ کہ وہ زلف خم پر خم کیا ہے
 یعنی زلف خم دار کو شب یا سانپ تو کہا جاسکتا ہے لیکن اگر شب ہوتی تو کٹ ماتی
 اور اگر سانپ ہوتی تو کہیں کاٹتی۔ اب یہ کورات کی طرح کاٹے کٹتی ہے اور نہ سانپ
 کی طرح کاٹتی ہے تو سمجھ میں نہیں آتا کہ اسے کیا کہا جائے۔
 (دورازی و بلاکت آفرینی زلف)

لکھا کرے کوئی احکام طالع مولود

کسے خبر ہے کہ وہاں جنبشِ قلم کیا ہے

یعنی زبانش نہیں جان سکتا کہ سر نوشت میں کیا ہے (تجیری از سر نوشت)

نہ حشر و نشر کا قائل نہ کیش و ملت کا

خدا کے واسطے ایسے کی پھر قسم کیا ہے

یعنی جو ایسا خدا کا ترس ہو کہ مرا خذہ آخرت۔ سے بھی نہ ڈرے اس کا قسم کا بھی کیا

(شکوہ بد ہمدی مشرق)

اعتبار۔

وہ داد و دیدہ گراں مایہ شرط ہے ہمدم

وگر نہ ہر سلیمان و پیامِ جم کیا ہے

یعنی ہر سلیمان و پیامِ جم کی گرانقدری داد و دیدہ پر تو قہر ہے اگر عداوت وہاں نفاذ

نہ ہوتی تو یہ چیزیں کچھ بھی نہیں تھیں۔ (قدرِ افادیت)

سخن میں غائبِ غالب کی آتش افشانی

یقین ہے ہم کو بھی لیکن اب اس میں جم کیا ہے

یعنی غائب کی آتش افشانی سے انکار نہیں لیکن اضحلالِ طبع کے باعث اب اس کی

طبیعت افسردہ ہو کر رہ گئی۔ (ربانِ افسردگی منظر)

(۲۱۷)

باغ پاکِ خفقانی، یہ ڈراتا ہے۔ مجھے

سایہ شاخِ گلِ اضعی نظر آتا ہے مجھے

ڈراتا ہے کا فاعل باغ ہے۔ یہ کوئی باندہ یعنی بہت۔ یعنی میرے ختان کا یہ

عام ہے کہ باغ بھی مجھے پاگل سمجھ کر ڈانے لگایاں تک کہ سایہ شاخ سے سانپ کی طرح ڈنکا
ہوں ۔ (ہیبت و مشتبہ عشق)

جو پر تیغ بہ سر چشمہ دیگر معلوم
ہوں میں وہ سبزہ کہ زہرا بے آگاتا ہے مجھے

زہرا بے : کنایہ از تلمیذ روزگار۔ یعنی میں طرح تلوار کی آب و تاب کا سرچشمہ خود
اس کی اپنی ہستی کے سوا اور کوئی دوسرا نہیں ہے اسی طرح میں بھی ایک ایسا سبزہ ہوں جو
تلمیذانے زمانہ سے ابھرا ہوں ۔ (تلخ کامی ازلی)

مدعا، محو تماشا شائے شکستِ دل ہے
آئینہ خانہ میں کوئی لیے جاتا ہے مجھے

”مدعا“ ابتدا اور محو تماشا“ خیر ہے ۔ یعنی کسی کی بے وفائی سے دل اسی قدر شکست
ہوا کہ اس کے ٹکڑوں سے ایک آئینہ خانہ کی سی کیفیت پیدا ہو گئی جس میں مدعا ملے دل
محو تماشا ہو کر رہ گیا اور نہ نکل سکا ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گریا بجھے کسی نے آئینہ خانہ میں
ڈال دیا ہے ۔ ظاہر ہے کہ جہاں حیرت ہو وہاں تدعا کیا ؛ (نامراد ی)

نالہ سر مایہ یک عالم و عالم کفِ خاک
آسماں بیضہ قمری نظر آتا ہے مجھے

یہ مشبہ خاکستر دنیا جو پُرانہ نالہ ہے آسمان سے ڈھکی ہوئی ایسی معلوم ہوتی ہے
جیسے ایک بیضہ قمری ہو ۔ ظاہر ہے کہ بیضہ کے اندر بچہ ہوتا ہے لہذا خیالی طور پر اس
بیضہ قمری میں بھی ایک مشبہ خاکستر بچہ قمری پُرانہ نالہ و فغان منسوب ہے جو آسمان سے
ڈھکی ہوئی دنیا کی مانند ہے ۔ (غزلیہ غم دنیا)

زندگی میں تو وہ محفل سے اٹھا دیتے تھے
دیکھوں اب مر گئے پر کون اٹھاتا ہے مجھے

یعنی زندگی میں تو وہ مجھ سے اس قدر بیزار تھے کہ اپنی محفل سے اٹھا دیتے تھے
لیکن دیکھنا یہ ہے کہ مرے پیچھے بھی انھیں میرا کچھ خیال ہے اور میرا خازنہ اٹھاتے ہیں
یا نہیں۔ (حسرتِ انصافِ محبوب)

(۲۱۸)

روندی ہوئی ہے کو کب سے شہر یار کی
اتراٹے کیوں نہ خاک سپردہ گنڈا کی

یعنی خاک را ہگزار کو خرب ہے کہ بادشاہ کا جلوس ادھر سے گزرا ہے۔ (تشریف)

(تہذیبِ سلطان)

جب اس کے دیکھنے کے لیے آئیں بادشاہ
لوگوں میں کیوں نمود نہ ہو لالہ زار کی

یعنی لالہ کو فروغ اس لیے حاصل ہے کہ بادشاہ کو اس کا قطارہ پسند ہے۔ (تہذیبِ سلطان)

بھوکے نہیں ہیں سیرِ گلستاں کے ہم دے
کیونکر نہ کھاٹیے کہ ہوا ہے بہار کی

یعنی ہیں باغ سے غرض نہیں ہوائے بہار سے غرض ہے جو باغ کو بھی شاداب کرتی ہے

(تعلیمِ استفادہ از مبداء فیاض)

(۲۱۹)

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پر دم نکلے
بست نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

یعنی تمام ارمان کہاں نکل سکتے ہیں جب کہ ہزاروں ایسے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک جان لیوا ہے۔ (جان لکا ہئی کثرتِ آمال)

ڈرے کیوں میرا قاتل کیا رہے گا اس کی گردن پر
وہ غول جو چشم تر سے عمر بھر لوں دم بدرم نکلے
یعنی میرا خون تو آنکھوں سے ہر گھڑی نکل رہا ہے۔ اب کیا باقی رہے گا جو قاتل کی
گردن پر ہے۔ پس اسے میرے قتل سے ڈرنا چاہیے۔ ظاہر ہے کہ جب خون ہی نہ ہو تو
خونریزی کا الزام کیا۔ بقول داغ۔ ع خون ہی مجھ میں نہ تھا خون کا دعویٰ کیا۔

(شوقِ شہادت)

نکلنا خلد سے آدم کا سنستے آئے ہیں لیکن
بہت بے آبرو ہو کر ترے کوپے سے ہم نکلے
یعنی تیرے کوپے سے نکلنا خلد سے نکلنے کی نسبت زیادہ گراں خاطر ہے۔ (شاد و کھٹکے)
بہر کھل جائے ظالم تیری قامت کی درازی کا
اگر اس طرۃ پوچھ و خم کا پیچ و خم نکلے
یعنی اگر زلفت کا پیچ و خم نکال دیا جائے تو وہ تیرے قد بالائے زیادہ دراز نکلے گی۔

(درازی زلفِ محبوب)

اگر لکھوائے کوئی اس کو خط تو ہسم سے لکھوائے
ہوئی مسج اود گھر سے کان پر رکھ کر قلم نکلے
یعنی محبوب تک پہنچنے کے لیے کسی وسیلہ کا اس قدر شاق ہوں کہ تمام دن سب سے
پر جتنا پھرتا ہوں گا اگر کوئی اسے خط لکھوائے تو مجھ سے لکھوائے۔ (دلائلِ قریبِ ملاقات)

ہوئی اس دور میں منسوب مجھ سے بادہ آشتامی
 پھر آیا وہ زمانہ جو جہاں میں جاہم جسم نکلے
 یعنی یا تو دور جاہم جیشہ کا تھا اور یا پھر اس زمانہ میں میلز ہے۔ (مذاق، بادہ گساری)
 ہوئی جن سے توقع خستگی کی وادیاں نے کی
 وہ ہم سے بھی زیادہ کشتہ تیغ ستم نکلے
 یعنی ایسے لوگ بھی جنہیں میں سمجھا تھا کہ وہ میری خستہ مالی کی قدر کریں گے مجھ سے زیادہ
 خستہ مال ثابت ہوئے۔ (جہانگیری غم)
 بعض نسخوں میں قافیہ دوم آیا ہے۔

محبت میں نہیں ہے فسق جینے اور مرنے کا
 اُسی کو دیکھ کر جیتے ہیں جس کا فریہ دم نکلے
 یعنی اہل محبت کے مینے اور مرنے میں کوئی امتیاز نہیں۔ ان کے نزدیک محبت میں جان دینا
 عین زندگی ہے۔ (نشا طبرک، خفاق)

خدا کے واسطے پردہ نہ کعبہ سے اکٹھا واعظ
 کہیں ایسا نہ ہو یاں بھی وہی کافر صنم نکلے
 پردہ نہ تھا، یعنی یہی ہوئی بات کو ظاہر نہ ہونے دے۔ یعنی اسے واعظ
 پرستار کا کعبہ کی دعوت یہاں لیکن کہیں ایسا نہ ہو کہ کعبہ کے پردہ میں کافر صنم کی پرستاری ہو رہی ہو
 اس لیے اس کی چھان بین نہ کر۔ سہارا کعبہ کی دعا تھی اجنبی و بیٹی ان قبیح الاصنامت
 (نمایاۃ عبادت خالص)

کہاں مے خانہ کا دروازہ غائب اور کہاں واعظ
 پرستار جانتے ہیں کل وہ باتا تھا کہ ہم نکلے

یعنی غلط بھی اسی سے غنا سے فیض یا سب سے جس سے لذت، فرق صرف دیر سویر کا ہے۔
 میٹھا نہ سے مراد سے غنا نہ عشق ہے اور مطلب یہ ہے کہ عشق یا ایمان مقدم ہے اعمال پر۔
 بقول: پسچے رانا بھی اسی منزل پہ دیوانے کے بعد، شائع (قدیم عشق پر مسائل عقل)

(۲۲۰)

کوہ کئے ہوں بارِ خاطر گر صدا ہو جائیے
 بے تکلف اے شرارِ جتہ کیا ہو جائیے

بے تکلف ہونا، یعنی ترکِ ایذا رسانی کرنا۔ شرارِ جتہ، دل سے نکلی ہوئی چنگاری
 یا اضطرابِ خاطر۔ یعنی اے اضطرابِ خاطر کیسے ہو کہ میں کسی کو تکلیف نہ دوں۔ جیکہ حالت
 یہ ہے کہ آوازِ عیسیٰ ہلکی پھلکی پیڑھی پہاڑ کے لیے گراں خاطر ہوتی ہے اور وہ ردِ کردیتا ہے۔
 (شرم گراں خاطر)

بیضہ آسانگِ بالِ و پر ہے یہ کنجِ قفس
 از سیرِ نو زندگی ہو گر رہا ہو حبا ئیے

یعنی کنجِ قفس سے رہائی گویا انڈے سے باہر آنا ہے کہ وہی سے نئی زندگی شروع ہوتی
 ہے۔ بالِ و پر کے لیے جس طرح انڈے میں رہنا باعثِ شرم ہے ایسے ہی قفس میں رہنا
 باعثِ شرم ہے۔ (بغیرِ حریت)

۲۲۱

مستی بہ ذوقِ غفلتِ ساقیِ بلاک ہے
 موجِ شرابِ یکِ مژدہِ خا بناک ہے

بلاک ہے، مستی نہ ہے۔ ذوقِ غفلت، یعنی بے نیازی کا حالت۔ ساقی، الکات

از محبوب۔ مین ساقی محبوب کی ادا تھے بے نیازی پر خود سنی فریفتہ ہے۔ وہ اس درجہ سنی آگیز
ہے کلاس کی خواب آلود آنکھوں کی پکوں کے بال شراب کی ہری بن گئے ہیں۔ (مغربی ادا تھے بے نیازی)

جز زخم تیغ ناز نہیںیں دل میں آرزو
جیب خیال بھی ترسے ہاتھوں سے چاک

جیب چاک ہے، یعنی جیب خالی ہے، یعنی بجز آندوئے زخم غلے اور کسی چیز کا

خیال نہیں۔ (ذوق جواحت طلبی)

یہ کہ میرے دل میں بے شمار آندوئیں تھیں وہ سب ختم ہو گئیں اصاب بجز زخم ناز کے

دل میں کچھ نہیں ہے بیان تک کہ کس کا خیال نہیں باقی نہیں رہا۔ (کمال یاس)

جوش جنوں سے کچھ نظر آتا نہیں اسد

صحرا ہماری آنکھ میں اک مشت خاک ہے

یعنی جوش و دیوانگی کی کیفیت ہے کہ اس کے مقابلہ میں صحرا ایک مشت خاک سے زیادہ

نظر نہیں آتا۔ (مبالغہ و حشو)

یہ کہ صحرائے ہماری آنکھوں کے ساتھ وہ کام کیا جو مٹی بھر خاک آنکھوں میں بھرنے کے

سے ہوتا ہے کہ پھر کچھ بچا ہی نہیں دیتا۔ یہی حال ابلی جنوں کا ہوتا ہے کہ صحرائیں یا کہ ہر طرف

سے ان کی آنکھیں بند ہو جاتی ہیں۔ (دیوانگی)

(۲۲۲)

لب ملیشی کی جنبش کرتی ہے گہوارہ جنبانی

قیامت کشہ لعل تباں کا خواب سنگیں ہے

قیامت ہے، یعنی بہت زیادہ ہے۔ یعنی کشکان عشق موت کی ایسی گہری نیند میں سے بھی

کہ لب ملیشی بچنے کے لئے جنبش کرتی ہے گہوارہ کا کام کرتا ہے۔ (بے خودی عشق)

(۲۲۳)

آمد سیلاب طوفانِ صدا سے آب ہے
نقشِ پا جو کان میں رکھتا ہے انگلی جاد سے

یعنی نقشِ پانے جو اپنے کانوں میں جادہ کی انگلی ٹھونس رکھی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بھی طوفانِ سیلاب کی آمد کا شور سن رہا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہر شے مسموعِ خدا ہے یا فنا آدا ہے۔ حتیٰ کہ نقوشِ پا بھی اندیشہِ مرگ سے دوچار ہیں۔ (مرگ، انجانی کا نسبت)

بزمِ دشتِ کرد ہے کس کی چشمِ مست کا
شیشے میں موجِ پریا نہاں ہے شخصِ جاد سے

شخصِ جاد یعنی چشمِ شیشے۔ یعنی محبوب کی چشمِ مست نے تمام فخل کو دشتِ کرد بنا دیا ہے اور جو دشتِ دشتِ کردوں میں پروں کاگزرتا ہے اس جے کا کرشمہ ہے میں شرب کا جگرا د پردہ پری کا لہر اٹکے۔ (خون گیزی چشمِ مست محبوب)

(۲۲۴)

ہوں میں بھی تما شائی نیزنگِ تنہا
مطلب نہیں کچھ اس سے کہ مطلب ہی برائے

یعنی تنہا سے غرض صرف یہ ہے کہ دیکھوں تنہا کیا شکل کھوتی ہے۔ یہ قصہ نہیں ہے کہ تنہا پوری ہی بولنے (نقشِ تنہا)

(۲۲۵)

سیاہی جیسے گر جائے دمِ تحسیر کا غزیر
مری قسمت میں یوں تصویر ہے شبِ ٹٹے بھراں کی

یعنی میری سرفروختِ تقدیر میں شبِ ہلکے بھراں کی جو تصویر کشی کی گئی ہے وہ ایسی بدلتا ہے جیسے بگتے وقت سیاہی گر جائے اور سیاہی تصویر کی بدلتا بنائے گرا میری سرفروختِ تقدیر نہایت بُری ہے۔ اور جدا لک کے سوا میرے زشتہ تقدیر میں ادکچہ نہ رہا۔ (بھراں نصیبی)

(۲۲۶)

ہجوم نالہ، سیرت عاجز عرض یک افغاں ہے
خوشی ریشہ صد فیتاں سے جس بدنداں ہے

جس بدنداں ہونا، بمعنی اظہارِ عجز کرنا۔ یعنی ہجوم نالہ ہے لیکن نایت حیرانی سے
ایک پیچ نکلتے سے بھی عاجز ہوں اس عاجزی کا اظہار خاموشی نے بے شمار ٹکے کے تلکے
دانت میں لے کر کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگرچہ نالہ کرنے سے عاجز ہوں اور خاموش ہوں
لیکن جو شکا اظہارِ عجز کے لیے میں نے دانتوں میں لیا ہے وہ نئے کا ہے جس کا خاصہ فریاد
ہے۔ گویا ہر چند کہ خاموش ہوں تاہم اس خاموشی میں فریاد ہی فریاد ہے (فریاد بے صدا)
تکلف برطرف ہے جاں ستاں تیر لطف بدخویاں
نگاہ بے حجاب ناز تیغ تیز عریاں ہے

تکلف برطرف: بمعنی حقیقت یہ ہے۔ بدخو، بمعنی تدم مزاج۔ یعنی حقیقت یہ
ہے کہ اگر محبوب تدم مزاج لطف سے بے حجاب ہو کر سامنے آئے تو اس کی نگاہ ناز تیغ برہنہ
کی طرح اور بھی زیادہ جان لیوا ثابت ہوتی ہے۔ (دجانت فی مشرق)
ہوئی یہ کثرتِ غم سے تلف کیفیتِ شادی
کہ صبح عید مجھ کو برتر از پاکِ گریباں ہے
یعنی اتنا غم ہے کہ عید کا صبح شادمانی کی بجائے چاکِ گریباں سے زیادہ المیہ کا
غم افزا معلوم ہوتا ہے۔ (مبالغہ اندہ)

دلِ مدین نقد لا ساقی سے گر سودا کیا پا ہے
کماں بازار میں ساغر متاعِ دست گرداں ہے

یعنی دل و دین دے کر بھی ساقی سے ساغر سے لینا چاہیے کیونکہ یہ تابع عزیز ایک
ہاتھ میں نہیں رہتی۔ (گر اتقدری یادہ)

غم آغوشِ بلا میں پرورش دیتا ہے عاشق کو
جراغِ روشن اپنا قلزمِ صرصر کا مرجاں ہے

یعنی غم عشق معاشقے آلام میں اہل عشق کی قدر اور بڑھاتا ہے گویا عشق ایک ایسا
چراغ ہے جو آنکھوں کے مندر میں اس طرح نمودنا پاتا ہے جیسے مندر میں جوتا لگا جو ایک
قیمتی جوہر ہے اور جس کے پاس جو مالی قدر ہو جاتا ہے۔ (گراں قدری عشق)

(۲۲۷)

خموکشیوں میں تماشا ادا نکلتی ہے
نگاہِ دل سے، ترقی سرمد سانس نکلتی ہے

تماشا ادا: یعنی نظر افروز۔ نکلتی ہے: یعنی پار ہو جاتی ہے۔ سرمد کے معنی بازپہ
نظر جھٹنے کے بھی ہیں اور سرمد خوردہ یا خاموش ہونے کے بھی۔ یعنی تیری نگاہ اگر پچھلے چلے
دل میں اتر جاتی ہے تاہم وہ سرمد سانس نہیں ہے کیونکہ چھپ کر نہیں بلکہ نظر افروز ہو کر جاتی ہے۔
(اثر نگاہ ناز)

فشارِ تنگیِ خلوت سے بنتی ہے، شبنم
صبا جو غنچہ کے پردے میں جا نکلتی ہے

بنتی ہے، میں رچ ضمیر مستر کا صبا ہے۔ یعنی صبا غنچہ کی خلوت میں جاتی ہے تو وہ
اسے بھیج لیتا ہے اور وہ شرم کے مارے پانی پانی ہو کر شبنم بن جاتی ہے۔ (ریاض
حیاتِ مختلط)

نہ پونچھ سینہ عاشق سے آب تیغ نگاہ
 کہ زخم روزانہ در سے ہوا نکلتی ہے
 یعنی سینہ عاشق پر جو تیغ نگاہ کی دھار کا اثر یا زخم ہے اسے رہنے دے کیونکہ
 اس تکلیف در سے ٹھنڈی ہوا (مراد آہ سرد) نکل رہی ہے جو موجب تسکین خاطر ہوتی
 ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جراثیم سینہ راحت بخش عاشق ہے۔ (لذت زخم)
 (۲۲۸)

جس بانیم شانہ کش زلف یار ہے
 نافہ دماغ ابھوئے مشک تار ہے
 یعنی خوشبوئے زلف آہوان تاراری کے دماغ کو بھی مسطر کرتی ہے۔ دھنیں
 خوشبوئے زلف)

کس کا سراغ جلوہ ہے حیرت کراے خدا
 آئینہ فرش شش جہت انتظار ہے
 آئینہ فرش : معنی حیرت افزا۔ شش جہت : معنی عالم۔ یعنی کونسا مجرب
 اہل حیرت کے سامنے جلوہ افروز ہونے کو ہے کہ اس کے انتظار میں تمام جہاں آئینہ خانہ
 یا حیرت کوہ بن گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ رنگ اس کے نمود جلوہ سے حیران ہیں لیکن وہ مشہور
 نہیں ہے۔ (متورخ جلوہ مجرب حقیقی)

ہے ذرہ ذرہ تنگی جا سے غبارِ شوق
 گردِ دام یہ ہے وسعتِ صحرایِ شکار ہے
 یعنی شوق اس قدر زیادہ ہے کہ صحرائیں سما نہیں سکتا۔ یہاں تک کہ شوق پس کر گیا۔

بن گیا ہے جو ذراست کی شکل میں ظاہر ہوا۔ اگر شوق کے ہرزہ کو ایک جال تصور کیا جائے
موتام ہمارا اس جال میں ساکتا ہے۔ (بے پایاں شوق)

دلِ تدعی و دیدہ بسا تدعا علیہ
نظارہ کا مقدمہ پھر روکار ہے

یعنی نگارہ کا مقدمہ پیش ہے جس میں دل و دیدہ فریقین مقدم ہیں۔ نظارہ سے مرتبہ
نتائج کی ذمہ داری دل و دیدہ پر ڈال رہا ہے۔ لیکن یہ ایسا معاملہ ہے جو ہنوز تصفیہ طلب
ہے۔ کیونکہ اس میں دونوں ہی ملوث ہوتے ہیں۔ بقول:

چوں در نظرے بروی چوں بے خطرے آدمؑ

(نثار رح)

(نار ساقی اسرار عشق)

چہر کے ہے شبنم آئینہ برگ گل پر آب
اسے عندلیب وقت و دایع بہار ہے

آئینہ پر بانی چہر کا ایک ایرانی رسم ہے جو کسی عزیز کو رخصت کرنے کے وقت ادا
کی جاتی ہے۔ یعنی شبنم کا آئینہ برگ گل پر پانی چہر کا۔ دایع بہار کے لیے ہے۔ اشارہ
یہ ہے کہ پھول کھلتے ہی گریا بہار رخصت ہونے لگتی ہے۔ بلبل کو خطاب اس لیے کیا کہ
وہی پھول کا سب سے زیادہ دلاورہ ہے۔ (بے شباقی عہد بہار)

چچ آپڑی ہے وعدہ دلدار کی مجھے
وہ آئے یا نہ آئے یہ یاں انتظار ہے

چچ آپڑی ہے، یعنی احترام ملحوظ خاطر ہے۔ یعنی وعدہ محبوب کے احترام کا تقاضا
یہ ہے کہ انتظار کرتا رہوں وہ آئے یا نہ آئے۔ (پا بس ونا)

بے پردہ سوئے وادٹی مجنوں گزرنہ کہ
ہر ذرے کے نقاب میں دل بقرار ہے

مخاطب بلی ہے یا محبوب۔ شاعر اہل جنوں کے محراب میں گزرنے سے مانع اس لیے
ہے کہ وہاں کا ذرہ ذرہ بے قرار عشق ہے جو مشوق کے لیے دہر پریشانی ہو سکتا ہے گویا
اہل حسن کا اہل عشق سے گریز ممکن نہیں۔ (استعارہ اجتہاد حسن از عشق)

اے عندلیب یک کفِ خس بہر آشیاں
طوفانِ آمد آمدِ فصلِ بہار ہے

یعنی اے عندلیب فصلِ بہار کا طوفانِ آنے والا ہے۔ ذرا سا تشکا آشیانے کے لیے
ڈھونڈھو کہ فرصتِ عیش رائیگاں نہ ہو۔ (اعتناء فرصتِ عیش)
دل مت گنوا خبر نہ سہی سیر ہی سہی
اے بے دماغ آئینہ تمثالِ دار ہے

یعنی دل باخدا سے نہ دے کیونکہ اس آئینہ میں محبوب کی تصویر ہے۔ گویا اس کی
حقیقت معلوم نہیں لیکن اس کا تصور تو ہے۔ (مقامِ قلب)
غفلتِ کفیلِ عمر و اسدِ ضامنِ نشاط
اے مرگِ ناگہاں تجھے کیا انتظار ہے

یعنی غفلتِ بقا۔ مئے عمر کی ضامنِ نبی ہوئی ہے اور شاعر معرقتِ عیش ہے۔ مرگِ
ناگہانی کے آنے کا یہی موقع ہے۔ (غفلتِ مرگِ انجام)

(۲۲۹)

آئینہ کیوں نہ دوں کہ تماشا کہیں ہے
ایسا کہاں سے لائوں کہ تجھ سا کہیں ہے

یعنی حسن محبوب کی نظیر بجز آئینہ کے کہیں نظر نہیں آتی۔ (بے شالی حسن محبوب)

حسرت نے لاؤ کھا ترمی بزم خیال میں
گلدستہ نگاہ سویدا کہیں جسے

یعنی سویدائشے دل و راصل میری نگاہ کا گلدستہ ہے جس کو شوق نے اس دل میں

لا کر رکھ دیا۔ جسے جس ی تیرے خیال کی بزم آراستہ ہے۔ (حسرت وید)

پھونکا ہے کس نے گوشِ محبت میں اے خدا
افسون انتظارِ محبت کہیں جسے

یعنی محبت کے ساتھ تنازعہ پیدا ہوئی ہے جس کے باعث انتظار کی تلخی لذت

سے بدل باقی ہے یہی افسون ہے۔ (فتاویٰ امید)

سر پر ہجوم دردِ غریبی کے ڈالے
وہ ایک مشتِ خاک کہ صحران کہیں جسے

سر پر خاک ڈالنا: یعنی ترک کرنا۔ کنارہ کشی اختیار کرنا۔ یعنی ہجوم دردِ غریبی کے

سر پر خاک مٹوا ڈالے۔ مطلب یہ ہے کہ دیوانہ بن کر صحرانروی اختیار کرے تاکہ دردِ غریبی

بھلا احساس ہی باقی نہ رہے۔ (فیض جنوں)

ہے چشمِ ترمی حسرت دیدار سے نہاں
شوقِ عنان گسیختہ دریا کہیں جسے

عنان گسیختہ: یعنی بے قابو۔ یا تیز رو۔ یعنی میری اشک آلود نگاہوں میں دیدار

محبوب کی ایسی حسرت پوشیدہ ہے کہ اس شوق بے پناہ کو دریا کہنا چاہیے یا جو دریا بن جاتا

ہے۔ (گریہ آلود شوق)

درکار ہے شگفتن گلہائے عیش کو
صبح بہار نہ سبب مینا کہیں جسے

پنہ مینا وہ ردی جس سے توکل کا نہ بند کیا جائے۔ یعنی پنہ مینا گریا صبح بہار
ہے کہ اس کے کھلتے ہی عیش کے پھول کھل جاتے ہیں۔ (نشاط ہے)
غالب بُرا نہ مان جو واعظ بُرا کہے
ایسا بھی کوئی ہے کہ سب اچھا کہیں جسے
یعنی اچھے کو بھی بُرے لوگ بُرا ہی کہتے ہیں۔ (مذمت ظاہر پرستان)

(۲۳۰)

شبلم بہ گل لالہ نہ خالی زاد ہے
داغ دل بے در و گزر گاہ حیا ہے

ادا: یعنی اظہار حقیقت۔ بے درد: یعنی درد سے خالی۔ یعنی لالہ پر شبلم
کا ہونا اس حقیقت کا اظہار ہے کہ وہ شرم سے پانی پانی ہو رہا ہے۔ کیونکہ اس کی
دل میں داغ تو ہے لیکن درد سے خالی ہے۔ (گرنا مینگی درد)
دل خون شدہ کشمکش حسرت دیدار
آئینہ بدست بت بدست خناس ہے
تشبیہ رکب خیالی۔ یعنی آئینہ جو دیکھ نہیں سکتا۔ چونکہ اس کا دل حسرت دیدار
میں خون ہو گیا ہے اس لیے اس بت بدست کے ہاتھ میں ہندی کی طرح معلوم ہوتا ہے
(دکیرائی عشق)

شعلہ سے نہ ہوتی ہوس شعلہ نے جو کی
جی کس قدر افسردگی دل پہ جلا ہے

ہوں شعلہ: کنایہ ہے تنہا کے سوزِ دل سے جس کی نایابی سے دل افسردہ ہے۔ یعنی
میں اپنی افسردہ خاطر سے آشنا جلتا ہوں کہ شعلہ سے جلتا پاتا بتا تب بھی اتنا نہ جلتا۔
(جانکا ہی افسردہ خاطر آیا (تمنا نے سوزِ عشق)

تمثال میں تیرے ہے وہ شوخی کہ بعدِ شوق
آئینہ بھی اندازِ گل آغوشِ کشا ہے

شوخی: یعنی خوبی و جمال۔ یعنی تیری تصویر کی خوبی دیکھ کر آئینہ مقصود نے
بھی پھول کی طرح اپنی آغوش کھول رکھی ہے۔ (تمنا نے ہم آغوشی)
قمری کفِ خاکسترو بلبیلِ قفسِ رنگ
اے نالہ نشاں جگر سوختہ کیا ہے

نالہ کو خطاب کرنا کنایہ ہے نالہ کی موجودگی سے اور نالہ کا سرود ہونا واحد علامت
ہے جگر سوختگی کی۔ یعنی قمری اور بلبیل دونوں میں نالہ ہے۔ گویا جگر۔ بلبے دونوں ہی
ہیں لیکن ایک مٹی بھر خاک کی مانند ہے اور دوسرا رنگوں کا مجموعہ۔ گویا ظاہر حال دونوں
کا مختلف ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ سوزِ شبنم جگر کا ظہورِ بدوین نالہ نہیں ہوتا گود پرورد
فی الواقع موجود ہو۔ (تلازمِ عشق و نالہ)

خونے تری افسردہ کیا وحشتِ دل کو
مشتوقی ربے حوصلگی طرفہ بلا ہے

مطلب یہ ہے کہ میں دیوانہ ہوں لیکن تیری بے اعتنائی کا یہ عالم ہے کہ وحشتِ دل کو
کہ انگیز کوئے کا بھی تجھ میں حوصلہ نہیں۔ چنانچہ یہ مصیبت ہوئی کہ وحشتِ دل افسردہ ہو کر
رہ گئی۔ (ذوقِ جنوں)

مجبوری و دعوائے گرفتاری الفت
دست بہ سنگ آئندہ پیمان وفا ہے

یعنی گرفتاری الفت بہ دعوائے عشق برتا۔ مجبوری سے گرفتاری الفت کے بغیر
چارہ نہیں۔ پس عہد دنیا کیا ہے گویا پتھر کے نیچے ہاتھ دبا ہوا ہے۔ (استعمالہ گرفتاری الفت)

معلوم ہوا حال شہیدان گزشتہ
تبع ستم آئینہ تصویر متا ہے

یعنی تیرا تلوار ہی۔ سے ظاہر ہے کہ شہیدان گزشتہ پر کیا گزری ہوگی۔ (جانکا ہی
جنائے عشق)

اے پر تو خورشید جہاں تابا دھر بھی
سایہ کی طرح ہم پر عجیب وقت پڑا ہے

تشبیہ سایہ بذات خود میں وجہ شبہ افتادگی دعا جزی ہے۔ یعنی اگر تیرا پر تو پڑ گیا
تو تاریکی مصائب دور ہو جائے گی۔ (التجائے کرم)

پہلوئے معرفت یہ ہے کہ شاہد حق کے بعد انسان کی ہستی جو ایک وجود بے بود کی مانند
ہے فنا ہو جائے گی۔ (بے حقیقی وجود ممکنات)

ناکردہ گناہوں کی بھی حسرت کی طے داد
یارب اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہے

یعنی اگر ان گناہوں کی جو سزا ہوئے سزا ہے تو جن گناہوں کے کہنے کی حسرت
رہ گئی ان کی داد بھی ملنی چاہیے کہ کیسے کیسے گناہوں سے محروم رہا ہوں۔ اشارہ ہے
اس بات کی طرف کہ اس دنیا میں پر معصیت میں گناہوں سے بچنا بھی بہت بڑی
بات ہے۔ (دندہ تفسیر والتجائے معرفت)

بیگانگی خلق سے بیدل نہ ہو غائب
کوئی نہیں تیرا تو مری جان خدا ہے
مطلب یہ ہے کہ جس کا کوئی نہیں اس کا خدا ہے۔ (نیک برکھایت حق)

(۲۳۱)

منظور تھی یہ شکل تجستی کو نور کی
قسمت کھلی تیرے قد و رخ سے ظہور کی

قد و رخ : کنایہ از جمال۔ یعنی نور تیری شکل میں متشکل ہو کر جلوہ افروز ہونا چاہتا
تھا۔ بارے ظہور کی قسمت کھل گئی کہ تیرے قد و رخ سرور وجود میں آئے۔

(نعت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم)

راک خوں چکائی کفن میں کروڑوں بناؤں میں
پڑتی ہے آنکھ تیرے شہیدوں پر خود کی

مطلب یہ ہے کہ شہادت متوجہ فاعلم آخرت ہے۔ یا یہ کہ کشتگان محبوب برحق
جنت کے پیامد اور مطلوب ہیں۔ (در تہ خدا کاوی)

وا حفظ نہ تم پر نہ کسی کو پلا سکو
کیا بات ہے تمہارے شراب طہور کی

یہ تفسیر ہے نعتی و اعظمین پر۔ کہ وا حفظ اپنے و خط میں جن فاعلم آخرت کا وعدہ
کرتا ہے وہ خود اس کے اختیار میں نہیں بلکہ موت ہے نفس الہی پر۔ (منہ از تہذیب اعمال)

لڑتا ہے تجھ سے حشر میں قاتل گریوں اٹھا
گویا ابھی سنی نہیں آواز حضور کی

یعنی قاتل ٹٹنے بزمِ خود مجھے ایسی گہری نیند سلا دیا تھا کہ گویا آوازِ خود بھی بیدار نہ کر سکے گی۔ لیکن میں جو حشر میں بیدار ہوا تو اسے یہ ڈر ہے کہ مبادا داورس ہو جائے۔ لہذا صدائے مور سے صریح نظر کر کے ٹھہر رہا ہوں کہ کیوں اٹھا۔ (اندیشہ انجامِ ستم)

آمدِ بہار کی ہے جو بلبل ہے نغمہ سنج
اُڑتی سی اک خیر ہے زبانی طیور کی

یعنی نغمہ بلبل آمدِ بہار کی ایک اُڑتی سی خیر ہے۔ گویا آمدِ بہار ایک غیر یقینی سی بات ہے۔ (تخلیص شاعر)

گوداں نہیں یہاں کے نکالے ہوئے تو ہیں
کعبے سہاں بتوں کو بھی نسبت ہے دور کی

یعنی کعبہ کو معبودِ برحق سے قریب کی نسبت ہمارے بتوں سے دور کی نسبت۔ اشارہ یہ ہے کہ پر تارڑی تباں گویا نقل ہے لیکن بے سبب نہیں۔ (اعتقادِ عشقِ تباں)

کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب
اؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہِ طور کی

مطلب یہ ہے کہ بڑی سے بڑی خواہش کے لیے بھی کوئی امرِ مستحکم نہیں۔ (دریائیت)

گر می سہی کلام میں لیکن نہ اس قدر
کی جس سے بات اس نے شکایتِ ضرور کی

گر می، یعنی تاثر۔ یعنی میرے کلام سے کوئی شخص متاثر ہونے لگا نہیں رہ سکتا جس

نے سادہ و بدیدہ ہو گیا۔ یہی پہلوئے شکایت ہو گیا۔ (تاثرِ کلام)

غالب گر اس سفر میں مجھے ساتھ لے چلیں
حج کا ثواب نذر کروں گا حضور کی!

حنور مراد بادشاہ۔ یعنی تمنا یہ ہے کہ زیارت نصیب ہو۔ مجھے ثواب پیش نظر نہیں
 لہذا اسے نذر کرنے کو تیار ہوں۔ (شوق زیارت)
 شعر میں ایک اور پہلو یہ ہے کہ شاعر کو معیت سلطان کا فخر پیش نظر ہے۔ ثواب حج
 پیش نظر نہیں ہے۔ (فخر معیت سلطان)

(۲۲۲)

غم کھانے میں بودا دل ناکام بہت ہے
 یہ رنج کہ کم بے غم کھام بہت ہے
 ”منے“ مکن یہ اثر اباب غم زدائی یعنی غم بہت ہے اور اسے بھلا کرنے کا
 سامان (مے، عام) کم ہے یہ حالت سخت رنج رہ ہے۔ (غزواتی غم)
 کہتے ہوئے ساقی کو حیا آتی ہے ورنہ
 بے یوں کہ مجھے درد تہہ جام بہت ہے
 بے یوں: یعنی حقیقت یہ ہے۔ یعنی سچ تو یہ ہے کہ اگر تھپٹ ہی مل جائے تو
 باغیت ہے لیکن ایسا کہتے ہوئے شرم آتی ہے کہ بادا ساقی مجھے بہت ہمت یا فرومایہ
 مجھے (افتخار و عزت)

نئے تیر کیاں میں ہے نہ صیاد کیوں میں
 گوشے میں قفس کے مجھے آرام بہت ہے
 مگر نہ قفس سے مراد گرفتاری عشق ہے۔ یعنی گرفتار محبت تمام غموں سے آزاد ہے۔ (مشرف)
 کیا نہ بد کو مانوں کہ نہ ہو گر چہ ریائی
 پا دانش عمل کی طبع خسام بہت ہے

یعنی مذہبی اگر دیا کی برائی نہ ہو تب بھی یہی بات کیا کم بری ہے کہ زاپہ پاداشی عمل
 کا طالب ہوتا ہے۔ (مذمت اعمال اہل غرض) یا (مطلقین اخلاص)
 میں اپنی خود کس روشنی خاص پہ نازاں
 پابستگی رسم و رور عام بہت ہے
 یعنی اہل خود میں ایسی کون سی بات ہے جس پر وہ ناز کریں۔ ہمارے لیے تو وہی طریق
 عمل کافی ہے جس کے سب پابند ہیں۔ یعنی طریق حق جس میں اقیانوس اہل خود بخیر نہیں ہے۔
 (گوارائی طریق حق)

زمزم ہی پہ چھوڑ دو مجھے کیا طواف حرم سے
 آلودہ بنے جاؤ اس حرام بہت ہے

یعنی میرا پاس حج سے آلودہ ہے اور میری عبادت معصیت آلودہ ہے۔ طواف حرم کو
 آگے کہاں جاؤں مجھے یہیں پاؤں زمزم پر رہنے دو کہ چلے آلودگی جاو دور ہو جائے اس
 کے بعد آلودگی جمعہ تلبیہ کی باری آئے گی۔ (راحمہ بن معصیت)
 ہے تھر گرا اب بھی نہ بنے بات کہ ان کو
 انکار نہیں اور مجھے ابرام بہت ہے

ابرام یعنی اصرار۔ یعنی میرے اصرار اور محبوب کے عدم انکار پر بھی وصال میرے
 نہ ہو تو غضب ہے۔ اشارہ یہ ہے کہ یاں محبوب کا عدم انکار قحط ہے یا میرا اصرار ناقص۔
 (اعتساب نفس)

مخوں ہو کے جگر آنکھ سے ٹپکا نہیں اے مرگ
 رہنے سے ابھی یاں کہ مجھے کام بہت ہے

یعنی جیت مک کہ جگر کھل طور پر خون ہو کر نہ یہ ماشے زندگی کا مقصد پیدا نہیں ہو سکا۔
(تلازم عشق و حیات)

ہو گا کوئی ایسا بھی کہ غائب کو نہ جانے
شاعر تر وہ اچھا ہے پہ بدنام بہت ہے
یعنی غالب شاعر اچھا ہے اگر پہ بدنام بھی ہے۔ اشارہ یہ ہے کہ اس کے معائب
ذاتی بھی اس کے کمال فن پر پردہ نہیں ڈال سکے۔ (تعلی)

(۲۳۳)

قدرت ہوئی ہے یار کو ہماں کیے ہوئے
بجوشِ تدرج سے بزمِ چراغاں کیے ہوئے
یعنی تشریف آمدی محبوب و معشوق صحبت کو عرصہ گزر گیا۔ (بیان آئندہ کے دیں)
کرتا ہوں جمع پھر حب گر محنت محنت کو
عرصہ ہوا ہے دعوتِ مشرگاں کیے ہوئے

یعنی جگر تصرفِ گریہ ہو چکا تھا اب پھر سامانِ گریہ کی فراہمی میں مصروف ہوں اور
گریہ کے لیے جگر کے ٹکڑے جمع کرنا پڑے ہیں کہ پلوں کی غذا ہیا کروں۔ (ذوقِ گریہ پر ہے)
پھر وضعِ احتیاط سے رکنے لگا ہے دم
برسوں ہوئے میں پاک گریاں کیے ہوئے

یعنی اب یہ حالت ہے کہ پھر طبیعت بے قابو ہوتی جا رہی ہے۔ اور پہلے کی طرح
ویرانہ ہونے والا ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ عاشق کا صبر و ضبط عارضی ہوتا ہے۔
(بجوشِ جنوں)

پھر گرم تالہا کے شہر بار ہے نقش

مذت ہوئی ہے سیر چراغاں کیسے ہوئے

یعنی اب پھر دل سے آہ کے شعلے بلند ہو کر سیر چراغاں کی کیفیت پیدا ہونے والی

ہے۔ مطلب یہ ہے کہ موجودہ حالت سکون عارضی ہے۔ (جوشِ جنون)

پھر پرکشش جبرِ احسبِ دل کو چلا ہے عشق

سامانِ معد ہزار نمکدانی کیسے ہوئے

یعنی جوشِ عشق نے پھر دل کے زنجیروں کو ہرا کرنے کا سامان پیدا کر لیا ہے۔ (جوشِ عشق)

پھر بھر رہا ہے خامۂ مژگاں بخونِ دل

سازِ چمن طرازِ مٹی داماں کیسے ہوئے

یعنی پھر خونِ دل سے پلکیں دامن کو گلزار بنانے والی ہیں۔ (جوشِ گریہ)

باہمِ بزمِ ہوئے میں دل و دیدہ پھر رقیب

نظارۂ خیال کا سامان کیسے ہوئے

یعنی دل اور آنکھ دونوں ہی رقیبوں کی طرح تصویرِ جمال و دیدارِ محبوب سے سرشار

ہونا چاہتے ہیں۔ (اشتیاقِ قلب و نظر)

دل پھر طوافِ کوئےِ ملامت کو جاتے ہے

پندار کا صنم کدہ ویراں کیسے ہوئے

یعنی اب پھر خود داری بالائے طاق ہے اور دل مذلت و رسوائی کی راہ پر گامزن

ہونے کو ہے۔ (بے باکیِ شوق)

پھر شوق کر رہا ہے خریدار کی طلب

عرضِ متاعِ عقل و دل و جاں کیسے ہوئے

یعنی پھر عشق، عقل و دل و جان کی متاع کو محبوب کی نذر کرنے پر آمادہ ہو رہا ہے
(دشوق بے پروا)

وڑے ہے پھر ہر ایک گل و لالہ پر خیال
صد گستاں نگاہ کا سماں کیٹے ہوئے
گل و لالہ کنایہ از حسن - صد گستاں - اسم تکثیر - یعنی نظارہ حسن کے لیے ایک نہیں
بلکہ لاتعداد نگاہوں کے ساتھ وڑ رہا ہوں - (بے پایاں شوق نگارہ)
پھر چاہتا ہوں نام نہ دلدار کھولنا
جاں نذر و لفرشی عنوان کیٹے ہوئے
یعنی پھر نامہ محبوب پر چڑھنا چاہتا ہوں جس کا عنوان ہی اتنا پیارا ہے کہ اس پر جان
قربان ہے - (فدا کاوشی عشق)

مانگے ہے پھر کسی کو لب بام پر ہوس
زلف سیاہ رخ پر پریشاں کیٹے ہوئے
یعنی پھر آندہ ہے کہ لب بام محبوب کا نظارہ کروں - (دشوق دید)
چاہے ہے پھر کسی کو مقابل میں آندو
سرمد سے تیز دشتہ مترکان کیٹے ہوئے
یعنی پھر آندہ ہے کہ محبوب کی چشم سر گیس سے گھٹائی ہو جاؤں - (دشوق نگارہ)
اک ز بہار ناز کو تاکے ہے پھر نگاہ
چہرہ فروغ مے سے گستاں کیٹے ہوئے
یعنی پھر نگاہیں مشتاق ہیں کہ محبوب عالم سرخوشی میں سامنے آجائے - (شوق تہمتی میاں)

پھر جی میں ہے کہ دردِ کسی کے پڑے رہیں
 سر نہ رہے بارِ منتِ دہیاں کیٹے ہوئے
 یعنی پھر جی چاہتا ہے کہ مجرب کے دردِ کسی طرح باڑوں - (شوق کو لے یاہ)
 جی ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن
 بیٹھے رہیں تصورِ جاناں کیٹے ہوئے
 یعنی پھر تنہا ہے کہ تصورِ مجرب کے سوا اور کون کام نہ رہے - (آندھنے عورتِ تصور)
 غالبِ بھیں نہ چھڑکے پھر جوشِ اشک سے
 بیٹھے ہیں ہم تہیہٴ طوفاں کیٹے ہوئے
 یعنی دلِ جذباتِ عشق سے پھر بھرا ہوا ہے اور آنسو اٹھتے آتے ہیں (گر سامانی)

(۲۳۴)

لوہِ دامن ہے بیدارِ دوستِ ماں کے لئے
 رہے نہ طرزِ شتم کوئی آسمان کے لئے
 یعنی مجرب نے تمام ظلم ختم کر دیئے اب آسمان کے لئے کچھ باقی نہ رہا - ہذا یہ امر
 سرتخش ہے کہ اب زندگی نظامِ فلک سے مامون رہے گی - (کار سازیِ عشق)
 بلا سے گر مرثوۃ یا رقتِ خون ہے
 رکھوں کچھ اپنی بھی مرثگانِ خوبِ کماں کے لئے
 یعنی میری اس درجہ خوفِ نشان کے باوجود مرثوۃ یا ر خون کی پیاسی ہے لیکن اگر تمام
 خون ختم کر دوں تو ذوقِ خوشی مرثگان کی تسکین کیوں کر ہوگی - (ذوقِ خوشی)
 وہ زندہ ہم ہیں کہ میں روشناسِ خلق اے خضر
 نہ تم کہ چور بنے عمرِ جاوداں کے لئے

یعنی خضر نے عمر پائی تو کیا پائی کہ لوگوں کی نگاہوں سے چھپتے پھرتے میں۔ زندگی تو اس کی ہے جو سب میں رہ کر نبھانا چاہتا ہو۔ مطلب یہ ہے کہ صرف زندہ رہنا کمال نہیں بلکہ لوگوں کے ساتھ رہ کر نبھانا زندگی ہے۔ (تحسین تھمیل دشتاری)

رہا بلا میں بھی میں مبتلا تھے آفتِ رشک
بلا تھے جاں ہے ادا تیری اک جہاں کے لئے

یعنی علاوہ بلائے عشق کے رشک بلائے مزید ہے کہ میں ہی نہیں بلکہ سب ہی تیری بلائے عشق میں مبتلا ہیں۔ بقول، شرکتِ غم بھی نہیں پابستیِ غیرت میری۔ (رشک)

فلک نہ دودھ رکھ اس سے مجھے کہ میں ہی نہیں
دوازہ دستی قاتل کے امتحاں کے لئے

یعنی آسمان مجھے قاتل سے دودھ رکھ کر یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ اس کے دستِ ستم کتنے دوس ہیں لیکن کیا اس طرح کا امتحان مجھ پر ہی کیا جانا ضروری ہے۔ (ابتلائے فراق)
مثال یہ میری کوشش کی ہے کہ مرزا اسیر
کرے قفس میں فراہم خس اشیاں کے لیے

کہ اس وقت تشبیہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میں قدرِ آزادی کے لیے کوشش کرتا ہوں
اتنا ہی گرفتاری میں پڑتا جاتا ہوں۔ جیسے کوئی پرندہ قفس میں اشیاء بنائے۔ (استحلاذِ آزادی از علاء الدین)

گدا سمجھ کے وہ چپ تھا مری جو شامت آئے
اٹھا ادا کٹھ کے قدم میں نے پاسبان کے لیے

یعنی پاسبانِ مدبر نے جب تک گدا سمجھا مجھ سے تعرض نہ کیا لیکن جب میں نے

اس کی قدم بوسی کی کمر محراب تک رسائی کی راہ نکالوں اور اسے وسیلہ بناؤں تو میری شامت
آگئی کہ اس نے مجھے دھکا دے کر نکال دیا۔ (ندا مت برنا کا مٹی تدبیر)

بقدر شوق نہیں ظرت تنگ نائے غزل
کچھ اور چاہیئے وسعت کے بے بیاں کے لیئے

ابتدائی سات اشعار پیرایہ غزل میں سے تھے۔ یہ شعر بطور گریز کے لیے اور یہیں
سے عدول ہے غزل سے قصیدہ کی جانب۔ مطلب یہ ہے کہ میں اپنے بیان میں وسعت
چاہتا ہوں لیکن جتنی وسعت مطلوب ہے وہ غزل کے اسلوب میں ممکن نہیں لہذا اگلے اشعار
۹ تمام ۱۔ قصیدے کے اسلوب میں ہیں اور مضمون شتمل ہے تجل حسین خاں کی مدح پر۔

دیا ہے خلق کو بھی تا اسے نظر نہ لگے
بنا ہے عیش تجل حسین خاں کے لیئے
زباں پر بار خدا یا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے جو سے مری زبیاں کے لیئے
نصیر دولت و دیں اور معین ملت و ملک
بنا ہے پر رخ بریں جس کے آستان کے لیئے
زمانہ عہد میں اس کے ہے عجا و دانش
بنیں گے اور ستارے اب آسمان کے لیئے
درق تمام ہوا اور مدح باقی ہے
سفینہ چاہیئے اس بھر بیکراں کے لیئے
اولئے خاص سے غالب ہوا ہے نکتہ سرا
صلائے عام ہے یا زبان نکتہ داں کے لیئے

خلاصہ مطالب یہ ہے۔

عیشِ ذاتِ ممدوح کے لیے مخصوص ہے الیتہ نظر بد سے بچانے کے لیے دوسروں کو بھی کچھ مل گیا ہے۔

ممدوح کا نام اتنا پیارا ہے کہ گویائی لبِ گریہ کے بوسے لے رہی ہے۔

اس کی بدولت اقبال دین اور ملک و ملت کو سر بلندی حاصل ہے۔ اس کی رفعت منزلت کا یہ عالم ہے کہ آسمان اس کا آستانہ ہے۔

چونکہ دنیا کی خوبیوں میں ابھی اور اضافہ کی گنجائش ہے اس لیے ممدوح کے زمانہ میں اسے پورا کیا جائے گا یہاں تک کہ آسمان کی نیکیل زینت کے لیے اور ستارے بنائے جائیں گے۔

اس کے محاسن ایک بحرِ بکراں کی مانند ہیں جن سے پار ہونے کے لیے اودایاب کی ضرورت ہے۔ یعنی انسانی دل و دماغ کی رسائی وہاں تک نہیں ہے۔

ممدوح کی تعریف کا یہ خاص ڈھنگ ہے۔ سخنورانِ زمانہ کو اس سے مستفید ہونے یا اس کی پیروی کی دعوت دی جاتی ہے۔

قصائد

قصیدہ اول در منقبت

سازیک وزہ نہیں فیض چمن سے بے کار
سایہ لالہ بیدارغ سویدائے بہار

سازہ بمعنی سامان۔ بیدارغ صفت سایہ۔ یعنی نقہ وزہ کار آمد ہے یہاں تک
کہ لالہ کا بے داغ سایہ بھی بہار کا سویدائے دل ہے گریا جارا بہار یا اس کا جزو لازم ہے۔
(صفت بہار)

مستی بار صبا سے ہے بعضی سبز
رینہ شیشے سے جو ہر تیغ کہسار

یعنی بار صبا نے ایک ایسیستی انگیز کیفیت پیدا کر دی ہے کہ پہاڑ کی چکڑا برزانی
چوٹیوں پر جو سبز و آگ آ یا ہے وہ بھی گریا شراب کی بوتل کا دینہ ہے۔ (وصف ہوائے بہار)

سبز ہے جاں زمرہ کی طرح داغ یلنگ
تازہ ہے ریشہ تارنج صفت لوتے شرار

یعنی فیض بہار سے تیندے کا داغ ہر ہو گیا اور چکاری ناوگی کے دیشوں کی طرح

مطلوب ہو گئی۔ (جوش نس)

مستی ابر سے گلچین طرب ہے حسرت
کہ اس آغوش میں ممکن ہے دُعا کا فساد

یعنی کچھ ایسی مستی کا عالم ہے کہ شوق یا تمنا بھی مسرود ہے کیونکہ آغوشِ ابر و دونوں
جہاں کو آغوشِ مستی میں بچھ سکتا ہے یہاں تک کہ غم بھی خوشی میں بدل جائے۔ (ابر بہار)

کوہ و صحرا ہمہ معمور شوقِ بلبل
راہِ خوابیدہ ہوئی خندہ گل سے بیدار

یعنی بلبل کے ترازوں سے پہاڑ اور صحرا معمور ہیں اور پھول اس زور سے ہنس رہے
ہیں کہ ماہ میں سونے والے جاگ گئے ہیں یا راہِ خوابیدہ جاگ اٹھی۔ (جہاں بخشی نصا)

سوئے ہے فیض ہوا صورتِ مرگانِ تسم
سر توشتِ دو جہاں ابر، بربیکِ سطرِ غبار

دو جہاں ابر، یعنی ابر کثیر۔ یک سطرِ غبار، یعنی غبارِ قلیل۔ یعنی ہوا کی تاثیر
نے تھوڑے سے غبار میں بھی چشمِ تسم کی طرح سارے جہاں کے بادلوں کی قسمت پیدا کر
دی ہے۔ مطلب یہ کہ غبارِ بادل کی طرح بوسے لگے۔ (فیض ہوا و لطیف باران)

کاٹ کر پھینگیں گے ناخن تو ریا نڈازِ ہلال
قوتِ نامیہ اس کو بھی نہ چھوڑے یکبار

یعنی فیضِ بار کا یہ عالم ہے کہ قوتِ نامیہ کٹے ہوئے ناخن کو بھی جس کے اندر بڑھنے
کی قوت نہیں رہی ہلال کی طرح نمودیرِ بنادے۔ (جوڑن نمو)

کفِ ہر خاکِ بگردوں شدہ قمری پرواز
دامِ ہر کاغذِ آتش زدہ طاؤسِ شکار

یعنی مٹی سے خاک اور پرکاڑا کی جگہ تودہ بھی تھری کی سی پروانہ پیدا کر لے اور کانڈ
 جلا یا بھی جائے تو اس کے حلقے ایسے خوشنما ہوجائیں کہ مودا اس کے دام میں گرفتار
 ہوجائے (فیض بہار)

میکدے میں ہوا اگر آرزوئے گلچینی
 بھول جا یک قدح یا وہ بطاق گلزار
 یعنی جوشِ نمر کا یہ عالم ہے کہ اگر ایسا ناگوئی پیار باغ کے طاق میں رکھ دیا جائے
 تو اس پیار سے میخانہ میں بھی گل بوٹے نمایاں ہوں اور مے خانہ میں گلچینی ممکن ہو جائے۔
 (جوشِ نمر)

مورج گل ڈھونڈ رہے خلوتکدہ غنچہ باغ
 گم کرے گوشہ میخانہ میں گم تو دستار
 اسی طرح دستار کو چونکہ بھول سے شبابست ہے۔ اگر مے خانہ میں دستار گم ہو جائے
 تو جوشِ نمر کے باعث باغ کی گلیوں میں بھول کی مورج بن کر نمایاں ہو۔ (جوشِ نمر)
 کھینچے گر مانی اندیشہ چین کی تصویر
 سبز مثل خط تو خیز ہو خط پر کار
 یعنی چین کی تصویر کشی کا تصور بھی کیا جائے تو آلاتِ تصویر کشی بھی سبز رنگ ہوجائیں
 (صفتِ سبزہ و جوشِ نمر)

لعل سے کی ہے پے زمزمہ درخت شاہ
 طوطی سبز کہ سانسے پیدا افتقار
 یعنی درختِ شہنشاہ (حضرت علیؑ) کے لیے طوطی سبز نے لعل کی منتظر ہتیار کی ہے۔
 (خوبی نمر)

وہ شہنشاہ کہ جس کی پے تعمیر میرا
چشم جبریل ہوئی قالبِ خشت دیوار

یعنی اس شاہ ذی جاہ (حضرت علیؓ) کو اللہ وجہہ کے رتبہ کا اندازہ اس بات سے
لگاؤ کہ اس کے گھر کی دیوار چشم جبریل کے سانچے میں بنی ہوئی اینٹوں سے تیار ہوئی۔
(تقدیر مقام ممدوح)

فلک العرش، بحومِ خیمِ دوشی مزدور
رشتہ فیضِ ازل سازِ طنابِ معمار

یعنی (تعبیر کے لیے) مزدوروں کے جھکے ہوئے کندھے جو کہ عرشِ اعظم بن گئے۔ اور
فیضِ ازل کا رشتہ معمار کی ڈور بن گیا۔ (تقدیر مکالم ممدوح)

سیرۂ نہ جین و یک خطِ پشتِ لبِ بام
رفعتِ ہمت صد عاریت و یک اوجِ حصار

یعنی اس کی شادابی و رفعت کا یہ عالم ہے کہ اس کے مندر کی ایک لکیر نوچندوں کی
سربزری کے برابر ہے۔ (زرچین سے ہفت افلاک عرش اور زمین مل کر ہر سکتا ہے) اور
اس کی فصیل کی بلندی سینکڑوں اہلِ معرفت کی ہمتِ عالی کے برابر ہے۔ (رفعتِ مقام ممدوح)

واں کی خاشاک سے حامل ہو جسے یک پر کاہ
وہ رہے مریحِ بالِ پری سے بیزار

یعنی اس کی زمین کا یک پر کاہ پری کی زلفوں سے بنے ہوئے مریحِ چل سے تیز ہے۔ (تجلی کا نام)

خاکِ صحرائے نجات جو ہر سیرِ سرفراں
چشمِ نقشِ قدم آئینہٗ نجاتِ بیدار

یعنی اہل معرفت جب وہاں جاتے ہیں تو مہر آئے نجف کی خاک کو جواہر سمجھتے ہیں اور
 نقوشِ قدم کی آنکھوں میں اپنے بختِ بیدار کی جھلک دیکھتے ہیں۔ (تقدسِ نجف اشرف)
 ذرہ اس گرد کا خورشید کو آئینہ ناز
 گرد اس دشت کی امید کو احرام بہار
 یعنی وہاں کے قدموں میں سورج اپنی شکل دیکھ کر نازاں ہوتا ہے اور امید وہیں
 کی گرد کا جاشِ احرام میں کر ببار کا چ کوئی ہے۔ (تقدسِ نجف)
 آفرینش کو ہے واں سے طلبِ مستی ناز
 عرضِ خمیازہ ایجاو ہے ہر موجِ غبار
 یعنی وہاں کی ہر موجِ غبار، انگڑائی لے کر، شرابِ ایجاو کی خواہش کا اظہار کرتی ہے
 کیونکہ قوتِ ایجاو کو خاکِ نجف سے مستی ناز حاصل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آفرینش کو خاکِ
 نجف کے ایجاو ہونے پر اس درجہ فخر ہے کہ وہاں کی سرزمین کا بار بار تقاضا ہے کہ
 ایجاو جاری رہے۔ (تقدسِ خاکِ نجف)

مطلع ثانی

فیض سے تیرے ہے اے شمعِ شبتانِ بہار
 دل پروانہ چہ راغاں پر بلبل گلزار
 یعنی اے ممدوح تیری بدولت پروانہ کا دل شمعوں کا مجموعہ اور بلبل کے پر پھولوں
 کا مجموعہ ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ تمام کائنات کی زینت تجھ سے ہے۔ (تعبیرِ ممدوح)
 - شکلِ طاؤس کرے آئینہ خانہ پرواز
 ذوق میں جلوے کے تیرے برہائے دیدار

یعنی تیرا جلوہ ایسا مرغوب خاطر ہے کہ آئینہ خانہ بھی شوقی انگاروں میں اڑنے لگے۔ (شوقی زیارت)

تیری اولاد کے غم سے ہے پروئے گردوں
سلک اختر میں میرہ تو مژدہ گوہر بارہ
یعنی بلالِ فلک غم اولادِ علی کریم اللہ وجہ میں پلک کی طرح گوہر اشک کی لڑیاں
جو سلک اختر کی مانند ہیں بہارِ ہا ہے۔ (عزائے اولادِ علی)

ہم عبادت کو تیرا نقش قدم مسر نہانہ
ہم ریاضت کو تیرے حوصلہ سے استظہار
یعنی عابد کے لیے تیرا نقشِ ہدم ایسا مقدس ہے کہ اسے مہرِ خانہ بنایا جائے۔ تیرے
حوصلہ کو دیکھ کر اہل ریاضت کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔ (تقدیر ذاتِ مدوح)

مدح میں تیری نہاں زمزمہ نصیبِ نبی
جام سے تیرے عیاں بادۂ جوشِ اسرار
یعنی تیری مدح سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح نکلتی ہے اور تیرے جامِ کلام
معرفت سے اسرارِ الہی کی شرابِ اہل رہی ہے۔ (دعائی کلامِ مدوح)

جو ہر دستِ دعا آئینہ یعنی تاثیر
بیک طرفِ نازشِ مژگان و دگر سو غمِ خار
آئینہ بدل ہے دستِ دعا کا۔ یعنی حضرت کے دستِ دعا جسے آئینہ کہنا چاہیئے
کا جو ہر تاثیر ہے، یہ دعا پکوں کے لیے باعثِ ناز ہے کہ وہ آپ عشق سے تر ہو سکیں۔
اور کانٹے کے لیے باعثِ لال کہ اب اس میں غلش نہ رہے گی۔ (دعائی ابایتِ مدوح)

مردمک سے ہو عزرا خانہ اقبال نگاہ
خاک در کی ترے جو چشم نہ ہو آئینہ دار

آئینہ دار: کنایہ از خادم۔ یعنی اگر آنکھ خاک در ممدوح کی خادم نہ ہو تو اس
کی پسلی اپنی بداقبالی کا ماتم کوہ بن جائے۔ (تقریب خاک ممدوح)

دشمن آل نبی کو بہ طرب خانہ دہر
عرض خمیازہ سیلاب ہو طاق دیوار

یعنی خدا کرے طرب خانہ دنیا کا محراب دیوار سیلاب بلا کی بھنور بن کر دشمن
آل نبی کے سامنے آئے اور عیش دنیا ریخ دیا۔ سے بدل جائے۔ (ذمت بدلتے آل نبی)

دیدہ تادل اسد آئینہ یک پر تو شوق
فیض معنی سے خط سا غیر راقم سرشار

یعنی اسد کے دل دیدہ پر تو شوق کا آئینہ میں۔ اس کا سا غیر تحریر فیض مضامین
سے بریز رہے۔ مطلب یہ ہے کہ طبع اسد جذبہ شوق کے مضامین سے پڑ رہے۔ (جذبہ
شوق شاعر مداح)

قصیدۂ دوم

در منقبت

دہر جز جلوہ یکستانی معشوق نہیں

ہم کہاں ہوتے اگر حسن نہ ہوتا خود نہیں

یعنی حسن ازل کو خود اپنا جلوہ دیکھتا تھا اس لیے اس نے ہمیں اور سب کو پیدا کیا

گوئی: ہر گز جو کچھ بھی ہے وہی ہے۔ بقول: عالم ہمیکہ جلوت ذرات احد است (میل)
میکتائی ذرات واحد

بیدلی ہائے تماشا کہ نہ عبرت ہے نہ ذوق
بیکسی ہائے تماشا کہ نہ دنیا ہے نہ دیں

یعنی تماشا گاہِ عالم کو دیکھنے والوں نے اس طرح دیکھا کہ نہ عبرت حاصل کی نہ مرزہ
پایا اور تماشا جو کہ سب راہیگاں، نہ دنیا ہاتھ آئی نہ دین۔ و لذتِ حیات۔ بے مقصد

ہرزہ سے لغو نہ پر دم ہستی و عدم
لغو ہے آئینہ فرقِ جنوں و تمسکین

آئینہ فرق: بمعنی ذریعہ امتیاز۔ یعنی بیاں کی زندگی و موت کا چرچا بے حقیقت
اور ہوش مندی و دیوانگی کا امتیاز فضول ہے۔ دے اعتباری احوالِ عالم

نقشِ معنی ہمہ خمیسا زہِ عرضِ صورت
سخنِ حق ہمہ پیسا زہِ ذوقِ تحسین

یعنی معنی کی صورت گری خود کو ظاہر کرنے کا ایک طریقہ ہے اور حقیقت کا ذکر صرف
یہ ظاہر کرتا ہے کہ بیان کرنے والے کو اپنی تعریف کا کتنا شوق ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اہلِ معرفت
ظہا ہر کے ناز سے یا ہر نہیں جاسکتے اور اہلِ حقیقت صرف اپنا ہی ذکر کرتے ہیں۔ امر
و تمہ سے سببِ خبریں۔ (غائی عرضِ مدعا) یا (دشوارنی معرفت)

لابِ دانش غلط و نفعِ عبادت معلوم
دردِ یک ساغر غفلت ہے چہ دنیا دہریں

یہ شعر بالاکہ تفریح ہے۔ یعنی نہ تو خود مندی کا دعویٰ سچا ہے اور نہ عبادت میں

کچھ نفع ہے۔ بلکہ دین واسے اور دنیا واسے دونوں ہی غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔
(دکڑا ہٹی غیم انسان)

مثل مضمون وقا باد بدست تسلیم
صورت نقش قدم خاک بفرق تمکین

یعنی اختیار تسلیم و وقا ایسا ہی بے معنی فعل ہے جیسے وفا کا مضمون۔ بے معنی ہے
اور تمکین (پامردی) و وقار کی کیفیت ایسی قابل نظر انداز ہے جیسے نقش قدم۔
(بے حقیقی اعمال)

عشق بے زبطی شیرازہ اجڑائے حواس
وصل زنگار رُخ آئینہ سخن یقیں

یعنی عاشقی کا تصور دیوانگی ہے اور دصال ایسا زنگ آئینہ جس میں حین توقعات
کی صورت باقی نہیں رہتی۔ (غلط فہمی انسان)

کوہکن، گر سنبہ مزدور طرب گاہ رقیب
بے ستوں، آئینہ خواب گراں شیریں

یعنی اگر یہ کہو کہ کوہکن کو عشق تھا تو یہ غلط ہے۔ وہ تو اپنے رقیب کے عشرت خانہ
کا ایک بھوکا مزدور تھا۔ اور بے ستوں پہاڑ کیا تھا شیریں کی گہری نیند یا اس کے تعافلی
کا نمونہ تھا۔ مطلب یہ کہ نہ کوہکن کوئی عاشق تھا نہ کوہ بے ستوں کوئی پہاڑ تھا۔

(بے حقیقی تصورات انسان) یا (ناپائی اخلاص)

کس نے دیکھا نفس اہل وفا آتش خیر
کس نے پایا اثر نالہ دلہائے حزیں

یعنی نہ اہل عشق کی آہ میں اثر ہے اور نہ اہل درد کے نالہ میں رنجِ انسان و انکامی،

سامع نہ مزملہ اہل جہاں ہوں لیکن

نہ سرو پر گب شائش نہ دماغِ نفیریں

یعنی متناسب کی ہوں لیکن نہ کسی کو اچھا کہتا ہوں نہ بُرا۔ (نہ بے تعلقی)

کس قدر ہرزہ سرا ہوں کہ عیاذاً باللہ

یک قلم خارجِ آداب و قار و تمکین

یعنی یہ کیا بکواس کر رہا ہوں۔ (گریزِ مسوئے مقصود)

نقشِ لاحول لکھ اے خامہ ہندیاں تحریر

یا علی عرض کر اے فطرتِ دوسواں قرین

یعنی اے قلم اس ہدیہ کی طرح کر اور اظہارِ بیزاری کے لیے لاحول لکھ۔

اور اے دوسواں طبیعتِ ترکِ دوسواں کہ یقین اختیار کر اور علیؑ کا نام لے بطلب

یہ ہے کہ ایسی باتوں پر لاحول و لا قوتۃ الا باللہ الصلی العظیم پڑھ۔ (راوی)

جو کواس میر، علیؑ کا نام بھی ہے۔ (آغازِ مدح)

منظہرِ فیضِ خدا جان و دلِ خستہِ رسل

قبلہ آہلِ نبی کعبۃِ ایجا و یقین

یعنی عبادہ میں جو فیضِ الہی کے مظہر اور خاتمِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب

خاندانِ رسالت کے قبلہ اور اہلِ یقین کے کعبہ میں۔ (صفاتِ خاصہِ ممدوح)

ہو وہ سرمایہِ ایجا و جہاں گرمِ خستہِ رام

ہر کعبہِ خاک ہے واں گردہِ تصویرِ زمین

گرد، یعنی خاک۔ یعنی جس جگہ حضرت تشریف لے جائیں، وہاں کی مٹی (جبرئیل میں رقبہ میں تمام جہاں کا خاک پیش کرتی ہے۔) (فیض قدیم محدود)

جلوہ پر دراز ہو نقش قدم اس کا جس جا
وہ کعب خاک ہے تا مویں دو عالم کی امیں

یعنی جہاں آپ کا نقش قدم ہو اس جگہ کو دونوں جہانوں کی عزت حاصل ہوتی ہے۔
(فیض قدیم محدود)

نسبت نام سے ہے اس کے یہ رتبہ کہ ہے
ابدائیت فلک خم شدہ تازہ تر میں

یعنی زمین کو حضرت کے نام (التراب) سے چونکہ ایک نسبت ہے اس وجہ سے زمین کو تازہ ہے کہ آسمان اس کے سامنے ہمیشہ کے لیے جھکا ہوا ہے۔ (غوی اسہم مبارک)

فیض خلق اس کا ہی شامل ہے کہ ہوتا ہے اسد
بوسے گل سے نفس باد صبا عطرا گیں

یعنی یہ اس کی خوش خلقی کی برکت ہے کہ صبا پھول کی خوشبو سے معطر ہوتی ہے۔

(صفت انفاس طیبہ)

برش تیغ کا اس کی ہے جہاں میں چرچا
قطع ہو جائے نہ سر رشتہ ایجاد کہیں

یعنی اس کا تلوار ایسی کاٹ رکھتی ہے کہ جہاں وہ عالم ایجاد میں جو اس کا چرچا ہے۔

پہ تو بعض اس چرچے سے غور کر کہیں سلسلہ ایجاد نہ منقطع ہو جائے۔

(صفت تیغ محدود)

کفر سوز اس کا وہ جلوہ ہے کہ جس سے ٹوٹے
زنگ عاشق کی طرح رونق بُت خانہ میں

یعنی اس کا بت سوزی کے زیرِ اثر جہاں کہیں بھی بت ہیں وہ بے حقیقت ہو جائیں گے۔

(تحسین جلوہ مودوح)

جاں نیا بادل و جاں فیض رسانا۔ شاہ
وصی ختم رسل تو ہے بفتولائے یقین

یعنی حضرت علیؑ کو خداوند جبہ یقینی طور پر وہ ہیں جن کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نئے صیبت خزانے۔ (وصایت امامت حضرت علیؑ)

جسم اطہر کو ترے دوش پیمبر
نام نامی کو ترے نام سینہ عرش نگین

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے جسم کو کندھے پر اٹھایا اور آپ کا نام عرش
کی پیشانی پر کندہ ہے (مقام مودوح)

کس سے ممکن ہے تری مدح بغیر از واجب
شعلہ شمع مگر شمع پہ باندھے آئیں

آئین باندھنے۔ آئین بندہ کا ترجمہ یعنی سجانا، زینت دینا۔ یعنی ذات واجب کے
سوا کون آپ کی تعریف کر سکتا ہے۔ شمع کی سجادۃ شعلہ شمع ہی کر سکتا ہے۔ کثافت اور ملاقت
لگانے تو بل جائے۔ (دشواری مودوح)

آستان پر سے ترے جوہر آشیں نہ سنگ
رقم بندگی حضرت جب بیل میں

یعنی اسے ممدوح تیرے آئینہ مثال غلب آستانہ پر حضرت جبریل کا خطِ غلامی اس طرح ثبت ہے جیسے آئینہ میں جوہر۔ (مقام ممدوح) ۵

تیرے در کے لیے اسبابِ نثار آمادہ
خاکیوں کو جو خدا نے دیے جان و دل دیں

یعنی انسان کا جان و دل و دین سب تیرے آستانہ پر قربان۔ (اظہارِ قدسیت در ممدوح)

تیری مدحت کے لیے ہر دل و جاں کامِ زبا
تیری تسلیم کو ہیں لوح و قلم دست و جبین

یعنی دل و جان گویا کامِ د زبان ہیں کہ تیری تعریف کریں اور لوح و قلم گویا ہاتھ اور پیشانی ہیں کہ ہاتھ اٹھا کر تیری تسلیم بجالائیں۔ (تحمید ذات ممدوح)

کس سے ہو سکتی ہے مداحی ممدوح خدا
کس سے ہو سکتی ہے آرائشِ فرودیں بریں

یعنی جس کی خدا تعریف کرے اس کی تعریف کا حق کون ادا کر سکتا ہے۔ یہ تو ایسا کام ہے جیسے فرودیں بریں کی آرائش کہ بجز خدا کے اور کوئی نہیں کر سکتا۔ (دشوار ثی ممدوح)

جنس بازارِ معاصی اسد اللہ اسد
کہ سوا تیرے کوئی اس کا خریدار نہیں
شوخیِ عرضِ مطالب میں ہے گستاخِ طلب
ہے ترے حوصلہٴ فضل پر از لبِ یقین

یعنی اسدِ معصیت کی ایک تارِ ناقص ہے جس کا کوئی خریدار نہیں چونکہ اسے تیرے فضل پر یقین ہے اس لیے عرضِ مدعا میں بیباک ہے۔ (عرضِ مال)

دے دُعا کو میرے وہ مرتبہ حسن قبول
کہ اجابت کہے ہر لفظ پہ سو بار آمین

یعنی ایسا ہو کہ قبولیت خود میری دعا کے لیے آمین کہے۔ (تمنا نے اجابت دعا)

غمِ شبیر سے ہو سینہ بیاں تک بہرین
کہ رہیں خونِ جگر سے مری آنکھیں نہ لگیں

یعنی غمِ حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں روتا رہوں۔ (تمنا نے عزاداری)

طبع کو الفتِ دُلّٰل میں یہ سہر گرمی شوق
کہ جہاں تک چلے اس سے قدم اور مجھ سے جہیں

یعنی دُلّٰل (دراہور حضرت علیؑ کو راتِ وجہ) کی محبت میں میرے شوق کا یہ عالم ہو

کہ جہاں اس کے قدم پڑیں وہاں میں اپنی پیشانی رکھوں۔ (تقدس برکبِ ممدوح)

دلِ الفتِ نسب و سینہ تر حیدِ فضا
نگہِ جلوه پرست و نفسِ مسروقِ گزیں

یعنی دل کو الفتِ ممدوح سے نکاؤ ہو سینہ میں توجہِ بزرگاء میں جلوه اور طبیعت میں

خلوص۔ (دعا بحقِ خوشیق)

صوتِ اعدا اتر شمسِ لہو و دود و زخ

و قفِ احبابِ گل و سنبلِ فردوسِ بریں

یعنی دشمنانِ علیؑ کو جہنم اور محبانِ علیؑ کو فردوس نصیب ہو۔ (دعا کے دو بحق دشمنان)

علیؑ کو راتِ وجہ)

قصیدۂ سوم در مدح بہادر شاہ ظفر و بہتینیت عید الفطر

ہاں میر تو سنیں ہم اس کا نام
جس کو تو جھکس کے کر رہا ہے سلام
دودن آیا ہے تو نظر دم صبح
یہی اندازہ اور یہی اندام

یعنی اسے اب تو تو کسے سلام کر رہا ہے۔ اب سے دودن پہلے بھی صبح کو تو اسی
طرح پتلا اور خمدیہ تھا۔

یاسے دودن کہاں رہا غائب
بندہ عاجز ہے گردش ایام

یعنی پچھلے دودن سے تو غائب تھا۔ سچ ہے بندہ عاجز گردش میں پڑ جاتا ہے۔

اڑ کے جاتا کہا کہ تاروں کا
آسماں نے بچھا رکھا ہے دام

یعنی ظاہر ہے کہ تاروں کے جال سے نکل کر کہیں اڑ جانا تو تیرے لیے ممکن نہ تھا۔

مرحبا۔۔۔ سے سرور خاص خواص
جبذا اسے نشاط عام عوام

یعنی تو خوب ہے کہ تجھ سے خواص کو خاص قسم کی مسرت اور عوام کو ہمہ گیر خوشی حاصل
ہوتی ہے۔ (دیاں تک اشعار تشبیب کے تھے اس کے بعد تا آخر غزل اشعار گریز کے ہیں)

عذر میں تین دن نہ آنے کے
 لے کے آیا ہے عید کا پیغام
 اس کو بھولا نہ چاہیے کہنا
 صبح جو جائے اور آئے شام

یعنی اسے بلا، عید تین دن صبح کو فاتح رہ کر آج شام کو جو آیا ہے تو اس، قصور کی
 تلافی کے لیے پیغام عید لے کر آیا ہے۔

ایک ہیں کیا کہ سب نے جان لیا
 تیرا آغاز اور تیرا انجام

یعنی یہ تو ظاہر ہو گیا کہ تو مجبور اپنے پس میں نہ تھا۔ تیرا آغاز اور تیرا انجام برکت
 کے ہاتھ میں ہے۔

رازِ دل مجھ سے کیوں چھپاتا ہے
 مجھ کو سمجھا ہے تو کہیں تمام

یعنی یہ بات چھپانے کی ضرورت نہیں میری طرف سے، خود بخود ظاہر ہو جائے گی، جو تیرے اس
 تصورِ غیر ماضی کی شکایت شاہ کے سامنے کروں گا۔

جانتا ہوں کہ آج دنیا میں
 ایک ہی ہے امید گاہِ اتمام

یعنی ظاہر ہے کہ ہر دنیا ایک ہی ہوتی ہے جس کے ساتھ سب کی امیدیں وابستہ ہیں۔ مگر
 میں نے مانا کہ تو ہے حلقہٴ گردش
 غالب اس کا مگر نہیں ہے غلام

یعنی شاید تو سمجھتا ہے کہ تو ہی اس کا مالقہ گوشت ہے اور غالباً اس کا غلام

نہیں اور

جانتا ہوں کہ جانتا ہے تو
تب کہا ہے بظہر الاستفہام

یعنی مجھے پتہ ہے تو بھی اس بات کو جانتا ہے اس پر یہ استفہام اقراری کے طور پر میں نے سوال کیا ہے۔ کیونکہ

مہر تاباں کو نہ تو ہوا سے ماہ
قرب ہر روزہ بر سبیل دوام
مجھ کو کیا پایہ روستناسی کا
جز بہ تقریب عید ماہ صیام

یعنی ا۔ یہ چاند سورج تو خیر روز حاضر ہو بھی سکتا ہے لیکن تو روز کیسے آ سکتا ہے
تیرا کیا ہستی ہے کہ تقریب عید کسے بغیر صورت رکھائے۔

جانتا ہوں کہ اس کے فیض سے تو
پھر بنا چاہتا ہے ماہ تمام
یعنی فیض خورشید سے تو ماہ تمام بنا چاہتا ہے لیکن

ماہ بنو ماہ تاب بن میں کون
مجھ کو کیا یا منت دے گا تو انعام
میرا اپنا حسب معاملہ ہے
اور کے لین دین سے کیا کام

ہے مجھے آرزوئے بخشش خاص
 گر تجھے ہے امید رحمت عام
 جو کہ بخشے گا تجھ کو فیر فروع
 کیا نہ دے گا مجھے مے گلہام

یعنی اگر توفیق ہر سے چاند بن گیا تو کیا مجھے کوئی انعام دے دے گا۔ سوج
 کے ساتھ میرا معاملہ جدا ہے۔ مجھے تو اس سے ایک خاص مہربانی کی امید ہے یعنی اگر
 تجھے وہ فیر بخشے گا تو اس چاندنی رات میں مجھے مے گلہام بھی مل جلتے گی۔

جب کہ چودہ منہ نزلِ فلکی
 کر چکے قطع، تیری تیزخی گام
 دیکھنا میرے ہاتھ میں لبریز
 اپنی صورت کا ایک بلوریں بام

یعنی جب تو چودھویں تاریخ کا ہو جائے گا اور شبِ مانتاب اپنے عروج پر ہوگی
 تو میرے ہاتھ میں بھی چاند سا ایک بلوریں بام ہوگا۔

پھر غزل کی روشنی پہ چلی نکلا
 تو بن کعب چاہتا تھا نگام

یعنی اسی مقام پر میرا شبیہِ قسَمِ سیدہ کی جانب سے مگر پھر غزلِ سراپا کی جانب
 مائل ہو گیا۔ لہذا آئندہ غزل کے اشارہ ہیں۔

نہ ہر غم کر چکا تھا میرا کام
تجھ کو کس نے کہا کہ ہو بدنام
مے ہی پھر میں نہ کیوں پٹے جاؤں
غم سے جب ہو گئی ہوزیت حرام

یعنی غم کو بھکا کرنے کے لیے میں نے بادہ نوشی اختیار کر لی تھی کہوں بدنام کر دیا کہ
چاندنی رات نے مجھے آمادہ مے نوشی کیا۔ (ذائقہ بادہ نوشی)

بوسہ کیسا ہی غنیمت ہے
کہ نہ سمجھیں وہ لذت و شام

یعنی اگر معلوم ہو گیا کہ گناہ کھانے میں بھی نرمہ ہے تو وہ گناہ بھی نہ دیں گے۔ بوسہ کا
کیا ذکر؟ (اجتناب، مشوق)

کعبہ میں جا بجائیں گے ناقوس
اب تو باندھا ہے قید میں حرام

یعنی از بسکہ میں نے بت خانہ میں احرام حج باندھا ہے اس لیے کعبہ میں جا کر
ناقوس ہی بجائیں گے اور کیا کہ ایسی نیتوں کا یہی نتیجہ ہونا چاہیے۔ (آزادہ فشتی) یا
(احمال تا نوزد)

اُس قدح کا ہے دُورِ مجھ کو نقد
چرخ نے لی ہے جس سے گردشِ اُم

یعنی اُس دورِ قدح سے جس سے میں مستفیض ہوں آسمان نے گردشِ حاصل کیا ہے
مطلب یہ ہے کہ میرے جام کی گردش کا فیض تو احوال حاصل ہے اور آسمان کی گردش کا

تعبودہ جلتے کبرنگے۔ (انتقام پیش حاضر)

بوسہ دینے میں ان کو سہے انکار
 دل کے لینے میں جن کو تھا ابرام
 یعنی دل لینے میں تو معشوق کا اصرار تھا اب بوسہ دینے میں انکار ہے (بے رخصت محبوب)
 چھوڑتا ہوں کہ ان کو غصہ آئے
 کیوں دکھوں درد غالب اپنا نام
 یعنی مغلوب ہو کر خود کو جو غالب کہلاتا ہوں وہ اس کے چھوڑنے کے لیے ہے۔
 (طنز برخواستہ)

کہہ چکا ہوں میں تو سب کچھ اب تو کہہ
 اے پری چہرہ پیک تیز خیرام
 یہاں سے مقصود کی طرف التفات ہے یعنی اے خوشنما اور تیز دیاں درجے جو کہنا
 تھا وہ کہہ چکا اب تو بتا کہ:

کون ہے جس کے درد پہ نامیہ سا
 ہیں مہر و مہر و زہر و بے خیرام
 یعنی کس کے درد پہ پیارے نامیہ نرسا ہیں۔

تو نہیں جانتا تو مجھ سے سن
 نام شاہنشاہ ملتہد مقام
 قبلہ چشم و دل بہا اور شاہ
 مظہر ذوالنجب لالہ والا کرام

شہسوارِ طریقہ انصاف

نوبہارِ حدیقہ اسلام

یعنی اس کا نام شاہنشاہ بہادر شاہ ہے جو خلیفہ الہی ہے عادل ہے اور رونق اسلام کا باعث ہے۔

جس کا ہر فعل صورتِ اعجاز

جس کا ہر قول معنی الہام

یعنی اس کے افعال معجزہ اور اقوال الہام تھا ہیں۔

یہ زم میں میسر زبانِ قیصر و جم

رہ زم میں اوستادِ رستم و سام

یعنی یہ زم میں قیصر و جم سے بڑھ کر اور زم میں رستم و سام سے بالاتر۔

اسے ترا لطفِ زندگی افزا

اسے ترا عہدِ فرخی فرجام

النفاتِ یسوی خطاب یعنی اسے باز شاہ تیرا عہدِ مبارک ہے کہ جس پر تو بہرِ جان ہو اس کی زندگی بڑھ جائے۔

چشمِ بددورِ خسروانہ شکوہ

لوحشِ اللہ عارفانہ کلام

لوحشِ اللہ کلمہ تحسین، بمعنی سبحان اللہ ماشاء اللہ وغیرہ۔ یعنی تیری شان شانِ شان اور تیرا کلام عارفانہ ہے۔

جاں نثاروں میں تیرے قیصر و جم

جودِ خواروں میں تیرے مرشدِ جام

یعنی قیصرِ دمِ جلیا ذی شای تیرا جان نثار اور جامی جلیا اہلِ معرفت تجھ سے
فیضیاب ہے۔

دارشِ ملک جانتے ہیں تجھے
ایمچ و تور و خسرو و بہرام
یعنی بڑے بڑے شاہانِ فارس تیری بادشاہی کو تسلیم کرتے ہیں اور۔

نہ در بازو میں مانتے ہیں تجھے
گیو و گوردنز و سیزن و دہام
یعنی بڑے بڑے پہلوانانِ فارس تیری قربِ بازو کو مانتے ہیں۔ دہام یا دہام
گوردز کے بیٹے کا نام ہے جو اس وقت کے بارہ مشہور پہلوانوں میں سے ایک تھا۔

مرحبا موشگافی نازک
آفریں آبِ داری صمصام
تیر کو تیرے تیر غیر بد ف
تیغ کو تیر ہی تیغِ خصم نیام
یعنی تیرے تیر کی موشگافی اور تیری تلوار کی تندی ایسی ہے کہ تیرا تیر دشمن کے
تیر کو نشانہ بناتا اور تیری تلوار دشمن کی تلوار میں اس طرح گھس جاتی ہے جیسے نیام میں۔

رعد کا کر رہی ہے کیا دم بند
برق کو دے رہا ہے کیا الزام
تیرے فیل گراں جسد کی صدا
تیرے رخس بیکِ عنال کا خرام

یعنی تیرے ہاتھی کی چنگھاڑ یا دل کی گرج کو ماند کرتی اور تیرے گھوڑے کی رفتار
بجلی پر اعتراض کرتی ہے۔

حق صورت گرمی میں تیرا اگر ڈ
مگر نہ رکھتا ہو دستگاہ تمام
اس کے مقرب کے سر و تن سے
کیوں نمایاں ہو صورتِ ادا غام
یعنی تیرا اگر تا ایک ایسا معذور ہے جو دشمن کے سر کو بدن میں مدغم کر دیتا ہے
مطلب یہ ہے کہ سر کو بدن میں دھسا دیتا ہے۔

جب ازل میں رقم پذیر ہوئے
صفحہ ہائے لیلیٰ و ایام
اور ان اوراق میں یہ ملک قضا
مجملاً مندرج ہوئے احکام
لکھ دیا شاہدوں کو عاشق کش
لکھ دیا عاشقوں کو دشمن کام
آسمان کو لکھا گیا کہ کہیں
گنبدِ تیز گرد نیلی خاتم
حکمِ ناطق لکھا گیا کہ کہیں
خال کو دانہ اور زلف کو دام
آتش و آب و باد و خاک نے لی
وضع سوز و غم و رم و آرام

مہر رنشاں کا نام خسرو دود
 ما و تاباں کا اسم شہنشاہ
 تیسری تو قیاس سلطنت کو بھی
 دی بدستور صورت اور قام

یعنی ازل میں جب رات اور دن کے اوراق بنے اور ان میں احکام لکھے گئے کہ
 مشوق عاشق کش ہے اور عاشق ناکام۔ آسمان کو تیزی سے پکڑ کاٹنے والا نیلا گنبد
 کہا گیا۔ اور خال و زلف کو دانہ و دام قرار دیا گیا اور اربعہ عناصر کے خواص متعین
 ہوئے۔ سورج کو دن کا بادشاہ اور چاند شام کا پہرے دار بنایا گیا تو اس وقت
 تیسری سلطنت کا فرمان بھی رقم پایا۔ اور

کاتب حکم نے بموجب حکم
 اس رقم کو دیا طرز و دام
 ہے ازل سے روانی آغاز
 ہو ابد تک رسائی انجام

یعنی رقم سلطنت کو کاتب تقدیر نے دامی بنا دیا کہ یہ بات جو ازل سے شروع
 ہوئی ہے ابد تک جاری رہے۔

قصیدہ چہارم
 صبح دم دروازہ رخسار کھلا
 مہر عالم تاب کا منظر کھلا

یعنی مشرق سے سورج نمودار ہوا۔

خسرو انجمن کے آیا صرف میں
شب کو تھا گنجینہ گوہر کھلا

یعنی رات کے تمام ستارے غائب ہو گئے۔

وہ بھی تھا اک سیما کی سی نمود
صبح کو رازِ مہ و اختہ کھلا

یعنی ثابت ہو گیا کہ چاند قنارے کی نمود علم سیما (طلسمات) کی طرح محض خیالی تھی۔

ہیں کو اکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ
دیتے ہیں دھوکا یہ بازہ لیکر کھلا

یعنی ستاروں کی نمود بازگیروں کا سا پُر فریب تماشا تھا۔

سطح گردوں پر پڑا تھا راست کو
موتیوں کا ہر طرف زیور کھلا
صبح آیا جانب مشرق نظر
اک نگارِ آتشیں رخ سر کھلا

یعنی رات کو ستارے موتیوں کے زیور کی طرح گھٹے پڑے تھے۔ صبح کو ایک

محبوب شعلہ رخ (آفتاب) مشرق سے نمودار ہوا۔ لیکن

مختی نظر بند سی۔ کیا جب رُخِ سحر
باوہ گل رنگ کا سانس کھلا
لا کے ساقی نے صبحی کے لئے
رکھ دیا ہے ایک جامِ زہر کھلا

یعنی یہ سب کچھ جادو یا نظر بندی تھی۔ اس جادو کا توڑ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ یہ شراب سوخا کا ایک پیالہ ہے جسے ساتی نے شراب صبح پینے کے لیے لکڑی رکھ دیا ہے۔

ہزم سلطانی ہوئی آراستہ
کعبۂ امن و اماں کا در کھلا

یعنی شاہی مجلس کیا آراستہ ہوئی کہ گویا امن و امان کا دروازہ کھل گیا۔

تاریخ تدبیریں ہستہ تا باں سے سوا
خمسہ و آفاق کے منہ پر کھلا

یعنی شہری تاج بادشاہ کے منہ پر صاف چمکدار سورج سے زیادہ خوش نما معلوم

ہوتا ہے۔

شاہ روشن دل بہادر شاہ کہ ہے
رازیہ ہستی اس پر سر تا سر کھلا

یعنی بہادر شاہ جبر نے زندگی کے راز کو پایا ہے۔

وہ کہ جس کی صورت ملکوت میں
مقصود نہ چرخ و ہفت اختر کھلا

یعنی وہ جس کے لیے آسمانوں اور تاروں کو پیدا کیا گیا۔

وہ کہ جس کے ناخن تاویل سے
عقدہ احکام پیغمبر کھلا

یعنی وہ جس نے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے احکام کے نکات واضح کیے

پلے دار کا ٹکڑا آیا ہے تام
اس کے سر ہنگوں کا جب زخم کھلا

یعنی اس کے سپاہیوں کی فہرست میں دارا کا نام واضح طور پر نظر آتا ہے۔

دوستناسوں کی جہاں فہرست ہے
وال لکھا ہے چپ کے قیصر گھلا

یعنی قیصر ایسے اشخاص میں سے ہے جن کی صرف صورت سے بادشاہ آشنا ہے۔

دگر یا کوئی بڑا آدمی نہیں ہے)

توسن شہ میں ہے وہ خوبی کہ چپ
تھان سے وہ غیرت صرصر گھلا
نقش پاکی صورتیں وہ دلفریب
تو کہے بت خانہ آذر گھلا

یعنی خوش سلطانی کے بار درقا قدم اس خوبصورتی سے پڑتے ہیں کہ اس کے نقش

قدم سے بت خانہ آذر گھل جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ لوگ اس کے سامنے سجدہ دینے
ہوتے ہیں۔

مجھ پہ فیض تربیت سے شاہ کے
منصب مہر و عمر و محمود گھلا
لاکھ عقدے دل میں تھے لیکن ہر ایک
میری جذبہ وسع سے باہر گھلا

یعنی یہ شاہ کے فیض تربیت کا نتیجہ ہے کہ میں نے چاند اور سورج اور ان

کے محدود مدار کے شائق علم حاصل کیا امدان کے نکتوں کو اپنی بساط سے زیادہ

سمجھ لیا۔

تھا دل والستہ قفل بے کلید
کس نے کھولا کب کھلا کیونکر کھلا -
بارغِ معنی کی دکھاؤں کا ہزار
مجھ سے گر شاہِ سخن گستر کھلا

یعنی میں متعین خاطر تھا اور یہ انعقباض کس طرح دور ہوا؟ اس کی کیفیت بارغِ
معنی کی بیمار دکھا کر (نظمِ شعار سے) پیش کروں گا۔ بشرطیکہ بادشاہ نے انتقام فرمایا۔

ہو جہاں گرم غنہ بخوانی نفس
لوگ جائیں طبلہٴ حنیر کھلا

یعنی اگر عزل پڑھنے لگوں تو اس سے ایسی خوشبو نکلتے کہ لوگ سمجھیں کہ عین کی ڈیریا
کھل گئی۔

کنج میں بیٹھا رہوں یوں پر کھلا
کا خشکے ہوتا قفس کا در کھلا

یعنی پنجرے کا دروازہ کھلا ہوتا تو میں ایک کونے میں یوں بیٹھا نہ رہتا۔ (جبرِ معذوری)

ہم پکاریں اور کھلے یوں کون جائے
یار کا دروازہ پائیں گر کھلا

یعنی ہمیں یہ پسند نہیں کہ درِ غریب واد ہوا مدہر کس دنیا کس کی طرح ہم بھی چلے جائیں

بلکہ مزہ تو جب ہے کہ ہماری آواز پر خاص ہمارے لیے دروازہ کھلے اور ہم جائیں۔

(آندوئے انتقام یا مدوح)

ہم کو ہے اس رازداری پر گھنٹہ
دوست کا ہے راز دشمن پر گھلا

ہمیں اس پر فخر ہے کہ دوست راز دل ہم سے چھپاتا ہے۔ دشمن کی طرح نہیں
کہ اس پر سب راز ظاہر ہے۔ فخر کی بات یہ ہے کہ ہمارے ساتھ جو تعلق ہے وہ
چھپانے کے قابل ہے اور دشمن کے ساتھ جو تعلق ہے وہ چھپانے کے قابل ہی نہیں۔
یعنی ہم سے محبت ہے دشمن سے مروت۔ (فخر اختتام با مدد)

واقعی دل پر بھلا لگتا ہے داغ
زخم لیکن داغ سے بہتر گھلا

گھلا، یعنی ثابت ہوا۔ یعنی دل کا داغ لذت بخش ہے زخم اس کے بہتر ثابت ہوا (مدرجہ)
ہاتھ سے رکھ دی کب ابرو نے کمان
کب کمر سے غمزہ کی خنجر گھلا

یعنی ابرو کا تیر اور غمزہ کا خنجر ہمیشہ کام کرتا رہتا ہے۔ (بے پیری محبوب)
مفت کا کس کو برا ہے بدرقہ
رہسروی میں پردہ نہ مہر گھلا

یعنی مفت کی رہبری کرنے والا برا نہیں لیکن اس رہسروی میں اس کا راز کھل گیا کہ
مقصد رہبری نہیں تھا بلکہ اس بہانہ سے وہ خود راہِ محبوب تک پہنچنا چاہتا تھا۔

(رشتہ رقا بت یا دنیا بائی اخلاص)

سو زہل کا کیا کرے بارانِ اشک
آگ بھڑکی منہ اگر دم مہر گھلا

یعنی آنسوؤں سے دل کی جلیں کیسے بجھ سکتی ہے۔ گریہ کے یہ منہ کھولتے ہی تو لگ بھڑک اٹھتی ہے۔ (بالقہ پیش عشق)

تاجر کے ساتھ آگیا پیغام مرگ
رہ گیا خط میری چھاتی پر کھلا

یعنی ایسی نازک حالت تھی کہ خط محبوب کھولا۔ لیکن پڑھ نہ سکے موت آگئی اور وہ چھاتی پر کھلا ہی رکھا رہ گیا۔ (حسرت اندوزی مرگ)

دیکھو غالب سے گر الجھا کوئی
بے ولی پوشیدہ اور کافر کھلا

یعنی واضح رہے کہ غالب پچھا دل ہے اور کھلا کافر۔ یوں بھی الجھنا برا اور دل بھی۔ مطلب یہ ہے کہ غالب سے الجھنا ٹھیکہ نہیں۔ (منہج عداوت از غالب)

پھر ہوا مدحت طرازی کا خیال
پھر مرہ و خورشید کا دستر کھلا

میاں سے پھر انتہات سے قعیدہ کی طرف۔ یعنی غزل کے اشعار کے بعد اب پھر مدح کا خیال ہوا امداد و خورشید کی باتیں جو ابتدائے قعیدہ میں تھیں پھر شروع ہوئیں یا یہ کہ اشعار تابداد و آب دامن کی آمد ہونے لگی۔

خاموشی نے پائی طبیعت کے درد
بادیاں کے اٹھتے ہی لنگر کھلا

لنگر کھلا، یعنی لنگر اٹھا۔ یعنی مضامین کی آمد سے قلم کشی کی طرح چل پڑا۔

مدح سے مدوح کی دیکھو شکوہ
عرض سے یاں رتبہ جو ہر کھلا

یعنی مدح کی شان سے مدوح کی شان کا اندازہ لگاؤ۔ مدح عرض ہے اور جو ہر مدوح۔

مہر کا نیا چرخ چکر کھا گیا
بادشاہ کا رایت لشکر کھلا

یعنی بادشاہ کے جھنڈے کی شان دیکھ کر سورج اور آسمان حیران ہو گئے۔

بادشاہ کا نام لیتا ہے خطیب
اب علوئے پایہ منبر کھلا

یعنی منبر کے رتبہ کا پتہ اب چلا کہ اس پر کھڑے ہو کر خطیب بادشاہ کا نام لیتا ہے۔

اسی طرح۔

سگہ مشہر کا ہوا ہے روشناس

اب عیارِ آبروئے زر کھلا

یعنی بادشاہ کے نام کا سکر بننے سے سونے کی ابرونکلی۔

شاہ کے آگے دھرا ہے آئینہ

اب مالِ سعی اسکند رکھلا

یعنی سکندر کی کوششوں کا نتیجہ اب نظر ہوا کہ بادشاہ نے آئینہ کو اپنے سامنے رکھا

مطلب یہ کہ اگر آئینہ بادشاہ کے استعمال میں نہ آتا تو اس کی ایجاد میں سکندر کی کوششیں
راہیگاں ہوتیں اور اس کی قدر نہ پرکھی جاسکتی۔

ملک کے وارث کو دیکھا خلق نے

اب فریبِ طغرل و سنجبر کھلا

ٹھغرل اور سنجہ کی حکومتیں تو محدود ع کی حکومت کے سامنے ایک دھوکا اور فریب یعنی
 بے حقیقت ہو کر رہ گئیں۔ مگر یا وارث ملک ہونا یہ ہے۔ نہ کہ وہ
 ہو سکے کیا مدح ہاں اک نام ہے
 دفتر مدح جہاں دا اور گھلا
 یعنی مدح کی تعریف بحال ہے۔ بادشاہ زمانہ کی تعریف کا جو دفتر گھلا ہوا ہے وہ
 تو برائے نام ہے۔

فکر اچھی پرستائش نام تمام
 عجز اعجاز پرستائش گر گھلا

یعنی مدح کی کوشش اچھی ہے لیکن تعریف پوری نہیں ہو سکی۔ ہر چند کہ تعریف کرنے
 والا صاحب اعجاز ہے تب بھی تکمیل مدح سے اس کی عاجزی ظاہر ہو رہی ہے

باتا ہوں ہے خط لوح ازل
 تم پر اسے خاقان نام آور گھلا
 تم کرو صاحب قرانی جب تک
 ہے طلسم روز و شب کا اور گھلا

یعنی اسے شاید نامور لوح ازل کی تحریر تم پر روشن ہے میں جانتا ہوں کہ تمام مہارت
 عالم کے باخبر ہو۔ میری دعا ہے کہ جب تک رات دن کا طلسماتی تا شا جاری ہے تم
 اقبالندی کے ساتھ عظمت کرتے رہو۔

ثلثوی در صفت انہ

ہاں دل در دمنہ زمرہ ساز
کیوں نہ کھولے درخشندہ راز

یعنی اسے دل بہت سی باتیں تیرے اندر ہیں ان کو بیان کر۔

خامے کا صفحہ پر رواں ہونا
شاخ گل کا ہے گلستاں ہونا

یعنی قلم صفحہ پاس طرح چلتا ہے جیسے شاخ گل سے پھول جھرتے ہیں۔

مجھ سے کیا پوچھتا ہے کیا لکھنے
نکتہ ہائے خسرو فرما لکھنے

یعنی پوچھنا کیا۔ کچھ دانش افروز نکتے بیان کر دے۔

بارے آموں کا کچھ بیاں ہو جائے
خامہ نخل رطب نشاں ہو جائے

غرض یہ ہے کہ آموں کا ذکر کر کہ قلم سے جو آم کے مضامین نکلیں گے تو قلم ایسا معلوم ہوگا جیسے کہ کھجور کے درخت سے کھجور جھڑو ہے سو۔

آم کا کون مرد میدان ہے

شمر و شاخ گوشتے و چو گاہی ہے

تاک کے جی میں کیوں رہے ارماں

آئے یہ گوشتے اور یہ میدان

آم کے آگے پیش جاوے خاک
 پھوڑتا ہے جلے پھپھوڑے تاک
 نہ چلا جب کسی طرح مقدر
 بادۂ تاب بن گیا انگور
 یہ بھی ناچار جی کا کھونا ہے
 شرم سے پانی پانی ہونا ہے

یعنی کوئی پھل آم کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ درختہ انہ کی ٹہنی اور اس کا پھل گویا
 گیند اور بلّا ہیں جنہیں دکھا کر وہ انگور کی بیل سے کہتا ہے کہ یہ گیند بلّا ہے اگر مقابلہ
 کر لے تو میدان میں آجا۔ لیکن انگور کی بیل بے چاری آم کا مقابلہ کیا کر سکتی ہے۔ جن
 کے مارے جلے پھپھوڑے پھوڑ رہی ہے۔ دکھانی حرکت ہو رہی ہے ہیرا اشارہ ہے انگور
 کی طرف۔ اس نے جب دیکھا کہ آم کے مقابلے کی تاب نہیں تو بیچارہ انگور شرم کے لہے
 شراب بن گیا اور میوہ جان سے بیزار ہو کر پانی پانی ہوا جا رہا ہے۔

مجھ سے پوچھو تمہیں خبر کیلے ہے
 آم کے آگے نیشکر کیا ہے
 نہ گل اس میں نہ شاخ و برگ نہ بار
 جب خزاں ہو تب آئے اس کی بہار

یعنی آم کے مقابلے میں گنے کی بھی کوئی حقیقت نہیں۔ اس میں نہ پھول نہ ٹہنی نہ
 پتے اور نہ پھل۔ پھر یہ بھی عیب ہے کہ خزاں کے دنوں میں گنے کی بہار آتی ہے گویا
 بے ڈھنگ سی چیز ہے۔

اور دوڑائیے قیاس کہاں
جان شیریں میں یہ مٹھاس کہاں
جان میں ہوتی گریہ شیرینی
کوہ کن یا وجود غمگینی
جان دینے میں اس کو لیتا جان
پر وہ یوں سہل سے نہ سکتا جان

یعنی اس کی مٹھاس کا مقابلہ کس کس سے کیا جائے۔ مد یہ ہے کہ جان کو شیریں کہتے
ہیں لیکن اس میں اتنی مٹھاس نہیں۔ اگر جان آم جیسی شیریں چیز ہوتی تو فرما دیا اگر یہ غمزدہ تھا
اور جان دینے میں فرد تھا پھر وہ ایسی آسانی سے جان نہ دیتا۔

نظر آتا ہے یوں مجھے یہ قسم
کہ دوا خباہت ازل میں مگر
آتش گل پہ قسم کا ہے قوام
شیرے کے تار کا ہے ریشہ نام

یعنی آم تو مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید قدرت نے اپنا ازل کا رخا نام میں پھولا
کی آگ پر قدم کا قوام تیار کیا اور اس کے شیرے میں جو تار پیدا ہوا وہی آم کا ریشہ بن گیا۔

یا یہ ہو گا کہ فرطِ رافت سے
باغبانوں نے بارغِ جنت سے
انگیں کے بحکم رب التماس
بھر کے بھیجے ہیں سبز بہار گلاس

یعنی یہ کیٹے کہ جنت کے باغبانوں نے براہِ مہربانی شہد کے سر بند گلاس خدا کے
عکس سے انسانوں کے لیے بھیجے ہیں۔

یا لگا کر خضر نے شاخ نبات
مقدون تک و یا ہے آب حیات
تب ہوا ہے ثمرِ فشاں یہ نخل
ہم کہاں دور نہ اور کہاں یہ نخل

یعنی اگر ادھر تک دو باتیں نہ ہوں تو یہ ہوگا کہ حضرت خضر نے مصری کی شاخ لگائی
اور اس کو آبِ حیات سے سینچا تب جا کر یہ پھل دار آم کا درخت بنا۔ اگر وہ
اتنی محنت نہ کرتے تو ہم جیسے انسانوں کو ایسی چیز کہاں میسر آ سکتی تھی۔

تھا ترنج زر ایک خسرو پاس
رنگ کا زرد پر کہاں بُو پاس
آم کو دیکھتا اگر اک بار
پھینک دیتا طلّائے دستِ افشار

یعنی شاہ خسرو کے پاس سونے کا ایک بڑا لیوں تھا جو آم ہی بیساز رہتا لیکن
اس میں یہ خوشبو کہاں؟ اگر وہ آم کو دیکھ لیتا تو اپنے زرد ترنج کو جسے ہاتھ میں
لیے سدا رہتا تھا پھینک دیتا۔

رونی کا دگاہِ برگ و نوا
نازشِ دودمانِ آب و ہوا
رہرو راہِ مغلد کا توشہ
طوبے و سدرہ کا جگر گوشہ

یعنی پھل پتھریں کے کارخانہ کی مدنی اس آم کے دم سے اور آب و ہوا کو اس
پر فخر ہے بابل جنت کا نادر سفر ہے اور طوبی و سدرہ درختان جنت کا پیا ما ہے۔

صاحب شاخ و برگ و بار ہے آم
تازہ پروردہ بہار ہے آم
خاص وہ آم جو نہ ہو ازراں
فوری نخل باغ سلطان ہو

یعنی آم تو سبھی پھل تپا والے اور بہار کے پروردہ ہوتے ہیں لیکن خصوصیت کا
ماکدہ وہ آم ہے جو گراں قدر اور بارخ شاہی کا تازہ پھل ہے۔

وہ کہ ہے والی ولایت عہد
عدل سے اس کے ہے حمایت عہد
فخر دیں عز و شان جاہ و جلال
زینت طینت و جمال کمال
کار فرمائے دین و دولت و نعت
چہرہ آرا کے تاج و مسند و تخت
سایہ اس کا ہمسایہ ہے
خلق پر وہ خدا کا سایہ ہے

یعنی وہ بادشاہ جو دائمی دقت ہے اور اس کے انصاف سے زمانہ قوی پشت ہے
دین اور شان و شوکت کے لیے باعث فخر اور منجات حسنہ کو اس کی نعت کے باعث
زیب و زینت ہے۔ مذہب۔ اقبال اور نصیب کا ماکم اور تاج و تخت کی زیبائش۔ اس

کامیاب ہونے کے سایہ کی طرح مبارک ہے اس سے خود غفلت اٹھ جائے

انے مفیق وجود و سایہ و نور

جب تک ہے نمود و سایہ و نور

اس خداوند بنسبت پروردگار کو

وارث گنج و تخت و افسر کو

شاد، دل شاد، شاد ماں رکھو

اور غالب پہ ہر باں رکھو

اشعار معانی ہیں۔ یعنی اے سایہ نمود کا فقیہ بن جانے والے خدا جب تک یہ سایہ و

نور میں اس بادشاہ کو ہر طرح سے شاد اور غالب پر ہر ماں رکھو۔

قطعات

(۱)

اے شہنشاہ فلک منظر و بے مثل و نظیر

اے جہاندار کرم شیوہ بے شبہ و عدل

پادشاه سے تیرے لئے فرق ارادت اور نگاہ

فرق سے تیرے لئے کس سعادت اکیل

یعنی اے عالی مرتبہ اور بے مثال بادشاہ، تخت اپنا سر تیرے پیروں سے ملتا ہے اور

تلخ کو تیرے سر کی بدلت سعادت حاصل ہے۔

تیرا انداز سخن شائے نہ لعل الہام
تیری رفتارِ قلم جنبشِ بالِ جبریل

یعنی تیری باتیں الہامی ہیں اور تیری جنبشِ قلم بالِ جبریل کی جنبش سے شائبہ گویا
تیری تحریر و تقریر دونوں ہی تقدس کا ب ہیں۔

تجہ سے عالم پہ کھلا رابطہ ضربِ کلیم
تجہ سے دنیا میں بچھا ماندہ بدلِ خلیل

یعنی تیرا تعلق با اللہ دیکھ کر معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کو بھی خدا
سے اس طرح رابطہ رہا ہوگا اور تیری جہان نوازی سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جہان نوازی
کی صفت دنیا میں باری ہے۔

بسخن ادج وہ مرتبہ معنی و لفظ
یکرم داغ نہ ناصبیہ قلم و تیل

یعنی تیری گفتگو سے الفاظ و معنی کا رتبہ بلند تھا اور تیری بخشش نے بجز قلم اور دھاتے
تیل کے کچھ پر داغ لگایا۔ یعنی وہ بھی بے حقیقت ہو کر رہ گئے۔

تاترے عہد میں ہو غیش و طرب کی توقیر
تاترے عہد میں ہو رنج و اطم کی تعلیل
ماہ نے چھوڑ دیا گورے سے جانا باہر
نہرہ نے ترک کیا سوت سے کرنا تحویل

یعنی پانڈیچ گورے اور نہرہ برجِ حوت سے باہر نہیں نکلتا۔ تاکہ تیرے عہد میں
غیش و طرب کی تیا دہ ہو اور رنج و اطم نہ رہے۔ واضح ہو کہ قمر کا برج گورے میں اور نہرہ کا برج

نوت میں رہنا بابرک سمجھا جاتا ہے۔

تیری دانش، میری اصلاح، مفاسد کی رہن
تیری بخشش، میرے انجام، قاصد کی کفیل
تیرا اقبال، ترحم، مرے جینے کی نوید
تیرا انداز، لغافل، مرے مرنے کی دلیل

یعنی اے بادشاہ! میرے مفاسد کا اگر تجھے علم ہو تو ان کی اصلاح ہو جائے اور اگر
تو بخشش فرمائے تو میرے قاصد پر سے ہو جائیں۔ تو اگر رحم سے پیش آئے تو میں جی باؤں
اور اگر تو غافل ہو جائے تو سمجھو کہ میں مر گیا۔

بخت ناساز نے چاہا کہ نہ دے مجھ کو امان

چرخ کج بار نے چاہا کہ کرے مجھ کو ذلیل

یعنی بد قسمتی نے مجھے چین نہ دیا اور آسمان مجھے ذلیل کرنے کے ارادے سے ہے۔

پچھلے کالی ہے میرا شہر اوقات میں گانٹھ

پہلے ٹھونکی ہے بن ناخن تدبیر میں کیل

اوقات: معنی تدبیر یعنی مجھ پر شکل وقت آن پڑا اور نجات کی تدبیر پہلے ہی نہ

تھی۔ مطلب یہ کہ عقدہ کشائی کی صورت نہ رہی۔

تیش دل نہیں بے رابطہ خوف عظیم

کشش دم نہیں بے ضابطہ جزا ثقیل

یعنی دل بے قرار نہیں ہوتا جب تک کہ کوئی بڑا دھڑکا نہ ہو اور مانس نہیں پھرتا جب

تک کہ بھاری بوجھ نہ کھینچنا پڑے۔ مطلب یہ کہ میرا اضطراب پیش نظر اندیشوں اور موجود مشکلات

کا باعث ہے۔

در معنی سے مرا صفحہ نقا کی ڈاڑھی
نغم گیتی سے مرا سینہ عمرو کی زنبیل

ماستان میں آیا ہے کتنا کی ڈاڑھی کے بال بال میں موتی پروئے جلتے تھے۔ اسی طرح عمرو عیار کی زنبیل کی بابت مشہور ہے کہ اس میں ہر چیز سما جاتی تھی۔ معنی شعر یہ ہیں کہ معنایں کے موتیوں سے میرے صفحات بیا ضرر ہیں لیکن میرے سینے میں دنیا بھر کا غم اس طرح سمایا ہوا ہے جس طرح عمر کی زنبیل میں ساری چیزیں سما جاتی تھیں۔

فکر میری گہرا اندوز اشارا ست کثیر
کلک میری رقم اموز عبارات قلیل

یعنی میرے ذہن میں بے شمار معنایں کے موتی ہوتے ہیں اگرچہ نظم مختصر عبارت نکلتی ہے مطلب یہ کہ میری تحریر مختصر لیکن معنایں بے شمار پر مشتمل ہوتی ہے۔

میرے ابہام یہ ہوتی ہے تصدیق توضیح
میرے اجمال سے کتنی ہے تراویں تفصیل
نیک ہوتی مری حالت تو نہ دیتا تکلیف
جمع ہوتی مری خاطر تو نہ کرتا تعجیل

یعنی میری مبہم اور محمل بات بھی واضح اور مفصل ہوتی ہے۔ چنانچہ حالت خراب ہے اس لیے تکلیف دی اور دل پریشان ہے اس لیے نگارش سال میں جلدی کی۔ تاہم مدعا کے بیان میں ابہام و اجمال ہے۔ لیکن غرض واضح اور مفصل ہے۔

قبلہ کرن و مکان خستہ نواذ می میں یہ دیو
 کبہ من و اماں عقدہ کشائی میں یہ ڈھیل
 یعنی مجھ خستہ پر نوازش فرما نہی میں اتنی دیر اور میری عقدہ کشائی میں اتنی ڈھیل کیوں ہے۔

(۲)

گئے وہ دن کہ نادانستہ غیروں کی و ناداری
 کیا کرتے تھے تم تقرر ہم خاموش رہتے تھے
 بس اب بگڑے یہ کیا شرمندگی جانے دو مل جاؤ
 قسم لہ ہم سے گر یہ بھی کہیں کیوں ہم نہ کہتے تھے

یعنی اب کہ غیر کی بے وفائی پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے تم خود ہی اس کی و ناداری کا ذکر
 نہ کر دے۔ رہا یہ کہ تم مجھ سے بگڑے ہوئے تھے اس پر شرم اور اب مل جاؤ اور یہ خیال
 چھوڑ دو کہ ہم کچھ طعنہ دیں گے۔ ہم تو یہ بھی نہیں کہیں گے کہ ہم سمجھاتے تھے پر تم نہ ماننے
 (انتہائی دگر بازیاں و انتہائی مجرب)

(۳)

سکلت کا جو تو نے کیا دکر ہم نشیں
 اک تیر میرے سینے پہ مارا کہ ہائے ہائے
 وہ ہیرہ زار ہائے معطر کہ ہے غضب
 وہ نازیں تباں خود آرا کہ ہائے ہائے
 صبر آزما وہ ان کی نگاہیں کہ حفت نظر
 طاقت ربا وہ ان کا اشارہ کہ ہائے ہائے

وہ میوہ ہائے تازہ و شیریں کہ واہ وا

وہ بادہ ہائے تاب گوارا کہ ہائے ہائے

یعنی اسے ہم نشین تر نے کلکتہ کو یاد دلایا۔ بھبھے ہیں کر دیا۔ وہاں کے ہنرہ نارا اور وہاں
کے حسین یاد آگئے جن کی لٹکا ہیں بے سیر کرنے والی اور جن کے اشارے سے بے بس کرنے
والے ہیں وہاں کے تازہ اور شیریں پھل اور عمدہ شراب کی کیا بات ہے۔ یہ سب چیزیں
یاد آ رہی ہیں۔

(۴)

ہے جو صاحب کے کف دست پر چمکتی ٹولی

زیب و تیا ہے اسے جس قدر اچھا کہیے

خامہ انگشت بدنداں کہ اسے کیا لکھیے

ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہیے

یعنی مدوح کی پتیلی پر جو یہ چمکتی سپاری ہے اسے کیا لکھوں اور کیا کہوں۔ اگلے اشعار

میں چمکتی سپاری کو مختلف چیزوں سے تشبیہ دی گئی ہے۔

دیر مکتوب عزیزان گرامی لکھیے

حمزہ بازوئے شکر خان خود آرا کہیے

مسی آلود سر انگشت سیناں لکھیے

دارع طرف حسب گرامشوق شیدا کہیے

خاتم دست سلیمان کے مشابہ لکھیے

سر پستان پر می زاد سے مانا کہیے

اخیر سوختہ تیس سے نسبت دیجے
 خال مشکین رخ و لکش لیل گئیے
 حجر اللہ سود دیوار حرم کیجے فرض
 نافہ آیوئے بیابان ختن کیا کہیے
 وضع میں اس کو اگر سمجھے قاف تریاق
 رنگ میں سبزہ نوخیز میسا کہیے
 جہو معہ میں اسے ٹھہرائے گر ہر نماز
 میکدے میں اسے خشت خم صہبا کہیے
 کیوں اسے قفل در گنج محبت لکھئے
 کیوں اسے لفظ پرکار متا کہیے
 کیوں اسے گوہر نایاب تصور کیجے
 کیوں اسے مرد مکی دیدہ غنقا کہیے
 کیوں اسے تکرہ پیراہن میلے لکھئے
 کیوں اسے نقش پے ناقہ سلے کہیے
 اپنے حضرت کے کف دست کو دل کیجے فرض
 اور اس چکنی سپاری کو سویدا کہیے

یعنی یہ پادری ان چیزوں سے مشابہ ہے۔ حینوں کا سہی آلودہ پورہ بگر عاشق
 کا دماغ۔ حضرت سلیمان کے ہاتھ کی انگوٹھی۔ پری کا ہر پستان تیس کا اخیر سوختہ۔ لیلیٰ
 کا خال مشکین۔ دیوار حرم کا حجر اللہ سود۔ آیوئے ختن کا نافہ۔ وضع میں لفظ تریاق کا ق۔ اور

زنگشت میں بہنو تو خیر۔ عبادت خانہ کی مہر خانہ اور دنیا نہ کی سخت خیم مہیا۔ اس کے علاوہ
شاعر کے ذہن میں اور بھی تشبیہات ہیں مثلاً درگنج محبت کا قفل۔ پرکار متا کا نقطہ۔
گوہر نایاب۔ مرد مگد دیدہ عفتا۔ پیرا بن لیل کا یوں اور تازہ سلمیٰ کا نقش قدم۔ لیکن
کہتا ہے کہ ان تمام تشبیہات سے قطع نظر کہ کے صرف یہ کیوں نہ کہا جائے کہ ممدوح کا
ہاتھ ایک دل ہے اور یہ چکنی پیاری اس کا سودا ہے۔

(۵)

نہ پوچھا اس کی حقیقت حضور والا نے
مجھے جو بھیجی ہے بس کی روغنی روٹی
نہ کھاتے گیہوں نکلنے نہ غلہ سے باہر
جو کھاتے حضرت آدم یہ بیسی روٹی

یعنی اس بیسی روٹی میں وہ تمام خیریاں ہیں جو جنت کے دائرہ گندم میں تھیں۔ البتہ اس
کی خرابی (کہ جنت سے نکلنے کا باعث ہو) اس روٹی میں نہیں ہے۔

(۶)

سہرا

خوش ہوا بے بخت کہ ہے آج تیرے سر پہ
باندھ شہزادہ جواں بخت کے سر پہ سہرا
یعنی اس بخت کہ بھاگ لگے جس نے شہزادہ جواں بخت کے سر پہ
سہرا باندھا۔

کیا ہی اس چاند سے مکھڑے پہ بھلا لگتا ہے
 ہے ترے حسنِ دلِ افروز کا نہ لیرہ سہرا
 یعنی شہزادہ جوان بخت چاند سے اس مکھڑے پر اس سہرے نے تیرے حسن کو
 اندر بھی زیادہ کر دیا۔

سہرے پہ چڑھنا تجھے پھبتا ہے پر اے طرفِ کلام
 مجھ کو ڈر ہے کہ نہ پھینے ترا لقب سہرا
 مبر: یعنی مبر۔ یعنی سہرا اتنا خوش نما ہے کہ کہیں گوشہ کلام سے بھی غریب نہ جائے۔
 ناؤ بھر کر ہی پروتے گئے ہوں گے موتی
 در نہ کیوں لاسے میں کشتی میں لگا کر سہرا
 یعنی سہرے کو کشتی میں جلائے ہیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ناؤ بھر کر موتی پرٹے
 گئے ہیں۔

سات دیا کے فراہم کیے ہوں گے موتی
 تب بنا ہوگا اس انداز کا گز بھر سہرا
 یعنی اس سہرے میں ساتوں دیا کے ابلے شام موتی ہیں۔
 قدح پہ دولہا کے جو گرمی سے پسینہ شیکا
 ہے رگِ ابیر گہریاں سہرا سہرا
 یعنی پسینہ چمکنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ سہرا موتی پرانے والے بادل کی رگ ہے۔
 یہ بھی اک بے ادبی تھی کہ قبائے بڑھ جائے
 رہ گیا آن کے دامن کے برابر سہرا

یعنی بنیالِ ادبِ عام سے زیادہ نہیں بڑھا دینا اس کی بالیدگی کا کیا ٹھکانا؟
 جی میں اترا میں نہ موتی کہ ہمیں ہیں اک چیز
 چاہیئے پھولوں کا بھی ایک مقرر سہرا
 یعنی اگر پھول کا سہرا نہ ہوتا تو موتی غور کرتے کہ ہاں بے برابر کوئی دوسری چیز
 ہے ہی نہیں۔

جبکہ اپنے میں ساد میں نہ خوشی کے مالے
 گوندھے پھولوں کا بھلا پھر کوئی کیونکر سہرا
 یعنی پھول اپنے آپ میں خوشی سے نہیں ساتے اس لیے ان کا گوندھنا مشکل ہو
 رہا ہے۔

تربخش و دشمن کی دمک گوہر غنطاں کی چمک
 کیون نہ دکھلائے فرمیش مہ ماختر سہرا
 یعنی چہرے کے سامنے موتی ایسے ہیں جیسے چاند کے پاس ستارے۔
 تار و ریشم کا نہیں، ہے یہ رگ ابر بہار
 لائے کیا تاب گرا نبارشی گوہر سہرا
 یعنی سہرے کے تار ابر بہار کی رگ ہیں گریا اس قدر موتی ہیں کہ سہرے کو موتیوں کے
 بوجھ کا سنبھالنا مشکل ہو رہا ہے۔

ہم سخن فہم ہیں، غالب کے طرفدار نہیں
 دیکھیں کہڑے کوئی اس سہرے سے بہتر سہرا
 یعنی غالب کی طرف داری کے خیال سے نہیں بلکہ سخن فہمی کی بنا پر ہمارا دعوے ہے

کہ اس سے بہتر سہرا کوئی نہیں کہہ سکتا۔

مشہور ہے کہ اس شاعر نے تعالیٰ کے پیش نظر ذوق نے اس زمین میں ایک پڑھار
سہرائی البیدیہ کہا تھا اور اس کے قطع میں غالب نے اس قتل پر چوٹ کی گئی تھی جس سے
استاد شاہ اور نتیجہ خود بادشاہ کی برہمی مزاج کا اندیشہ تھا اس لیے غالب کو یہ قطعہ
شتمل بر معذرت لکھنا پڑا۔

(۷)

معذرت

منظور ہے گزارشیں احوالِ واقعی
اپنا بیان جن طبیعت نہیں سمجھے

یعنی مجھے اپنا گزارش احوالِ منظور ہے جن طبیعت کا بیان کرنا مقصود نہیں۔

سولہشت سے ہے پیشہ آباپہ گری
کچھ شاعری ذریعہ عزت نہیں سمجھے

یعنی میری عزت کا سرمایہ خاندانی پہ گری ہے شاعری نہیں۔

آزادہ رعب ہوں اور مرا سلک ہے صلح کل
ہرگز کبھی کسی سے عداوت نہیں سمجھے

یعنی میرا طریق کار یہ ہے کہ سب سے بنا کر رکھوں مجھے کسی سے عداوت نہیں ہے۔

کیا کم ہے یہ شرف کہ ظفر کا غلام ہوں
مانا کہ باہ و منصب و ثروت، نہیں سمجھے

یعنی ہر چیز کہ جاہ و مال سے بے فعیب ہوں لیکن غلامی شاہ طغر کا فخر سب پر
فائق ہے۔

استاد شہ سے ہو مجھے پر خاش کا خیال
یہ تاب یہ مجال یہ طاقت نہیں مجھے
یعنی مجھ میں اتنی تاب نہیں کہ استاد شاہ سے بگاڑوں۔

یام جہاں تمسا ہے شہنشاہ کا خمیر
سو گند اور گواہ کی حاجت نہیں مجھے
یعنی بہادر شاہ کا دل خود جانتا ہے۔ قسم یا گواہ کی حاجت نہیں۔

میں کون اور ریختہ ہاں اس سے مدعا
مجزا انبساط خاطر حضرت نہیں مجھے
یعنی ریختہ گوئی۔ مجھے کہ ایرانی تہاد ہوں کیا نسبت۔ میں نے جو اشعار ریختہ میں
کہے اس کی غرض صرف بہادر شاہ کی خوشنودی مزاج ہے۔

سہرا لکھا گیا زرہ امتشال امر
دیکھا کہ چارہ غیر اطاعت نہیں مجھے
یعنی بادشاہ کا حکم تھا اس لیے سہرا لکھا کہ تعمیل کے سوا چارہ نہ تھا۔

مقطع میں آپڑی ہے سخن گستاخانہ بات
مقصود اس سے قطع محبت نہیں مجھے
یعنی مقطع میں قتل کی ایک ایسی بات کہودی جو شاعر کہہ دیا کرتے ہیں۔ یہ تھوڑا
ہی چاہتا تھا کہ محبت میں فرق آئے۔

موتے سخن کسی کی طرف ہو تو رو سیاہ
سودا نہیں، جنوں نہیں وحشت نہیں مجھے
یعنی میں کوئی پاگل تھا کہ اس میں کسی کی طرف اشارہ کرتا۔

قسمت بری سہی یہ طبیعت بری نہیں
ہے تسکیر کی جگہ کہ شکایت نہیں مجھے

یعنی گو قسمت بری ہے لیکن طبیعت بری نہیں کہ کسی پر طعنہ کروں۔ میں خدا کا شکر
کرتا ہوں کہ میری طبیعت میں کسی کی برائی نہیں ہے۔ (المختصر)

صاف ہوں اپنے قول میں غالب خدا گواہ
کہتا ہوں سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے

یعنی یہ جو کچھ میں نے کہا سچ کہا، جھوٹ نہیں ہے نہ جھوٹ کی عادت ہے۔

(۸)

نصرت الملک بہادر مجھے بتلا کہ مجھے
چھ تیرے جوانی ارادت ہے تو کس بتا ہے
گرچہ تو وہ ہے کہ ہنگامہ اگر گرم کہے
ردنی بزم مہر و مہر تری ذات سے ہے
اعد میں وہ ہوں کہ اگر جی میں کبھی غور کروں
غیر کیا خود مجھے نفرت مری اوقات سے ہے

یعنی اے نصرت الملک بہادر مجھے تیرے ساتھ اس درجہ عقیدت کیوں ہے تیری
تو یہ حالت ہے کہ ماہ و مہر تیرے ہنگامہ منحل کی ردنی بننے کو تیار ہیں اور میرا یہ حال

ہے کہ مجھے خود سے بھی نفرت ہے۔ تیری مغل کے قابل کہاں ہوں۔ لیکن
خوشگلی کا ہو بھلا جس کے سبب سے میری دست
نہایت اک گونہ مرے دل کو تری بات سے ہے

یعنی میرا دل خستہ ہے اور تو اپنے دستِ کرم سے اس کا مداغ کرتا ہے پس اس خوشگلی
کا بھلا ہو کہ اس طرح میرے دل کو تیرے ہاتھوں سے ایک نہایت ہو گئی۔
ہاتھ میں تیرے لیے تو دین دولت کی عنان
یہ دعا شام و سحر قاضی مایات سے ہے
یعنی رات دن دعا کرتا ہوں کہ تو قابلِ مند ہے۔

تو سکندر سے مرا فخر ہے ملنا تیرا
گو شرفِ خضر کی بھی مجھ کو ملاقات سے ہے

یعنی تو سکندر ہے تجھ سے ملنا باعثِ فخر جانتا ہوں اگرچہ ملاقاتِ خضر کا بھی
مجھے شرف حاصل ہے۔ (شاید خضر سے کنایہ ہو پیر شاہ خضر سلطان سے یا خود بادشاہ سے)

اس پہ گزے نہ گماں یہ یو وریا کا زہنا
غالبِ خاکِ نشیں اہلِ خرابات سے ہے

یعنی غالب اندیشہِ ریا سے بچنے کے لیے صاف کہتا ہے کہ خراباتی ہے۔

(۹)

قطعاً آخری چہار شنبہ

ہے چار شنبہ آخر ماہِ صفرِ حلیو
دکھ دیں چمن میں بھر کے مے مشکبوی کی ناند

جو آئے جام بھر کے پیئے اور ہو کے مست
 بنزے کو روز نہتا پھرے پھولوں کو عاٹے پھاند
 بیٹے میں سونے روپے کے چھتے حضور میں
 ہے جن کے آگے سیم و زہر و مہر و ماہ ماند
 یوں سمجھئے کہ بیج سے خالی کیے ہوئے
 لاکھوں ہی آفتاب ہیں اور بے شمار چاند
 غالب یہ کیا بیاں ہے بجز مدح بادشاہ
 بھاتی نہیں ہے اب مجھے کوئی نرشت و خواند

یہ نظم آخری چار شنبہ کی تقریب سے متعلق ہے۔ عہد شاہی میں ماہ صفر کے
 آخری چار شنبہ کے روز مصاحبین کے ساتھ بہادر شاہ سیر باغ کو جاتے اور بنزہ کو روند
 تھے اور سونے چاندی کے چھتے حاضرین میں تقسیم کیے جاتے۔ اشعار بالا میں انہیں بآزادی
 کا ذکر ہے۔

(۱۰)

در مدح بادشاہ

اے شاہ جہانگیر جہاں بخش جہاں داور
 ہے غیب سے ہر دم تجھے صد گونہ بشارت
 جو عقدہ دشوار کہ کوشش سے نہ داور
 تو داکر سے اس عقدے کو وہ بھی بشارت

مکان ہے کلب کے خضر سکندر ہے ترا ذکر؟
اگر لب کو نہ دے چشمہ حیواں سے طہارت

یعنی اے بادشاہ! تو غیب سے فیضیاب ہے اس لیے ہر عقدہ شکل کو اشاری
میں داکر دیتا ہے۔ تیری ذات ایسی محترم ہے کہ حضرت خضر جب تک پہلے آپ حیات
سے منہ کر صاف نہ کر لیں تیرا ذکر سکندر کے مدنے نہیں کر سکتے۔

آصف کو سلیمان کی وزارت سے شرف تھا
ہے فخر سلیمان جو کرے تیری وزارت
یعنی آصف جس طرح سلیمان کی وزارت پر فخر کرتے تھے اسی طرح اگر سلیمان علیہ السلام
کو تیری وزارت مل جائے تو وہ اس پر فخر کریں۔

ہے نقش مریدی ترافہ دین الہی
ہے دایرہ غلامی ترا تو قیع امارت

یعنی جو تیرا عقیدت مند ہو وہ گویا فرمان الہی سے مشرف ہوا اور جو تیرا غلام بنا
وہ گویا سرداری کا حکم مہ پا گیا۔

تو آب سے گر سلب کرے طاقت میلان
تو آگ سے گر دفع کرے تاپ شرارت
ڈھونڈے نہ ملے موجہ دریا میں روائی
باقی نہ رہے آتش سوزاں میں حرارت

شرارت یعنی شرارہ یعنی تہجد کو آب و آتش پر تصرف حاصل ہے۔

ہے گرچہ مجھے نکتہ سرائی میں تو غل
ہے گرچہ مجھے سحر طرازی میں مہارت
کیوں کرنے کروں مدح کو میں خستم دعا پر
قاصر ہے حکایت میں تری، میری عبارت

تو غل: بجی مشق و مہارت۔ یعنی اگرچہ نکتہ سرائی و سحر طرازی میں بڑی مہارت رکھتا
ہوں تاہم تیری صفت کے بیان سے قاصر ہوں تا چار کیا کر سکتا ہوں سوا اس کے کہ مدح کو
دعا پر ختم کر دوں۔

نور روز ہے آج اور وہ دن ہے کہ جوئے ہیں
نظارہ گی صنعت حق اہل بصارت
تجھ کو شرف مہر جہا تاسب مبارک
غالب کو ترے عتبہ عالی کی زیارت

شرف: یعنی آفتاب کا برج حمل میں ہونا۔ عتبہ: یعنی آستانہ۔ یعنی آج نور روز
کا دن ہے اور لوگ قدرت کے نظاروں میں مصروف ہیں۔ میری دعا ہے کہ تیرے لیے
سورج کا برج حمل میں جانا (کہ موسم بہار کا آغاز ہے) اور غالب کو تیرے آستانہ کی
زیارت کرنا مبارک ہو۔

(۱۱)

گزارش مصنف بحضور بادشاہ
اے شہنشاہ آسمان اورنگ
اے جہاندار آفتاب آثار

تھا میں اک بینوائے گوشہ نشین
 تھا میں اک درد مند سینہ فگار
 تم نے مجھ کو جو آبرو بخشی
 ہوئی میری وہ گرمی بازار
 کہ ہوا مجھ سا ذرہ ناچینہ
 روشناس ثوابت و ستیاد
 گرچہ اندر روئے ننگ بے ہنری
 ہوں خود اپنی نظر میں اتنا غوار
 کہ گرا اپنے کو میں کہوں خاک کی
 جانتا ہوں کہ آئے خاک کو عار
 شاد ہوں لیکن اپنے جی میں کہ ہوں
 بادشاہ کا غلام کار گزار
 خانہ زاد اور مرید اور مداح
 تھا ہمیشہ سے یہ عرفیت نگار
 بارے نوکر بھی ہو گیا صد شکر
 نسبتیں ہو گئیں مستحق چار
 نہ کہوں آپ سے تو کس سے کہوں
 مدد کے ضروری الاظہار

مختصر مضمون اشعار بالا کا یہ ہے کہ اسے بادشاہ! میں ایک بے سوسا مان دکھ بھرا

آدمی تھا۔ یہ تیری ہی عزت بخشی تھی کہ مجھ پر شبیہ حقیقت کو ستاروں سے روستناسی ہوئی
یعنی ستاروں کی طرح روشن ہوا یا یہ کہ ستارہ شناسی حاصل ہوئی۔ اگرچہ مجھ میں کوئی ہنر
نہیں بیان تک کہ خود اپنی نگاہوں میں اس قدر حقیر ہوں کہ اگر خود کو خاک کہوں تو خاک
کو بھی مجھ سے شرم آئے۔ پھر بھی اس بات پر شاداں ہوں کہ بادشاہ کا غلام ہوں اور
خدمت گزار ہوں۔ یوں کہ شاہ کا خانہ پروردہ معتقد اور ثنا گر پہلے سے تھا اب شکریے
کہ تو کبھی ہوگی اس طرح بادشاہ سے چار امتیازی نسبتیں ہو گئیں۔ اب اپنا مقصد و مدعا
آپ۔۔۔ سے نہ کہوں تو کس سے کہوں۔ کہ

پیر و مرشد اگرچہ مجھ کو نہیں
ذوق آرائش سرور و ستار
کچھ تو جاٹے میں پاس بیٹے آخر
تانا و سے باد ز سر بر آزار
کیوں نہ درکار ہو مجھے پوشش
جسم رکھتا ہوں ہے اگرچہ نزار
کچھ خریدتا نہیں ہے اب کے سال
کچھ بنایا نہیں ہے اب کی بار
رات کو آگ اور دن کو دھوپ
بھاڑ میں جائیں ایسے میل و نہار
آگ تاپے کہاں تلک افسان
دھوپ کھائے کہاں تلک باندار

دھوپ کی تابش آگ کی گرمی وَقَيْنَا دَبْنًا عَذَابَ الْمَسَارِ

یعنی میں زریب و زینت لباس کا شائق نہیں ہوں۔ تاہم سردی سے بچنے کے لیے کچھ کپڑا تو ہونا ہی چاہیے کہ بادِ زہریلہ و سرد ہوائیں نہ تھامیں۔ لباس تو چلبیہ ہی ہوتا ہے خواہ جسم کتنا ہی کمزور ہو۔ اس سال نہ کچھ خریدنا نہ بنایا۔ رات کو آگ سینکنا اور دن کو دھوپ کھانا رہ گیا۔ ایسی رات اور ایسا دن بھاڑ میں جاتے۔ کہاں تک آگ سینکوں اور کہاں تک دھوپ کھاؤں۔ میری قسمت میں کپڑے کی بولٹے دھوپ کی تپش اور آگ کی گرمی رہ گئی ہے۔ یہی مصیبت نہیں رہی جاتی۔ خدایا عذابِ جہنم سے بچاؤ۔ علاوہ اس گے۔

میری تنخواہ جو مقصد رہے
اس کے ملنے کا ہے عجب ہنسا
رسم ہے مڑے کی چھ ماہی ایک
خلق کا ہے اس چلن پہ مدار
مجھ کو دیکھو تو ہوں بقیدِ حیات
اور چھ ماہی ہو سال میں دو بار
بسکہ لیتا ہوں ہر مہینے قرض
اور رہتی ہے سوز کی تکرار
میری تنخواہ میں تہائی کا
ہو گیا ہے شریک سا ہر کار

یعنی میری تنخواہ عجیب طرح سے ملتی ہے۔ مردے کی چھ ماہی ایک بار ہوتی ہے لیکن میں زندہ ہوں اور سال میں دو بار چھ ماہی ہوتی ہے۔ یعنی چھ ماہ کے بعد تنخواہ ملتی ہے۔ مجھے ہر مہینے قرض لینا اور سود بار بار ادا کرنا پڑتا ہے۔ میری تھائی تنخواہ سا ہو کارے قیاس ہے۔ حالانکہ

آج مجھ سا نہیں زمانے میں
شاعر فخر گزرتے و خوش گفتار
رزم کی داستان اگر سینے
ہے زباں میری تیغ جو ہر دار
بزم کا التسانم اگر کیجئے
سے قلم میرا ابر گو ہر بار
ظلم ہے اگر نہ دو سخن کی داد
قہر ہے اگر نہ مجھ کو پیار
آپ کا بندہ اور پھروں تنگا؟
آپ کا نوکر اور کھاؤں ادھا؟
میری تنخواہ کیجئے ماہ بہ ماہ
تانا ہو مجھ کو زندگی دشوار
نخم کرتا ہوں اب دعا یہ کلام
شاعری سے نہیں مجھے سروکار
تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

شاعری میں میرا کوئی نظیر نہیں۔ رزم اور بزم دونوں مضامین پر قدرت رکھتا ہوں۔ اگر میرے سخن کی داد سننے والے اور مجھے پسند نہ کیا جائے تو یہ بڑا ظلم ہوگا۔ آپ کا بندہ ہو کر نگاہ چروں اور آپ کا ملازم ہو کر ادھار کھاؤں تو کیسے غضب کی بات ہے۔ لہذا عرض ہے کہ میری تنخواہ ماہ بہ ماہ ملنے کا حکم دیجئے کہ اس طرح زندگی و شوالہ ہو رہی ہے۔ اب شاعری پس کرتا ہوں اور دعا پر ختم کرتا ہوں کہ ایسے ہزار برس زندہ رہوں جن میں ہر سال پچاس ہزار روپوں کا ہو۔

(۱۲)

سیہ کلیم ہوں لازم ہے میرا نام نہ لے
جہاں میں جو کوئی فتح و ظفر کا طالب ہے
ہو انہ غلبہ نہ میسر سمجھی کسی پہ تجھے
کہ جو شریک ہو میرا شریک غالب ہے

سیہ کلیم، بد بخت، شریک غالب۔ وہ شخص جو کسی زبردست کے ساتھ شریک ہو۔ ایسے کہ ہمیشہ ہی گھٹا رہے گا۔ یعنی فتح اور غلبہ کے خواہشمند کہ چاہیے کہ میرا نام نہ لے یہ اس کے لیے بدنامی کا موجب ہوگا۔ کیونکہ میں ایسا شخص ہوں کہ ہمیشہ مغلوب رہنا۔ اگر کوئی میرا ساتھی بننا تو اس کی حیثیت بھی ایسی ہوگی جیسی اس کی جو کسی ہیکٹر کا شریک ہو کہ ہمیشہ گھٹائے میں رہے۔

(۱۳)

سہل تھا مسہل دے یہ سخت مشکل آپڑی
مجھ پہ کیا گزیرے گی اتنے سوز حاضرین ہائے

تین دن مُسہل سے پہلے تین دن مُسہل کے بعد .
تین مُسہل تین تبریدیں یہ کتنے دن ہوئے

از روئے طب مُسہل کا تادمہ ہے کہ مُسہل لینے سے تین دن پہلے ایسی دوا دی جاتی ہے جو مادہ کو پکا دے اُسے مُنفعی کہتے ہیں۔ پھر دست آور دوا دی جاتی ہے جسے مُسہل کہتے ہیں۔ مُسہل کے بعد ٹنڈی دوا دیتے ہیں جسے تبرید کہا جاتا ہے۔ ہر مُسہل کے ساتھ تبرید ہوتا ہے۔ یہ قطعہ ایک درخواستِ رخصت ہے۔ یعنی مُسہل لینے میں مُشکل ہے کہ اتنے روز مجھے شاہی دربار سے غیر حاضر رہنا پڑے گا پہلے تین دن مُنفع کے لیے پھر تین مُسہل اور تین تبرید کے اور تین دن آرام کئے اس طرح ۱۲ یوم ہو گئے۔

(۱۴)

خجستہ انجمن طوئے مسندِ اجمفر
کہ جس کے دیکھے سے سب کا ہوا ہے جی معظوظ
ہوئی ہے ایسے ہی فرخندہ سال میں غالب
شریکوں ہو مادہ سال عیسوی ^{۱۸۵۴} معظوظ

انجمن طوئے : جلسہ شادی۔ یعنی مرزا جعفر کے عیث شادی کو دیکھ کر سب کا دل معظوظ ہوا۔ چونکہ یہ تقریب ایسے مسرت بخش سال میں ہوئی ہے اس لیے تاریخ سال عیسوی کا مادہ ہی معظوظ ہو گیا۔
^{۱۸۵۴}

(۱۵)

ہوئی جب مسندِ اجمفر کی شادی
ہوا بزمِ طرب میں رقصِ تابدید

کہا غالب سے تاریخ اس کی کیا ہے
تو بولا۔ انشراحِ جنِ جمشید

ناہید: یعنی زہر۔ یعنی مادہ انشراح جن جمشید سے میرزا جعفر کی شادی کی
تاریخ نکلتی ہے۔

(۱۶)

گو ایک بادشاہ کے سب خانہ زاد میں
دربار دار لوگ بہم آشنا نہیں
کانوں پہ ہاتھ دھرتے ہیں کہتے ہوئے سلام
اس سے ہے یہ مراد کہ ہم آشنا نہیں

کہا جاتا ہے کہ اہلِ دربار کا دستور تھا کہ باہم سلام کرتے وقت کان پر ہاتھ رکھتے
تھے۔ معنی قطعہ یہ ہیں کہ اگر یہ تمام اہلِ دربار خواجہ تاش ہیں اور ایک دوسرے سے
واقف ہیں لیکن پھر بھی سلام کا طریقہ ان کا ظاہر کرتا ہے کہ گویا کان پر ہاتھ دھر
کر وہ بتاتے ہیں کہ ہم ایک دوسرے سے نا آشنا ہیں۔ کیونکہ کان پر یا کانوں پر ہاتھ
دھرنا اہلِ زبان کے عادیہ میں اظہارِ بے تعلقی کے معنوں میں آتا ہے۔

رباعیات

(۱۰)

بعد از اتمامِ بزمِ عید اطفال
ایامِ جوانی رہے ساغر کشِ حال

آپنیجے ہیں تا سوادِ اقلیمِ غم
اے عمرِ گزشتہ یک قدم استقبال

حال : یعنی مستی و کیفیت ۔ یعنی بچوں کی عید کا میلان ختم ہو گیا تو عہدِ جوانی نے کیفیت
دستی کی حالت اختیار کی ۔ اس کے بعد اب ملکِ فنا کی سرحدوں پر پہنچ گئے ہیں ۔ جی
چاہتا ہے کہ پچھلی عمرِ حیوانی کو اُس نے کہ ایک جھلک پھر اس کی دیکھ پاؤں (حسرتِ ایم فانی)

(۲)

شب زلف و رخِ عرقِ نشاں کا غم تھا
کیا خرچ کروں گہ طرفہ تر عالم تھا
رویا میں ہزار آنکھ سے صبح لٹک
ہر قطرہ اشک ویدہ پر غم تھا

یعنی رات بھر زلف اور عرق آلود چہرے کے خیال میں عجیب حالت تھی ۔ چنانچہ
اس خیال میں ہزاروں آنکھ سے صبح تک روتا رہا یہاں تک کہ خیالِ زلف و رخ
سے میرے نظر بامری اشک بھی تاخیر ہوئے اور آنکھ کی مانند سیاہ و سرخ ہو گئے (کیفیتِ کھوپڑی)

(۳)

دل تھا کہ جو جانِ درد تمہید ہی
بے تابِ رشک و حسرت دید ہی
ہم اور فشر دن اسے بجلی افوس
تکرارِ دعا نہیں تو تجدید ہی

دل : یعنی حوصلہ ۔ جانِ درد تمہید : یعنی درد بھری زندگی ۔ یعنی ہم بڑے

ہی صاحب حوصلہ تھے کہ ہم نے اپنی پُر از غم عشق زندگی کو جھیل لیا ہے۔ بقراری
میں آنسو بہائے اور تمنائے دیدار کی سختیاں جھیلیں۔ اسے جلوہ یار بڑے انوس
کی بات ہوگی اگر دل سمجھ کر رہ جائے۔ لہذا خواہش ہے کہ ایک بار پھر وہی حیلوہ
دیکھیں اگر دوبارہ وہی جلوہ نظر آنا ممکن نہ ہو تو از سر نو نیا جلوہ سہی۔ (التجائے دیدار)

(۴)

آتش بازی ہے جیسے شغل اطفال
ہے سوزِ جگر کا بھی اس طور سے حال
تھا موجدِ عشق بھی قیامت کوئی
بچوں کے لیے گیا ہے کیا کھیل نکال

یعنی جس طرح (بچے) آتش بازی میں مشغول ہو جاتے ہیں اسی طرح عشاق کو بھی
سوزِ جگر (دردِ عشق) میں مزہ آتا ہے جس نے عاشقی ایجاد کی ہے وہ بہت ہی غضب
کا آدمی تھا کہ اپنے بچوں (پروردگانِ عشق) کے لیے ایسا دلچسپ کھیل نکال گیا کہ اس
میں کچھ اس طرح مصروف ہوتے ہیں کہ کوئی اور کام یاد ہی نہیں رہتا (ابتلائے اہماکِ عشق)

(۵)

ہے خلقِ حسدِ قماش، لڑنے کے لیے
وحشتِ کدۂ تلاش، لڑنے کے لیے
یعنی ہر بار صورتِ کاغذِ باد
ملتے ہیں یہ بد معاش لڑنے کے لیے

حسدِ قماش: یعنی ماسد۔ وحشتِ کدۂ تلاش: یعنی عالمِ جدوجہد یا دنیا۔

کافربار، بمعنی یتیم۔ بدعاش، بمعنی بدکردار۔ یعنی اہل دنیا جو جہنم میں مبتلا
ہیں طرانی بیڑاقتی میں مصروف رہتے ہیں۔ گویا یہ عالم جدوجہد ہے ہی لڑنے کے
لیے۔ یہ بدکردار دنیا والے ملتے ہیں تو یتیم کی طرح کہ ایک دوسرے کو کاٹنے کی
نکد میں رہتے ہیں۔ (فساد مذاق اہل دنیا)

(۶)

دل سخت نر نہ ہو گیا ہے گویا
اس سے گلہ مند ہو گیا ہے گویا
پر یار کے آگے بول سکتے ہی نہیں
غالب مند بند ہو گیا ہے گویا

گویا: بمعنی بظاہر۔ نر نہ: بمعنی بد حال و غناک۔ یعنی دل کی حالت یہ ہے
کہ سخت بد حال ہے اور محبوب سے اس کو سخت شکایت ہے۔ لیکن اس کے آگے کچھ
نہیں ہو سکتا گویا مند بند ہے۔ (درد مندی و بے چارگی دل عاشق)

(۷)

دکھ جی کے پسند ہو گیا ہے غالب
دل رگ رگ کے بند ہو گیا ہے غالب
واللہ کہ شب کو نیند آتی ہی نہیں
سوتا سو گند ہو گیا ہے غالب

یعنی دکھ کچھ ایسا مرغوب خاطر ہے کہ دور ہی نہیں ہوتا اور انقباض خاطر اس حد
کو پہنچ گیا ہے کہ اب کھلتا ہی نہیں۔ ایسی حالت میں رات بھر نیند نہیں آتی سوتا تو ختم

ہو گیا۔ (بیان غم حالی عاشق)

اس رباعی کا دوسرا مصرعہ ساقط الوزن معلوم ہوتا ہے۔ اگر رک کر پڑھا جائے
تب غالباً درست ہوگا۔

(۸)

مشکل ہے زبیں کلام میرا اسے دل
سن سن کے اسے سخنورانِ کامل
آسان کہنے کی کرتے ہیں فسانہ
گوئم مشکل و گرنہ گوئم مشکل

یعنی چونکہ میرے اشارہ مشکل ہیں اس لیے اہل سخن کہتے ہیں کہ آسان کہوں اب
اس پر کچھ کہوں کہ صاحب میرا کلام مشکل نہیں تمہاری فہم کا قصور ہے۔ تب بھی مشکل
ہے اور کچھ نہ کہوں تب بھی مشکل ہے کہ گویا تسلیم کرتا ہوں کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں صحیح ہے
مجھے ان کی سمجھ کے مطابق شعر کہنا چاہیے۔ حالانکہ یہ میری طبیعت کے خلاف ہے
(مشکل پسندی غالب و کم سواد شاعر اہل زمانہ)

(۹)

بھیجی ہے جو مجھ کو شاہ جہاں نے دال
بے لطف و عنایاتِ شہنشاہِ پدال
یہ شاہ پسند دال بے سجت و جدال
ہے دولت و دین و دانش و داد کی دال

یعنی بادشاہ کا تحفہ کے طور پر دال بھیجنا اس کی ہر بانی کا ثبوت ہے۔ یہ دال

جو بادشاہ کو پسند ہے تو گو یا صرف بادشاہ کی پسندیدہ دال نہیں بلکہ دوست و دین و دانش و داد کی دال یعنی حریف آغاز ہے۔ کیونکہ بادشاہ ان سب کا مجموعہ ہے (تکریفہ خامہ سلطانی)

(۱۰)

ہیں شاہ میں صفات ذوالجلال باہم
آثار جلال و جمالی باہم
ہوں شاد نہ کیوں سافسل و عالی باہم
ہے اب کے شب قدر و در والی باہم

یعنی بادشاہ کی وہ ہر شان ہے۔ صاحب جمال بھی ہے اور صاحب جلال بھی۔
آج ادنیٰ و اعلیٰ سب خوش ہیں کیونکہ شب قدر اور در والی ایک ساتھ آئی ہیں (تہنیت)

(۱۱)

مدح و تہنیت

حق شہ کی بقا سے خلق کو شاد کرے
تا شاہ، شیوہ و دانش و داد کرے
یہ دمی جو گئی ہے رشتہ عمر میں گانٹھ
ہے صفر کہ افزائش اعداد کرے

یعنی دعا ہے کہ بادشاہ کی زندگی دیراز ہو تاکہ دنیا میں علم اور عدل پھیلے۔ شمار
عمر کے دھلگے میں جو گرہ لگی ہے یہ گرہ صفر کا کام کرے تاکہ عمر کی گنتی زیادہ ہو۔
کسی عدد پر صفر لگانے سے عدد دس گنا زیادہ ہو جاتا ہے (تہنیت ساگر بادشاہ)

(۱۲)

اس رشتہ میں لاکھ تار ہوں بلکہ سوا
اتنے ہی برس شمار ہوں بلکہ سوا
پہر سیکڑے کو ایک گرہ فرض کریں
ایسی گرہیں ہزار ہوں بلکہ سوا

یعنی دعا ہے کہ رشتہ عمر میں لاکھ تار سے زیادہ ہوں اور عمر کے سالوں میں اتنی
ہی بلکہ اس سے بھی زیادہ افزونی ہو اور اتنی زیادہ کہ سو گرہوں کی ایک گرہ فرض کی جائے
اور پھر سو سو گرہوں والی ایک ہزار گرہیں عمر کی لگیں بلکہ اس سے بھی زیادہ ہو۔
(دعا نے ترقی عمر و تہنیت سالگرہ بادشاہ)

(۱۳)

کہتے ہیں کہ اب وہ مردم آزاد نہیں
عشاق کی پرستش سے اسے عار نہیں
جو ہاتھ کہ ظلم سے اکٹھایا ہوگا
کیونکہ مانوں کہ اس میں تلوار نہیں

ظلم سے ہاتھ اکٹھانا کے دو معنی ہیں ایک تو ظلم سے دست بردار ہونا اور دوسرے
یاراؤہ ظلم ہاتھ اکٹھانا۔ معنی یہ ہیں کہ کہا جاتا ہے کہ مشوق نے مردم آزادی ترک کی اور
ظلم سے ہاتھ اکٹھایا۔ بظاہر ظلم سے دست برداری سمجھ لو لیکن اس نے جو ہاتھ اکٹھایا
یو یقیناً ہاتھ سے تلوار اکٹھاتی ہے۔ غرض یہ کہ اس کے ترک ستم کا یقین نہیں ہے۔
(ستمگرنی مشوق)

(۱۴)

ہم گرچہ بنے سلام کرنے والے
کرتے ہیں وزنگ کام کرنے والے
کہتے ہیں کہیں خدا سے اللہ اللہ
وہ آپ ہیں صبح و شام کرنے والے

سلام کرنا: یعنی حاضری دینا، خوشامد کرنا۔ صبح و شام کرنے والا کے دو معنی
میں ایک تو شمال مثول کرنے والا اور دوسرا صبح و شام بنانے والا (خدا) یعنی سرکار
در بارہ والوں کی کتنی ہی حاضری دیں اور خوشامد کریں وہ کام کو تے میں دیر کرتے ہیں
مجبور ہو کر ارادہ کرتے ہیں کہ اپنے خدا سے مانگیں لیکن اللہ میاں بھی صبح و شام
کرنے والے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ بجز مطلب کچھ نہیں ملتا جب تک کہ ملنے کا وقت
ہی نہ آجائے۔ (شکوہ تاخیر حصول مرام)

(۱۵)

سامان خور و خواب کہاں سے لاؤں؟
آرام کے اسباب کہاں سے لاؤں؟
روزہ مرا ایمان ہے غالب لیکن
خس خانہ و برف آب کہاں سے لاؤں؟

یعنی نہ کھانے پینے کا سامان میسر نہ آرام کے اسباب موجود۔ اب روزہ رکھوں تو
کیوں کر۔ (عذر معصیت)